مفسرِ قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ
کی دلنشیں باتوں کا حسین مجموعہ
جواہراتِ شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ
افادات:
مفسرِ قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ
مرتب
حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب مدظلہ
فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، بنوری ٹاؤن کراچی
www.besturdubooks.net
مکتبہ یادگار شیخ

مفسرِ قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ

کی دلنشیں باتوں کا حسین مجموعہ

جواہراتِ شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ

افادات:

مفسرِ قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب مدظلہ

فاضل، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ یادگارِ شیخ

اردو بازار لاہور ۰۳۲۱-۴۷۹۰۳۱۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب .... جواہرات شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ

مرتب .... حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب مدظلہ
فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، بنوری ٹاؤن کراچی

تعداد ۱۱۰۰

سن طباعت ۱۴۳۴

ناشر .... مکتبہ یادگارِ شیخ الحمد مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○ اردو بازار لاہور
۰۳۲۱-۴۷۹۰۳۱۳ ● ۰۴۲-۳۷۲۴۸۰۱۳

کتاب کی دستیابی کے مراکز

✿ مکتبہ رحمانیہ	اردو بازار لاہور	✿ مکتبہ شیخ	بہادر آباد کراچی
✿ مکتبہ سید احمد شہید	اردو بازار لاہور	✿ بیت العلم	پشاور
✿ مکتبہ قاسمیہ	اردو بازار لاہور	✿ مکتبہ امدادیہ	ملتان
✿ مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ	اردو بازار لاہور	✿ مکتبہ حقانیہ	ملتان
✿ بیت العلوم	اردو بازار لاہور	✿ مکتبہ سراجیہ	سرگودھا
✿ ادارہ اسلامیات	انارکلی لاہور	✿ مکتبہ الحرمین	سرگودھا
✿ مکتبہ احسان	بنوں	✿ مکتبہ اسلامیہ	لاہور/فیصل آباد
✿ مکتبہ تعلیم القرآن	چارسدہ	✿ مکتبہ العارفی	فیصل آباد
✿ دار الاشاعت	کراچی	✿ مکتبہ رشیدیہ	کوئٹہ/لاہور
✿ مکتبہ عمر فاروق	کراچی	✿ مکتبہ علمیہ	اکوڑہ خٹک

استدعا ہر اچھے کتب خانہ سے ہماری کتب باصرار طلب فرمائیں

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا، نشاندہی پر ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

فہرست عنوانات

عرضِ مرتب

موجودہ دور کی جن دینی شخصیات کو اللہ رب ذوالجلال نے شہرت عزت وعظمت اور مقبولیت ی بلندیوں پر فائز فرما کر ان کا علمی وروحانی فیض عام فرمایا ان میں ایک شخصیت مفسّر قرآن مولانا محمد اسلم شیخو پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، یہ وہ عظیم ہستی ہیں جنہیں جسمانی کمزوری اور معذوری یعنی اپاہج ہونے کے باوجود قدرت نے علم وفضل کی بے بہا دولت عطا فرما کر زبان وقلم کی تاثیر سے نوازا، آپ کے قلم سے متعدد خوبصورت کتابیں معرض وجود میں آکر علماء وصلحاء میں بے حد مقبول ہوئیں، سرزمین پاکستان چونکہ ایک طویل عرصے سے دین دشمنوں کی جنت بنی ہوئی ہے اور یہ بدنصیب لوگ علماءِ حق کے وجود کو برداشت نہ کرتے ہوئے گولی کی زبان بول رہے ہیں، چنانچہ ہزاروں علماء ان دشمنان دین کے ستم کا نشانہ بن کر جام شہادت نوش کر گئے، ان میں ایک نام ہمارے ممدوح، مظلوم و معذور مفسّر قرآن اور عظیم صاحب قلم حضرت مولانا محمد اسلم شیخو پوری شہیدؒ کا ہے جنہیں تقریباً ایک سال قبل کراچی میں اس وقت شہید کر دیا گیا جب آپ درس قرآن دینے کیلئے جارہے تھے، چنانچہ درس قرآن کا یہ سفر آپؒ کیلئے جنت کا سفر بن گیا، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر فرمائے، ''جواہرات شیخو پوری شہیدؒ'' کے خوبصورت نام سے زیر نظر خوبصورت کتاب حضرت شیخو پوری شہیدؒ کے تصنیفی جواہرات کا مجموعہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو حضرت شہیدؒ کیلئے رفع درجات کا باعث بنائے۔ آمین!

شرک نا قابل معافی جرم ہے

قرآن اور حدیث میں سب سے زیادہ جس مضمون کو بیان کیا گیا ہے وہ توحید کا مضمون ہے سب سے زیادہ جس عقیدے پر زور دیا گیا ہے وہ عقیدہ توحید ہے، اللہ نے اپنی مقدس کتب میں اتنی بار مختلف عنوانوں اور طریقوں سے اس مضمون کو بیان کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے مجھے ایک شخص کی بات یاد آتی ہے وہ عام کاروباری آدمی تھا مگر اس نے عجیب بات کہی، کہنے لگا مولوی صاحب اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اتنی بار توحید کا مضمون بیان کیا ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص ایک ہی بات اتنی بار کہے تو ہمیں اس پر دیوانگی کا شبہ ہونے لگے ہر سورۃ میں توحید کا مضمون ہے ہر رکوع میں توحید کا بیان ہے ہر صفحے میں توحید کا ذکر ہے ہر آیت میں توحید کی تاکید ہے اس شخص کا مقصود اللہ تعالیٰ کی توہین یا تنقیص نہیں تھا وہ صحیح موحد اور پکا مسلمان تھا بلکہ توحید کی اہمیت بیان کرنے کے لئے اس نے اس انداز میں بات کی۔ میں نے اس کا جواب دیا کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ ماں کو اپنے بچوں سے جتنی محبت ہوتی ہے اللہ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ محبت ہے اور ماں کو تم نے کبھی دیکھا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کیسے سمجھاتی ہے کیسے نصیحت کرتی ہے۔ ایک بات کو بار بار کہتی ہے بیٹے جوان بھی ہو جاتے ہیں لیکن ماں اپنی مادرانہ محبت اور شفقت کی وجہ سے اپنی نصیحتوں کا سلسلہ جاری رکھتی ہے یہ نہیں کہ بچے ناسمجھ یا پاگل ہوتے ہیں بلکہ ماں کی ممتا اسے بار بار سمجھانے پر مجبور کرتی ہے وہ نوجوان بیٹے کو سفر پر روانہ کرتی ہے تو ایک ہی بات سو طریقوں سے سمجھاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے جو توحید کا مضمون اتنی بار بیان کیا ہے تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسے اپنے بندوں سے بے پناہ محبت ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس کا

ایک بندہ بھی دوزخ میں جائے اور عقیدہ توحید کے بغیر کسی کی مغفرت نہیں ہو سکتی، توحید کی ضد شرک ہے جو انسان توحید سے روگردانی کر کے شرک میں مبتلا ہوا

وہ کتنا ہی صدقہ وخیرات کرنے والا کیوں نہ ہو، وہ کتنا ہی محب اور عاشق کیوں نہ ہو، وہ کتنا ہی مجاہد اور حاجی کیوں نہ ہو، وہ کتنا ہی شب بیدار اور روزہ دار کیوں نہ ہو، اس کے ماتھے پر سجدوں کا نشان کیوں نہ ہو، اس کے ہاتھ میں ہزار دانوں والی تسبیح کیوں نہ ہو۔

اگر وہ شرک کے مرض میں مبتلا ہے تو اس کی بخشش نہیں ہو سکتی، وہ رحیم وکریم آقا اگر چاہے گا تو چوروں' ڈاکوؤں' شرابیوں' زانیوں اور فاسقوں' فاجروں کو معاف کر دے گا لیکن شرک کو ہرگز معاف نہیں کرے گا یہ اس کا اعلان ہے۔

قرآن حکیم میں ہے۔

ان اللہ لا یغفران یشرک بہ ویغفرما دون ذلک لمن یشاء ومن یشرک باللہ فقد افتری اثما عظیماً (سورۃ انبیاء)

بیشک اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے نیچے جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا طوفان باندھا۔

(ندائے منبر ومحراب ج ۲ صفحہ ۱۹)

ایک نکتہ

عربی زبان میں محبت کے مختلف درجات کے لئے مختلف الفاظ وضع کئے گئے ہیں۔ پہلا درجہ ''علاقہ'' ہے یعنی محبوب سے دل کا ایک تعلق پیدا ہو جانا۔ دوسرا درجہ ''الصبابہ'' ہے یعنی دل کا محبوب کی طرف جھک جانا۔ تیسرا درجہ ''الغرام'' ہے یعنی دل کا محبوب کے ساتھ جڑ جانا۔ چوتھا درجہ ''العشق'' ہے یعنی محبوب پر دل وجان سے فریفتہ ہو جانا۔ پانچواں درجہ ''التیم'' ہے یعنی محبوب کے لئے سب کچھ فنا کر دینا عربی میں کہا جاتا ہے'' تیم اللہ'' اور لغت میں لکھا ہے کہ اس کا معنی ہے'' عبداللہ'' تو'' تیم اللہ'' کا معنی ہے فلاں شخص اللہ کا عاشق ہے کیونکہ'' تیم'' اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے محبوب کی محبت میں فنا ہو کر اس کا بندہ بن گیا ہو

گویا ''عبداللہ'' وہ ہوگا جو اللہ کے ساتھ بے پناہ محبت رکھتا ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اللہ کا بندہ ہونے کا تو دعویٰ کرے لیکن اللہ سے محبت نہ رکھتا ہو۔ (۲۳)

عرض یہ کر رہا تھا کہ ''لا الہ الا اللہ'' کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ ''لامحبوب الا اللہ'' اور یہ بھی بتا رہا تھا کہ ہر نبی کو سب سے زیادہ مخالفت کا سامنا ''لا الہ'' کی وجہ سے کرنا پڑا مگر یہ نبی نے واضح کر دیا کہ نفی پہلے ہوگی اثبات بعد میں ہوگا تخلیہ پہلے ہوگا تحلیہ بعد میں ہوگا صفائی پہلے ہوگی رنگ و روغن بعد میں ہوگا جس دل میں غیر اللہ کی عبادت و اطاعت کا جذبہ باقی ہے اس میں کلمہ طیبہ کی حقیقت اور اللہ کی سچی محبت سما ہی نہیں سکتی اگر کوئی مشرک خدا سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے ہاں موحد صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اس لئے محبت کرتا ہے کہ اس کی ذات میں محبوبیت والی ساری صفات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں خالق وہ ہے رزق وہ دیتا ہے محسن وہ ہے جمیل وہ ہے بلکہ خالق حسن و جمال وہ ہے صفات عالیہ اس میں پائی جاتی ہیں۔

ایک سوال

یہاں ایک سوال کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ تم کہتے ہو مومن صرف اللہ سے محبت کرتا ہے حالانکہ مومن تو تمام انبیاء علیہم السلام سے محبت کرتا ہے سید الانبیاء ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ صحابہؓ تابعینؒ تبع تابعین سے محبت کرتا ہے اولیاء' اتقیاء' علماء' شہداء' سے محبت کرتا ہے اپنے والدین' اساتذہ' مشائخ' دوستوں اور محسنوں سے محبت کرتا ہے پھر یہ آپ نے کیسے دعویٰ کر دیا کہ ''لامحبوب الا اللہ'' اللہ کے سوا کوئی محبوب نہیں' اس سیدھے سادے سوال کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ ہر موحد اصلاً اور اولاً تو محبت اللہ ہی سے کرتا ہے پھر ہر اس شخصیت سے محبت کرتا ہے جس جس سے محبت کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور کسے نہیں معلوم کہ یہ ساری شخصیات وہ ہیں جن کے ساتھ محبت کرنے کا رب کریم نے حکم دیا ہے بس ذہن میں یہ بات ضرور رہنی چاہیے کہ یہ شخصیات تو بہت بڑی ہیں ان میں محبوبیت والے اوصاف اور اسباب بھی پائے جاتے ہیں لیکن یہ سارے اوصاف اور اسباب ان کی ذات میں اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کئے ہیں۔

وہ اگر چاہتا تو کوئی نبی' منصب نبوت پر فائز نہ ہوسکتا' ولی کو ولایت نہ مل سکتی' شہید' مقام شہادت تک نہ پہنچ سکتا' عالم کا سینہ علم کے نور سے منور نہ ہوسکتا۔

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر عمارت کو دیکھ کر معمار کا اور گلشن کو دیکھ کر باغبان کا کمال معلوم ہوتا ہے تو ان عظیم شخصیات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا کمال سمجھ میں آتا ہے اور اس کا محبوب حقیقی ہونا اور بھی مستحکم اور ثابت ہو جاتا ہے جس خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جیسے باکمال انسانوں کو پیدا کیا وہ خود کتنا باکمال ہوگا اگر ان کے ساتھ ہمیں محبت ہے تو اس کے ساتھ محبت کیوں نہ ہوگی اور یہ بھی تو سوچو کہ جس خلاق نے اس عالم رنگ و بو کو بے پناہ حسن و جمال عطا کیا ہے وہ خود کتنا حسین وجمیل ہوگا۔

ہر جگہ وہ

اسی لئے ایک موحد مسلمان جب مظاہر فطرت پر نظر ڈالتا ہے تو اسے ہر جگہ اور ہر چیز میں اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے آسمانوں کی بلندی میں ''وہ'' پہاڑوں کے جلال میں ''وہ'' درختوں کے جمال میں ''وہ'' ماضی اور حال میں ''وہ'' مستقبل اور حال میں ''وہ'' انسانوں کی زبان قال میں ''وہ'' ذروں کی زبان حال میں ''وہ'' دن کی روشنی میں ''وہ'' رات کی تاریکی میں ''وہ'' سورج کی کرنوں میں ''وہ'' کواکب کی چشمک میں ''وہ'' پھولوں کی چٹک میں ''وہ'' کلیوں کی مہک میں ''وہ'' عصافیر کی چہک میں ''وہ'' سبزے کی لہک میں ''وہ'' ابر کی دھمک میں ''وہ'' زندگی کی ہمک میں ''وہ'' لہروں کی لچک میں ''وہ'' صحرا کے سناٹے میں ''وہ'' آبادی کے ہنگامے میں ''وہ'' ملائکہ کی تسبیحات میں ''وہ'' مجاہدین کی تکبیرات میں ''وہ'' داؤد علیہ السلام کے نغموں میں ''وہ'' موسیٰ علیہ السلام کی تختیوں میں ''وہ'' کتاب مقدس کی اناجیل میں ''وہ'' قرآن کے پاروں میں ''وہ''۔ قرآن میں تقریباً دو ہزار نو سو چالیس مرتبہ لفظ ''اللہ'' آیا ہے انسان نے اسے غاروں اور ویرانوں میں تلاش کیا مگر غیب سے آواز آئی **و فی انفسکم افلا تبصرون** ادھر ادھر بھٹکنے والو ذرا اپنی ذات میں تو جھانک کر دیکھو۔

تمہاری گویائی میں ''وہ'' تمہاری شنوائی میں ''وہ''، تمہاری بینائی میں ''وہ''

تمہاری سانوں کے زیر و بم میں ''وہ'' تمہاری رگ جان میں ''وہ''

توحید کی قسمیں

علماء بتاتے ہیں کہ توحید کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) توحید ربوبیت یعنی خدا کی ذات کا اقرار کرنا یہ تسلیم کرنا کہ واقعی خدا ہے اور ایک ہے اس کی ذات میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے، اس بزم ہستی کو سجانے والا وہی ہے زمین و آسماں اور جن وانسان کا خالق اور رازق وہی ہے۔

(۲) توحید الوہیت اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت اور عبادت کی تمام قسمیں صرف اللہ کے لئے، دُعائیں اور التجائیں اسی سے' امیدیں اور آرزوئیں اسی سے، نذر و نیاز اور قربانی اسی کے لئے، خوف رغبت اور محبت اسی سے' توکل اعتماد اور بھروسہ اسی پر توحید الوہیت یا توحید عبادت ہی وہ مسئلہ تھا جس کی وجہ سے اہل مکہ نے رسول اکرم ﷺ کی مخالفت کی، شرک نے ان کی عقلوں کو کچھ ایسا ماؤف کر دیا تھا کہ یہ مسئلہ ان کی سمجھ میں آتا ہی نہیں تھا وہ بڑے تعجب سے کہتے تھے۔

اجعل الالهته الها واحدا ان هذا لشئی عجاب

کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔

عقل کا بحران

اگر کسی مشرک سے اس کے بہن بھائیوں کی تعداد پوچھی جائے تو کہہ سکتا ہے کہ دو ہیں یا چار ہیں لیکن اگر اس سے سوال کیا جائے کہ تمہارے حقیقی باپ کتنے ہیں تو وہ مرنے مارنے پر تل جائے گا کہ باپ تو ایک ہی ہوتا ہے کئی نہیں ہوتے لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی کہ خدا بھی ایک ہو سکتا ہے کئی نہیں ہو سکتے اور اتنی موٹی سی بات اس کی سمجھ میں اس لئے نہیں آتی کہ شرک انسانی عقل و فکر کو کند کر دیتا ہے ہر مشرک عقل کے بحران کا شکار ہوتا ہے اور کوئی ایسا شخص شرک نہیں کر سکتا جس کی عقل صحیح ہو جس کے قوائے فکر یہ بیکار نہ ہو گئے ہوں۔ بظاہر میری یہ بات آپ کو بڑی عجیب محسوس ہو گی لیکن اگر آپ ذرا سنجیدگی سے

سوچیں تو آپ میرے اس دعویٰ کی صداقت کے قائل ہو جائیں گے کہ واقعی مشرک عقل کے بحران میں مبتلا ہوتا ہے ذرا ان کے خداؤں پر تو ایک نظر ڈالیں۔

کہیں گنگا جمنا کا پانی خدا ہے مگر اسی سے استنجا بھی ہو رہا ہے۔

کہیں آگ خدا ہے مگر ایسا خطرناک خدا کہ اگر اس کا پجاری عقیدت و محبت کے جذبہ کے تحت اس سے معانقہ کرنا چاہے تو بھسم کر ڈالے۔

کہیں گائے خدا ہے مگر کہیں بھری پری محفل میں گوبر اور پیشاب کر دے تو ''خدا'' یاد آجائے۔

کہیں لکڑی کا خدا ہے مگر ضرورت پڑتی ہے تو اسے ایندھن بنالیا جاتا ہے۔ کہیں لوہے اور پتھر کا خدا ہے مگر صم بکم ہے۔

ہم ایسے خداؤں پر حیران بڑے ہیں
جو سنگیں مزاج اور دل کے کڑے ہیں
پڑے ہیں پڑے ہیں، کھڑے ہیں کھڑے ہیں
جو ناپو تو بندے خدا سے بڑے ہیں

کہیں مٹی کا خدا ہے لیکن بہت نازک مزاج ہے اسے پانی سے بچانا بہت ضروری ہے ورنہ گھل کر بے نشاں ہو جائے گا۔

(ندائے منبر ومحراب ج ۲ صفحہ ۳۵)

مشرک اور موحد میں فرق

گرامی قدر احباب! شرک سے بے حد احتیاط کی ضرورت ہے شرک کے شائبے سے بھی بچنا چاہئے کیونکہ شرک کا انسان کے عقائد' اعمال اخلاق ہر چیز پر اثر پڑتا ہے ایک مشرک اور موحد انسان کے تصورات' جذبات' خیالات اور سیت و کردار میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔

موحد خالق کو پوجتا ہے مشرک مخلوق کو پوجتا ہے۔

موحد کی نظر سبب الاسباب پر ہوتی ہے مشرک کی نگاہ اسباب پر ہوتی ہے۔

موحد صرف ایک در پر سر جھکاتا ہے مشرک در در پر جبین نیاز کا تقدس لٹاتا ہے۔
موحد کا سینہ ایمان کے نور سے منور ہوتا ہے مشرک کا سینہ شرک کی ظلمت سے تاریک ہوتا ہے۔

موحد خالق کائنات سے ڈرتا ہے مشرک کائنات سے ڈرتا ہے
موحد بندہ خدا ہوتا ہے مشرک بندہ نفس و ہوا ہوتا ہے
موحد معزز اور باکردار ہوتا ہے مشرک ذلیل اور خوار ہوتا ہے۔
موحد اللہ کا محبوب ہوتا ہے مشرک رب کا مغضوب ہوتا ہے۔
موحد رشک ملائکہ ہوتا ہے مشرک ننگ انسانیت ہوتا ہے۔
موحد انسان ہوتا ہے مشرک حیوان ہوتا ہے
موحد نمک حلال ہوتا ہے مشرک نمک حرام ہوتا ہے
موحد شجاع اور بہادر ہوتا ہے مشرک بزدل اور کمینہ ہوتا ہے۔
موحد یکجائی ہوتا ہے مشرک ہرجائی ہوتا ہے۔
موحد عاقل اور باشعور ہوتا ہے مشرک بے وقوف اور سودائی ہوتا ہے۔
موحد ابراہیم علیہ السلام ہوتا ہے مشرک نمرود ہوتا ہے۔
موحد موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام ہوتا ہے مشرک فرعون اور قارون ہوتا ہے۔
موحد رسول اللہ ﷺ ہوتا ہے مشرک ابوجہل ہوتا ہے۔
موحد ابوبکر صدیقؓ ہوتا ہے مشرک امیہ بن خلف ہوتا ہے۔
موحد عمرؓ اور عثمانؓ ہوتا ہے مشرک عتبہ اور شیبہ ہوتا ہے۔
موحد علیؓ مرتضیٰ ہوتا ہے مشرک ولید بن مغیرہ ہوتا ہے۔
موحد بلالؓ حبشی ہوتا ہے مشرک ابولہب ہوتا ہے۔

میری ان معروضات کو محض لفاظی گردانیئے گا بلکہ یہ تسلیم شدہ حقائق ہیں اسی لئے تو قرآن حکیم اور حدیث رسول ﷺ میں توحید کی اس قدر تاکید اور شرک کی اس قدر مذمت بیان کی گئی ہے اور طرح طرح کے دلائل دے کر توحید کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

توحید کے دلائل

پہلی دلیل: اس کائنات کا نظام یہ بتاتا ہے کہ اس کا خالق و مالک صرف ایک ہے کیونکہ اس نظام میں ایک عجیب سا تسلسل اور مساوات ہے سورج اپنے وقت پر طلوع اور غروب ہوتا ہے سردی اور گرمی بہار اور خزاں کا ایک متعین موسم ہے دن اور رات ایک دوسرے کے تعاقب میں رواں دواں ہیں، شیر کے گوشت کھانے اور بکری کے گھاس چرنے کا نظام آج تک تبدیل نہیں ہوا غرض یہ کہ جن' انسان' حیوان' آگ اور پانی اشجار اور احجار چرند پرند روشنی اور تاریکی جسے دیکھو سب کے سب ایک مخصوص نظام کے تحت ہیں اور سب ایک ہی بالاتر ہستی کے اشارے پر چل رہے ہیں اسی لئے فرمایا۔

وما کان معه من اله اذا لذهب کل اليه بما خلق ولعلا بعضهم علي بعض

اور اس معبود حقیقی کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھ جاتا۔

دوسری دلیل: اگر کئی خدا ہوتے تو زمین و آسمان میں فساد برپا ہو جاتا کائنات انتشار کا شکار ہو جاتی آیئے میں آپ کو کئی خداؤں کی ایک فرضی مجلس کا نقشہ دکھاؤں کئی خدا اپنے اپنے تخت خدائی پر جلوہ افروز ہیں ہر خدا قدرت اور طاقت والا ہے اس لئے .... اپنی بات ہی نہ منوا سکے وہ خدا کیا ہوا ہر خدا غالب رہنے والا ہے اس لئے کہ خدا مغلوب ہو ہی نہیں سکتا۔

ایک خدا کہتا ہے کہ ترابی کو اولاد دے دی جائے کیونکہ اولاد کی دُعائیں مانگ مانگ کر اس نے عرش کو ہلا دیا ہے۔

دوسرا خدا کہتا ہے نہیں ہرگز نہیں اس بدبخت کی کرتوتیں ایسی شرمناک ہیں کہ وہ اولاد کے قابل ہی نہیں رہا۔

تیسرا خدا کہتا ہے اس کے جرائم سے چشم پوشی کی جائے اور اسے لڑکا دے دیا جائے۔

چوتھا خدا کہتا ہے نہیں لڑکا تو اسے نہ دیا جائے ہاں لڑکی دے دی جائے۔

پانچواں خدا کہتا ہے ترابی جیسا بدبخت انسان اولاد کے لائق نہیں لیکن میں اسے سزا کے طور پر ہیجڑا دینے کا فیصلہ صادر کرتا ہوں جس کی فوراً تعمیل کی جائے۔

آپ ہی بتائیے کہ ان پانچوں میں سے کس کی بات نافذ ہوگی سب کی بات پر عمل ہو نہیں سکتا اگر کسی کی بات پر بھی عمل نہ ہوا تو سب عاجز ہوئے اور اگر ایک کی بات پر عمل ہو گیا تو باقی چار عاجز اور مغلوب ہوئے اور عاجز اور مغلوب خدا نہیں ہو سکتا۔

اس طرح رات کو طویل یا مختصر کرنے میں سردی اور گرمی بڑھانے یا گھٹانے میں کسی کو اقتدار پر فائز کرنے یا محروم کرنے میں بارش برسانے یا نہ برسانے میں دنیا والوں پر وبائیں نازل کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ان متعدد خداؤں کا آپس میں تنازعہ ہو سکتا ہے اور آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ اگر خداؤں کا ٹکراؤ ہو جائے تو پھر کائنات کا کیا بنے گا اسی لئے تو رب کریم نے فرمایا۔

لو كان فيهما الهته الا الله لفسدنا

اگر زمین و آسمان میں ایک خدائے برحق کے سوا چند اور خدا بھی ہوتے تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے۔

ظاہر ہے جب دو افراد آپس میں جھگڑتے ہیں تو صرف ان کے اپنے ہاتھ پاؤں زخمی ہوتے ہیں لیکن جب دو خاندان ٹکراتے ہیں تو پورے خاندان پر تباہی آتی ہے جب دو بادشاہ ٹکراتے ہیں تو مملکتیں برباد ہوتی ہیں جیسے کہ کہا جاتا ہے سانڈوں کی لڑائی میں مینڈکوں کا نقصان ہوتا ہے ہمارے سامنے صدام حسین اور شیطان اکبر بش کے درمیان معرکہ برپا ہے تو عراق کویت اور سعودیہ تباہ ہو رہے ہیں تو جب کائنات کے کئی حکمران ہل من مبارز کہہ کہ میدان میں اتریں گے تو کائنات تباہ ہوگی۔

(ندائے منبر و محراب ج ۲ صفحہ ۵۵)

خزاں کے بعد بہار

جیسے خزاں کے بعد بہار کا دور شروع ہونے لگتا ہے تو ٹنڈ منڈ درختوں پر اس کے کچھ اثرات پہلے ہی نمودار ہو جاتے ہیں یا جیسے رات کے بعد صبح طلوع ہونے لگتی ہے تو افق

پر شفق کی سُرخی پھیل جاتی ہے۔
یا جیسے بارش ہونے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں ایسے ہی دو جہاں کے آقا ﷺ کی ولادت سے پہلے ہوا۔
کچھ ایسے واقعات پیش آ رہے تھے جو دنیا والوں کو بتا رہے تھے کہ ظلم کی خزاں کا دور ختم ہونے والا ہے۔
کچھ ایسی نشانیاں ظاہر ہو رہی تھیں جنہیں دیکھ کر عقل والے جان گئے تھے کہ جہل کی طویل شب رخصت ہونے والی ہے۔
چند ایسی علامات نظر آ رہی تھیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ رحمت کی بارش ہونے والی ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا، اب تو وہ بہار جاوداں آنے والی تھی جس کے لئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے دُعائیں کی تھیں۔
وہ صبح ہونے والی تھی جس کے طلوع کی بشارت حضرت موسیٰ، حضرت یسع، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے دی تھی۔
رحمت کی وہ بارش ہونے والی تھی جس کا انتظار یہود کو بھی تھا اور نصاریٰ کو بھی۔

انتظار ہی انتظار

میں تو آگے بڑھ کر کہوں گا کہ اس باران رحمت کا انتظار ان یتیموں کو تھا جن کے سر پر دست شفقت رکھنے والا کوئی نہ تھا۔
ان بیواؤں کو تھا جن کے دامن پر بیوگی کے سوا کوئی داغ نہ تھا مگر جاہلوں کی نظر میں یہ داغ ایسا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ انہیں انسانی حقوق سے محروم کر دیتے تھے۔
اس بہار جاوداں کا انتظار بچیوں کو تھا جنہیں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔
اس صبح تاباں کا انتظار ان مظلوموں کو تھا جن کی دست گیری کرنے والا کوئی نہ تھا۔
اس کا انتظار بحر و بر کو تھا جو فساد سے بھر چکے تھے۔
اس کا انتظار آسمان کو تھا جس کی آنکھیں توحیدی سجدوں کو ترس گئی تھیں۔
اس کا انتظار ان فرشتوں کو تھا جو اب صبح و شام نامہ ہائے اعمال میں گناہوں کا

اندراج کرتے کرتے تھک گئے تھے۔

اس کا انتظار شمس وقمر کو تھا جن کی روشنی سے استفادہ کرنے والوں میں کوئی مؤمن شامل نہ تھا۔

جی ہاں ہر طرف انتظار ہی انتظار تھا۔

انسانوں کو انتظار، جنوں کو انتظار، فرشتوں کو انتظار، مظلوموں اور یتیموں کو انتظار، بیواؤں اور ستم رسیدہ بچیوں کو انتظار، اور یہ انتظار تھا ایک مصلح کا، ایک نجات دہندہ کا، ایک مشفق مربی کا، اور نہ معلوم کتنے ہی لوگ یہ انتظار کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ولادت باسعادت

بالآخر ۵۷۰ عیسوی ۲۳ اپریل کو انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں اور ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے دن حضرت آمنہ کے گھر وہ شخصیت آگئی جس کا سب کو انتظار تھا۔ وہ بشر آگیا جو وجہ عظمت بشر تھا، وہ انسان آگیا جس پر انسانیت کی معراج ختم ہو جاتی تھی، وہ نبی آگیا جو اولین اور آخرین کا سردار تھا، وہ آقا آگیا جس کی غلامی پر ہزاروں آقا قربان کئے جا سکتے تھے، وہ مسیحا آگیا جو بے شمار دکھوں اور ظاہری اور باطنی بیماریوں سے نجات دینے والا تھا۔

ہاں دعائے خلیل آگیا۔ نوید مسیح آگیا، بشارت انبیاء آگیا۔

(ندائے منبر ومحراب ج۶ صفحہ ۲۵)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان کا مقصد

اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے وہ علیم بذات الصدور ہے، سینے کی گہرائیوں میں پرورش پانے والے خیالات تک سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون کھرا ہے، کون کھوٹا ہے کون سچا ہے، کون جھوٹا ہے، کون منافق ہے، کون مکار ہے اور کون مخلص اور وفادار ہے، کون باتوں کا کھلاڑی ہے اور کون صاحب ایثار ہے پھر اسے امتحان لینے کی کیا ضرورت ہے تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امتحان دو وجہ سے ہوتا ہے، کبھی یہ دیکھنے کے لئے کہ اس میں مطلوبہ صلاحیت ہے یا نہیں اور کبھی دوسروں کو بتانے کے لئے اور کھانے کے لئے کہ جس کا امتحان لیا جارہا ہے وہ کیسے کیسے کمالات اور صفات کا حامل ہے۔ جیسے والد اپنے ہونہار فرزند یا استاد اپنے ذہین شاگرد سے دوسروں کے سامنے مشکل سے مشکل سوال کرتا ہے۔ لیکن ان سوالات سے اس کا مقصد اسے رسوا کرنا یا اس کی صلاحیت کو آزمانا نہیں ہوتا کیونکہ اس کی صلاحیتوں سے تو وہ پہلے ہی واقف ہوتا ہے اس کا نقص اور کمال اور اس کی خوبی اور بُرائی اس کے سامنے ہوتی ہے بلکہ اس کا مقصد اصلی اس کی ذہانت اور کمالات کا اظہار ہوتا ہے اور وہ دوسروں کو بتانا چاہتا ہے کہ میں اپنے اس بچے اور شاگرد سے محبت کرتا ہوں تو اس لئے کہ یہ واقعی محبت کا مستحق ہے۔

بلاتشبیہ رب کریم جب اپنے کسی بندے کو عظمت و رفعت اور محبوبیت عطا کرنا چاہتا ہے تو اسے ایسی آزمائشوں سے دوچار کرتا ہے کہ دوسروں کے جسم پر ان کے تصور سے کپکپی طاری ہو جائے۔ جب وہ بندہ آزمائشوں میں ثابت قدم رہتا ہے تو دنیا والے جان لیتے ہیں کہ وہ واقعی محبوبیت کا مستحق اور خصوصی تقرب کے قابل ہے۔ (ج ۴ صفحہ ۱۸)

نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر میرے علاوہ تیرا کوئی رب

ہے تو اس کا ایسا وصف بیان کر کہ جس کی قدرت مجھ میں نہ ہو، تب ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا میرا رب وہ ہے جس کے قبضہ میں موت و حیات ہے وہی موت دیتا ہے وہی زندگی بخشتا ہے کج فہم نمرود موت و حیات کی حقیقت سے نا آشنا نمرود کہنے لگا اس طرح موت و حیات تو میرے قبضہ میں بھی ہے اور یہ کہہ کر اسی وقت ایک بے قصور شخص کے متعلق جلاد کو حکم دیا کہ اس کی گردن مار دو اور موت کے گھاٹ اتار دو جلاد نے فوراً حکم کی تعمیل کر دی اور ایک قتل کے سزایافتہ مجرم کو جیل سے بلا کر حکم دیا کہ جاؤ ہم نے تمہاری جان بخش دی اور پھر ابراہیم علیہ السّلام کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ دیکھا میں بھی کس طرح زندگی بخشتا اور موت دے دیتا ہوں، پھر تیرے خدا کی خصوصیت کیا رہی ابراہیم علیہ السّلام جان گئے کہ نمرود موت و حیات کی حقیقت سے نا آشنا ہے یا جمہور اور رعایا کو مغالطہ دینا چاہتا ہے تا کہ وہ اس فرق کو نہ جان سکیں کہ زندگی بخشنا اس کا نام نہیں ہے بلکہ نیست سے ہست کرنے کا نام زندگی بخشنا ہے اور اسی طرح کسی کو قتل یا پھانسی سے بچالینا موت کا مالک ہونا نہیں ہے، موت کا مالک وہی ہے جو روح انسان کو اس کے جسم سے نکال کر اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔ اس لئے بہت سے دار رسیدہ اور شمشیر چشیدہ انسان زندگی پا جاتے ہیں اور بہت سے قتل و دار سے بچے ہوئے انسان لقمۂ اجل بن جاتے ہیں اور کوئی طاقت ان کو روک نہیں سکتی اور اگر ایسا ہو سکتا تو ابراہیم سے گفتگو کرنے والا نمرود سریر آرائے سلطنت نہ ہوتا بلکہ اس کے خاندان کا اول شخص ہی آج بھی اس تاج و تخت کا مالک ہوتا، مگر نہ معلوم کہ عراق کی سلطنت کے کتنے مدعی زیر زمین دفن ہو گئے اور ابھی کتنوں کی باری ہے تاہم ابراہیم علیہ السّلام نے سوچا کہ اگر میں نے اس موقع پر موت و حیات کے دقیق فلسفہ پر بحث شروع کر دی تو نمرود کا مقصد پورا ہو جائے گا اور جمہور کو مغالطے میں ڈال کر اصل معاملہ کو الجھا دے گا اور اس طرح میرا نیک مقصد پورا نہ ہو سکے گا اور تبلیغ حق کے سلسلے میں سر محفل نمرود کو لاجواب کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا کیونکہ بحث و مباحثہ اور جدل و مناظرہ میرا اصل مقصد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے دماغ و قلب میں خدائے واحد کا یقین پیدا کرنا میرا مقصد وحید ہے اس لئے انہوں نے اس دلیل کو نظر انداز کر کے سمجھانے کا ایک دوسرا پیرایہ اختیار کیا اور ایسی دلیل پیش کی جس کا صبح و شام ہر شخص مشاہدہ کرتا اور بغیر کسی منطقی دلیل روز و شب کی زندگی میں اس

سے دو چار ہوتا رہتا ہے۔ ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں اس ہستی کو اللہ کہتا ہوں جو روزانہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے اور مغرب کی جانب لے جاتا ہے پس اگر تو بھی اس طرح خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے خلاف سورج کو مغرب سے نکال اور مشرق میں چھپا۔ اس پر نمرود مبہوت اور لاجواب ہو کر رہ گیا اور اس طرح ابراہیم علیہم السّلام کی زبان سے نمرود پر خدا کی حجت پوری ہوئی۔

مبہوت ہونے کی وجہ

اس دلیل کے جواب میں نمرود کے مبہوت ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ دلیل دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح تھی اور اس میں کسی قسم کے مغالطے کی گنجائش نہ تھی اس لئے کہ اس دلیل کا حاصل یہ تھا کہ میں ایسی ہستی کو اللہ مانتا ہوں جو تمام کائنات اور کائنات کے نظام کا خالق و مالک ہے، اس کے نظام کی مقرر کردہ کوئی چیز ذرہ برابر ادھر ادھر نہیں ہو سکتی۔ سورج کا طلوع وغروب بھی اسی طے شدہ نظام کا ایک حصہ ہے اور سورج اس نظام سے ہٹ نہیں سکتا۔ اگر تم خدائی کے دعویدار ہو تو سورج کو اس نظام سے ہٹا کر دکھا دو لیکن نمرود جانتا تھا کہ میں یہ نہیں کر سکتا اس لئے وہ خائب وخاسر ہو کر خاموش ہو گیا کہ مشرق سے آفتاب کو میں طلوع کرتا ہوں تم اپنے اللہ تعالیٰ سے کہو کہ وہ اسے مغرب سے طلوع کر دے مگر اس نے ایسا نہیں کیا اس لئے کہ وہ یہ تو جانتا تھا کہ طلوع وغروب کرنا میرا کام نہیں ہے، میرے ہاتھ میں نہیں بلکہ کسی دوسری ہستی کے ہاتھ میں ہے اور اگر اس ہستی نے ایسا کر دیا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہونگا۔

غنا یا مالداری بذات خود کوئی بُری چیز نہیں البتہ انسان کا طرز عمل اسے بُرا بنا دیتا ہ، کتنے ہی مالدار ہیں جن کی دولت جھوٹی نمود و نمائش پر خرچ ہوتی ہے، شراب و شباب پر خرچ ہوتی ہے، دنیا بھر کے سیر سپاٹوں پر خرچ ہوتی ہے مگر وہ اللہ کی رضا کی خاطر ایک پائی خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، غریب مسلمانوں کے لئے ان کی تجوریوں کے منہ کبھی نہیں کھلتے، اور تو اور وہ اپنے نادار رشتہ داروں پر کبھی خرچ نہیں کرتے بلکہ ان سے یوں منہ موڑتے ہیں گویا ان سے ان کا کوئی تعلق نہیں، خونی اور نسلی رشتوں تک کو بھول جاتے ہیں۔

مگر سیدنا عثمانؓ بن عفان کی دولت رفاہِ عام میں خرچ ہوتی تھی، مجاہدوں کے لئے اسلحہ کی خریداری پر خرچ ہوتی تھی، غریب مسلمانوں پر خرچ ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ

اور آل رسول ﷺ پر خرچ ہوتی تھی، اپنے نادار عزیزوں پر خرچ ہوتی تھی۔ اگر یہی جذبۂ سخاوت ہمارے اغنیاء کے اندر پیدا ہو جائے تو ملک بھر میں کوئی غریب نہ رہے۔۔ پھر کشمیر، بوسنیا اور نو آزاد مسلم ریاستوں کے مسلمانوں کو مدد کی خاطر کافروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ رہے۔

رسول اللہ ﷺ کا انتخاب

اگر عثمان صرف مالدار ہوتے یا مال کا کمانا اور جمع کرنا ہی ان کا مقصود حیات ہوتا تو وہ آقا کی نظر میں کبھی نہ بچتے مگر وہ تو آقا کی نظر میں بچ گئے اور ایسے جچے کہ آقا نے اپنی دامادی میں قبول فرمالیا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں یہ کوئی معمولی شرف تھا جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم جب کسی کو اپنا داماد بنانا چاہتے ہیں تو اس کے حالات کی تحقیق کرتے ہیں، اس کی اچھائیوں اور کمزوریوں کا اچھی طرح جائزہ لیتے ہیں، اس کے حسب نسب اور چال چلن کے بارے میں معلومات کرتے ہیں تب جا کر اپنی بیٹی اس کے عقد میں دیتے ہیں، کوئی بھی شخص خواہ کتنا بھی گرا پڑا کیوں نہ ہو اگر اس میں غیرت کا جذبہ ہو تو وہ کبھی بھی کسی ایرے غیرے کو اپنی بیٹی دینے کے لئے تیار نہیں ہوگا تو کیا آپ کا خیال ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے اپنی لخت جگر کا عقد نکاح کرنے سے پہلے اپنے ہونے والے داماد کا جائزہ نہیں لیا ہوگا؟ اس کے حالات کی تحقیق نہیں کی ہوگی؟

حقیقت یہ ہے کہ جو حضرات عثمانؓ کی امانت و دیانت پر انگلی اٹھاتے ہیں وہ اصل میں رسول اللہ ﷺ کے انتخاب کو مشکوک ٹھہراتے ہیں ان کا غلیظ خیال یہ ہے کہ ہم تو اپنی بیٹیوں کے لئے کسی کمزور کردار کے مالک کو حقوق زوجیت کے لئے منتخب نہیں کر سکتے مگر آقائے دو جہاں نے شرف دامادی کے لئے ایسے شخص کو منتخب فرمالیا جو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ خائن تھا۔

پیغمبر ﷺ کا خلق عظیم

حضرت انیس غفاریؓ اور حضرت عمروؓ بن عنبسہ سلمی یہ دیکھ کر اسلام لائے کہ آپ مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں، حضرت عمرؓ، حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی، حضرت جبیرؓ بن مطعم، نجاشی شاہ حبش وغیرہ سینکڑوں اشخاص کلام ربانی سُن کر حلقہ بگوش ہو گئے، حضرت ضمادؓ بن ثعلبہ

ازدی نے صرف کلمہ طیبہ سننے کے ساتھ ہی نعرۂ حق بلند کیا۔ حضرت عبداللہ بنؓ سلام چہرۂ انور دیکھتے ہی پکار اٹھے یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔ حضرت ضمادؓ بن ثعلبہ رئیس بنی سعد اس طرح ایمان لائے کہ انہوں نے بے تکلفی کے ساتھ دربار نبوی ﷺ میں آنحضرت ص ﷺ کو قسم دلائی کہ آپ ﷺ کو سچ مچ خدا نے بھیجا ہے؟ اور جب آپ ﷺ نے قسم کھائی تو وہ مسلمان ہو گئے۔

اوس وخزرج کے بہت سے لوگ اپنے یہودی ہمسایوں سے سُنا کرتے تھے کہ ایک نبی آخرالزمان کا ظہور ہونے والا ہے، جب انہوں نے آپ ﷺ کی تقریر سُنی تو پہچان لیا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں، فتح مکہ کے بعد سینکڑوں قبائل اس لئے اسلام لانے پر مجبور ہوئے کہ خانہ خلیل ایک جھوٹے پیغمبر کے قبضہ میں نہیں جا سکتا ایک پورا قبیلہ صرف آپکی فیاضی سے متاثر ہو کر کلمہ لا الٰہ الا اللہ پکار اٹھا متعدد شعرائے عرب اور اصحاب علم صرف قرآن مجید کے اثر کو دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکے، متعدد قریشی جانباز جو معرکہ بدر سے مرعوب نہیں ہوئے تھے، مسلمانوں کے آداب واخلاق دیکھ کر اسلام لے آئے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب مکہ کے ہزاروں آدمیوں کو مسلمانوں سے بے تکلف میل جول کا موقع ملا تو وہ اسلام کی صداقت کے اعتراف پر مجبور ہو گئے، ابوسفیان جس کو نہ تو معجزات اور خوارق عادت متاثر کر سکے، اور نہ بدر وخندق کی تلواریں اس کو مرعوب کر سکیں، نہ آنحضرت ﷺ کا رشتہ دامادی اس کے سخت دل کو نرم کر سکا، وہ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے ضمیر کو اعتراف سے نہ روک سکے، کہ قیصر روم اپنے تخت جلال پر بیٹھ کر، مکہ کے بوریا نشین پیغمبر کے پاؤں دھونے کی آرزو رکھتا ہے، ثمامہؓ بن آثال، ہند زوجۂ ابوسفیانؓ ہبار بنؓ الاسود، وحشیؓ قاتل حمزہؓ، یہ دیکھ کر مسلمان ہو گئے، کہ آپ ﷺ دشمنوں کے ساتھ بھی کسی محبت سے پیش آئے، قیصر روم صرف آپ ﷺ کے چند اوصاف اور اسلام کے چند مناقب سن کر اظہار حق پر مائل ہو گیا، حضرت عدیؓ بن حاتم قبیلہ طے کے عیسائی رئیس تھے، وہ آپ ﷺ کو بادشاہ سمجھ کر مدینہ آئے مگر یہاں انہوں نے دیکھا کہ مکہ کی ایک لونڈی آتی ہے اور آپ ﷺ اسکی حاجت روائی کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ دیکھ کر ان کا دل اندر سے پکار اُٹھا کہ آپ ﷺ بادشاہ نہیں پیغمبر ہیں۔

(ندائے منبر ومحراب ج ۲ صفحہ ۴۵)

عالمگیر نمونۂ عمل

نحمدہ و نصلی علی سیدنا و رسولنا الکریم اما بعد فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم.

بسم الله الرحمن الرحیم

یا یھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی الله باذنہ و سراجاً منیراً صدق الله العظیم.

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ تیرے محیط میں حباب

گرامی قدر حاضرین! میں آج کی نشست میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ دنیائے انسانیت کے لیے عالمگیر نمونۂ عمل صرف اور صرف حضور ﷺ کی زندگی تھی۔

ہم مسلمان سارے انبیاء کا احترام کرتے ہیں، ہمارا عقیدہ ہے کہ کسی بھی نبی کی توہین کرنے والا شخص مسلمان نہیں ہوسکتا لیکن اس کے ساتھ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان انبیاء کی نبوت ایک خاص قوم کے لیے تھی کسی محدود علاقے کے لیے تھی ایک مخصوص زمانے کے لیے تھی اسی لیے ان کی سیرت کو اور ان کی زندگی کے مفصل حالات کو محفوظ رکھنے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

آپ نے سنا ہوگا کہ اللہ کی طرف سے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے مگر آج ان میں سے اکثر کے تو نام ہی کوئی نہیں جانتا اور جن کے ہم نام جانتے ہیں ان کے تفصیلی حالات ہمیں معلوم نہیں۔

ایران کے مجوسیوں کی عقیدت کا مرکز زرتشت ہے آج بھی لاکھوں آدمی اسے مانتے ہیں مگر کوئی بھی مجوسی یقینی طور پر نہ اس کی ولادت کی جگہ بتا سکتا ہے نہ وفات کی نہ اس کی قومیتکا پتہ ہے نہ اس کے مذہبی صحیفہ کی اصلیت کسی کو معلوم ہے۔

ہندوستان، چین اور ترکستان کے لاکھوں لوگ بودھ کو اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کرتے ہیں لیکن بدھ کے بچپن جوانی اور ولادت و وفات کے حالات اس کے ماننے والوں کو کیا معلوم ہوں گے ابھی تک تو وہ یہ بھی متعین نہیں کر سکے کہ اس کا زمانہ وجود کونسا تھا۔

سامی قوم میں سینکڑوں پیغمبر آئے لیکن تاریخ میں ان کے ناموں کے سوا کوئی چیز محفوظ نہیں ہے۔

حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ کے اخلاق و عادات کا کوئی ذکر نہیں، حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والے پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، انجیل کہتی ہے کہ ان کی عمر ۳۳ برس تھی مگر ان ۳۳ برسوں میں سے ۲۵ برس کے بارے میں انجیل بھی خاموش ہے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ زمانہ کہاں گذرا اور کیسے گذرا۔

حضرت عیسیٰؑ نے شادی نہیں کی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی زندگی میں شادی شدہ لوگوں کے لیے کوئی نمونہ نہیں جبکہ صورت یہ ہے کہ دنیا کے بیشتر لوگ شادی شدہ ہیں۔

دنیا کا ہر وہ انسان جو تعصب سے خالی ہے وہ ضرور اقرار کرے گا کہ یہ سب عظیم انسان تھے لیکن اس کے باوجود ان کی زندگیاں انسانیت کے لیے عالمگیر نمونہ نہیں بن سکتیں، حقیقت یہ ہے کہ جس نبی کی زندگی ہر زمانے اور ہر صنف انسانی کے لیے نمونہ بن سکتی ہے وہ صرف اور صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہے اسی لیے آپ ﷺ کی زندگی کے تفصیلی حالات کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ کروا دیا۔

آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، نماز روزہ، صلح و جنگ، سفر و حضر، کھانا پینا، رونا ہنسنا، خلوت و جلوت، طور و طریق، قد و قامت یہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات بھی پوری وضاحت کے ساتھ معلوم اور محفوظ ہیں۔

آپ حدیث کی ساری کتابوں کو نہیں دیکھ سکتے تو کم از کم شمائل ترمذی ہی کا مطالعہ کر لیجئے اس میں حضور اکرم ﷺ کے حلیہ اور شکل و صورت کا بیان ہے آپ ﷺ کی کنگھی کا

بیان ہے، آپ ﷺ کے خضاب اور سرمہ لگانے کا بیان ہے، آپ ﷺ کے موزوں اور نعلین کا بیان ہے، آپ ﷺ کی تلوار، زرہ اور خود کا بیان ہے، آپ ﷺ کے عمامہ اور پائجامہ کا بیان ہے، آپ ﷺ کے خوشبو لگانے، شعر پڑھنے اور قصے کہنے کا بیان ہے، آپ ﷺ کے گریہ وبکا اور مزاح وتبسم کا بیان ہے۔

آپ ﷺ نے اپنے تعلق والے ہر شخص کو اجازت نہیں بلکہ حکم دے رکھا تھا کہ میرا جو قول بھی سنو اور میرا جو حال بھی دیکھو وہ سب کو سنا دو اور سب کو بتا دو حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ کسی انسان کے حالات مختلف ہوتے ہیں کبھی وہ خوش ہوتا ہے، کبھی غمگین ہوتا ہے، کبھی غصے میں ہوتا ہے، کبھی طبیعت میں نرمی ہوتی ہے، کسی کو وہ ڈانٹتا ہے، کسی سے وہ پیار کرتا ہے، کسی سے مذاق کرتا ہے تو کسی سے لڑتا جھگڑتا ہے۔

پھر بڑے سے بڑا انسان بھی اپنی بیوی کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ گھر کی باتیں باہر بتاتی پھرے، وہ اپنی پرائیویٹ زندگی کو پبلک لائف سے علیحدہ رکھنا چاہتا ہے۔

ہمارے کتنے ہی لیڈر ہیں جو پبلک لائف میں اپنے آپ کو انسانیت کے غمخوار اور غریبوں کے جانثار ظاہر کرتے ہیں لیکن ان کی پرائیویٹ زندگی بڑی گھناؤنی ہوتی ہے۔

یہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کا حوصلہ تھا کہ آپ نے اپنے دوستوں کو بھی حکم دے رکھا تھا کہ میری ہر حالت اور کیفیت منظر عام پر لے آؤ۔

اپنے شاگردوں اور مریدوں کو بھی اجازت دے رکھی تھی کہ جو کچھ دیکھو اور سنو سب کو سنا دو۔

اور اپنی ازواج مطہرات کو بھی اذن عام دے رکھا تھا کہ میری ہر بات اور ہر واقعہ برملا کہہ دو۔

خلوت میں جو کچھ دیکھو وہ جلوت میں سب سے برملا بیان کر دو۔
رات کی تاریکی میں جو دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کر دو۔
بند کوٹھریوں میں جو دیکھو اس کو کھلی چھتوں پر پکار کر کہہ دو۔
اس اخلاقی اعتماد کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟
اپنی ذات پر اتنا وثوق کسی اور کو بھی ہو سکتا ہے؟

حضور اکرم ﷺ کے اس اذن عام کا نتیجہ ہے کہ آج ساری انسانیت کے سامنے آپ ﷺ کی کتاب زندگی کا ایک ایک باب کھلا ہوا ہے۔

آپ ﷺ کی ولادت کا باب،
آپ ﷺ کے بچپن کا باب،
آپ ﷺ کی جوانی کا باب،
آپ ﷺ کی شادی کا باب،
آپ ﷺ کی تجارت کا باب،
آپ ﷺ کے سفر کا باب،
آپ ﷺ کی نبوت کا باب،
آپ ﷺ کی دعوت کا باب،
آپ ﷺ کے غزوات کا باب
آپ ﷺ کے صلح وامن کا باب،
آپ ﷺ کی عبادات کا باب،
آپ ﷺ کے اخلاق کا باب،
آپ ﷺ کی بیماری کا باب،
آپ ﷺ کے سفر آخرت کا باب۔

آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ ساری انسانیت کے لیے نمونۂ عمل کیا ان بزرگوں کی زندگیوں کو بنایا جائے گا جن کے ادھورے حالات ہم تک پہنچے ہیں یا اس عظیم انسان کی پاکیزہ زندگی کو نمونہ بنایا جائے گا جس کی ولادت سے وفات تک کے حالات کا ہم سب کو علم ہے۔

اور وہ عظیم انسان سوائے محمد رسول اللہ ﷺ کے کوئی دوسرا نہیں ہے، لہٰذا تمام انبیاء میں سے صرف آپ ﷺ ہی کی سیرت عالمگیر نمونۂ عمل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو حضور اکرم ﷺ کا سچا غلام بننے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

ایک اہم نکتہ

صلح حدیبیہ کے پورے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ عالم الغیب نہیں تھے اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو پہلے قدم پہ ہی حضرت عثمان کے شہید ہو جانے کی افواہ کی تردید فرماتے مگر آپ ﷺ نے تو تردید فرمانے کے بجائے صحابہ کرامؓ سے بیعت لینا شروع کردی کہ انتقام لیے بغیر نہیں رہیں گے۔

مجھے بلکہ علماء حق میں سے کسی کو بھی اس بات سے انکار نہیں کہ آنحضور ﷺ کو بے حساب علم سے نوازا گیا تھا، آپ کو اولین اور آخرین کے علوم عطا کئے گئے لیکن جہاں تک علم غیب کا تعلق ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے غیب کے خزانوں کی چھوٹی بڑی تمام چابیاں صرف اسی کے پاس ہیں۔

ہمارے ہاں تو یار لوگوں کا حال یہ ہے کہ حضور تو حضور وہ اپنے بناسپتی پیروں کے لئے بھی علم غیب ثابت کرتے ہیں۔

آقا ﷺ جیسی صورت، آقا ﷺ جیسی سیرت، آقا ﷺ جیسے اعمال، آقا ﷺ جیسے اقوال، آقا ﷺ جیسی حرکات، آقا ﷺ جیسی ادائیں آقا ﷺ جیسی نماز، آقا ﷺ جیسا حج، غرض یہ کہ سب کچھ آقا جیسا اور جب وہ فنافی الرسول کے مقام تک پہنچے تو اللہ نے بھی انہیں چمکایا خوب چمکایا، خوب کام لیا، دین کی خدمت کی اُنہیں خوب توفیق دی، کئی علاقے ان کے دور میں فتح ہوئے۔ آج حقیقت میں ان کی فتوحات ہی کی برکت سے کئی علاقوں میں مسلمان آباد ہیں، امیر المومنین سیدنا عمر بن خطابؓ کے دور میں جو کام ادھورے رہ گئے ان کی تکمیل جناب ذوالنورینؓ کے ہاتھوں میں ہوئی۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد کئی علاقوں میں بغاوتیں ہوئیں جنہیں حضرت عثمانؓ نے نہایت ہوشیاری سے فرو کیا مصر میں بغاوت ہوئی، آرمینیہ اور آذربائیجان کے باشندوں نے خراج دینا بند کر دیا، خراسان والوں نے سرکشی اختیار کی لیکن آپ نے اپنی بہترین حکمت عملی سے مفتوحہ ممالک کی رعایا کو اطاعت پر مجبور کر دیا، آپؓ ہی کے دور میں افریقہ کے مختلف ممالک طرابلس، برقہ اور مراکش فتح ہوئے، ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی اور افغانستان خراسان اور ترکستان کے ایک

حصے پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ دوسری جانب آرمینیہ اور آذر بائیجان فتح ہوئے تو اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی۔

بحری فتوحات کا تو آغاز ہی حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ہوا آپ نے ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کر کے جزیرۂ قبرص (سائپرس) پر اسلامی پھریرا بلند کیا اور بحری جنگ میں قیصر روم کے بیڑے کو جس میں پانچ سو جنگی جہاز شامل تھے، ایسی شکست فاش دی کہ دوبارہ رومیوں کو اس جرأت کے ساتھ بحری حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔

میرے دوست! پیر کامل اور اولیاء اللہ تو یہ حضرات تھے جو ایک طرف زاہد شب زندہ دار تھے اور دوسری طرف میدان جہاد کے نامور سپہ سالار تھے اور انہی کی غلامی سے کمال حاصل کیا جا سکتا ہے۔ باقی رہی مرغیوں کے پروں کی رنگت تو اس کا جاننا قطعاً ولایت ومعرفت کی علامت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے سچے ولیوں کی سچی غلامی نصیب فرمائے۔ (ج ۴ صفحہ ۷۰)

عشق اور ادب

اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ جتنا عشق اور پیار مسلمانوں نے آپ سے کیا ہے، اتنا کسی عاشق نے اپنے معشوق سے نہیں کیا، کسی امت نے اپنے نبی سے نہیں کیا، کسی جماعت نے اپنے قائد سے نہیں کیا، کسی اولاد نے اپنے والدین سے نہیں کیا، کسی مرید نے اپنے پیر سے نہیں کیا، کسی شاگرد نے اپنے استاد سے نہیں کیا۔

اور میرے دوستو بات یہ ہے کہ جتنا عشق زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی ادب بھی زیادہ ہوتا ہے یہ ہو نہیں سکتا کہ عشق ہو اور ادب نہ ہو، جو عاشق رسول ہوگا، وہ باادب ہوگا ابھی میں کچھ ہی دیر بعد تاریخی واقعات کی روشنی میں ثابت کروں گا کہ علماء دیوبند چونکہ عاشق رسول ﷺ تھے اس لئے وہ باادب بھی تھے اور عاشق بھی ایسے تھے کہ کم از کم برصغیر کی حد تک ان جیسا عاشق رسول ﷺ دکھائی نہیں دیتا انہوں نے عشق رسول ﷺ کی خاطر انگریزوں سے ٹکر لی، مہاراجوں کو ناراض کیا، سکھوں سے مقابلہ کیا، بھوک اور پیاس کو برداشت کیا، جیلوں کو آباد کیا، پیروں میں بوجھل بیڑیاں پہنیں، ہاتھوں کو زنجیروں سے سجایا، دار و رسن کو

قبول کیا، جسم پر کوڑوں کی ضربیں سہہ لیں لیکن وہ عشق مصطفوی ﷺ سے باز نہ آئے، وہ چونکہ سچے عاشق تھے اس لئے باادب بھی تھے جو لوگ ان کی طرف بے ادبی کی نسبت کرتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

عشق رسول ﷺ کا معیار

عشق رسول ﷺ کے ٹھیکیدارو! سن لو!

- ☆...... نبی ﷺ کے نام پر مال سمیٹنا عشق نہیں ہے
- ☆...... عشق رسول ﷺ کے نام پر دوکانیں چمکانا عشق نہیں ہے
- ☆...... قوالیوں کی دھن پر تھرکنا عشق نہیں ہے
- ☆...... نعتیں پڑھنا اور سنتوں سے بغاوت کرنا عشق نہیں ہے
- ☆...... اذانوں اور نمازوں کو بگاڑنا عشق نہیں
- ☆...... دین کے خادموں اور مجاہدوں پر کفر کے فتوے لگانا عشق نہیں ہے
- ☆...... قبروں اور خانقاہوں کے مجاور بننا عشق نہیں ہے۔

ارے عشق تو یہ ہے کہ!

نبی کی مٹتی ہوئی سنتوں کو زندہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو مٹا ڈالو۔ ناموس صحابہ اور ازواج مطہرات کی حرمت کے لئے مصروف عمل ہو جاؤ۔ کفر کو مٹانے اور دین کو غالب کرنے کے لئے مجاہد بن جاؤ۔

عاشق تو وہ تھے! مرغن غذائیں کھا کر، ریشمی لباس پہن کر، پھولوں کی سیج پر لیٹ کر، دائیں بائیں تکیوں کے ساتھ ٹیک لگا کر، مریدوں کی واہ واہ میں مست ہو کر تعویز فروشی کی دکان سجا کر عشق رسول ﷺ کا دعویٰ کرنے والے بھولے بھالے دوست سن لے۔

- ☆...... عاشق تو بلالؓ تھا، جسے عشق رسو ﷺ کی خاطر گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا گیا۔
- ☆...... عاشق تو خبابؓ تھا جس کی کمر کی چربی سے دہکتی آگ بجھتی تھی۔
- ☆...... عاشقہ تو سمیہؓ تھی جسے ابوجہل نے برچھی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔
- ☆...... عاشق تو خبیبؓ تھے جنہوں نے سولی پر چڑھ کر عشق کا امتحان دیا

☆...... عاشق تو حرام ملحانؓ اور ان کے انہتر ساتھی تھے جن کی بے کسی کی شہادت نے ان کے سچے عشق کی شہادت دی۔

☆...... عاشق تو مصعب بن عمیرؓ تھے جنہیں ریشمی لباس اتار کر ٹاٹ اوڑھنا پڑا۔

☆...... عاشق تو یاسرؓ تھے جن کا خمار عشق اہل مکہ کا ظلم وستم بھی نہ اتار سکا۔

☆...... عاشق تو ابوفکیہہؓ تھے جن کے جسم پر بھاری پتھر رکھ کر عشق کی سزادی جاتی تھی۔

☆...... عاشق تو عمارؓ تھے جنہیں جلتی ریت کے فرش پر لیٹ کر عشق کا مزہ چکھنا پڑا۔

☆...... عاشق تو عبداللہ بن زبیرؓ تھا جس کی لاش تین دن تک چوراہے پر لٹکی رہی اور بہادر ماں دیکھ کر پکار اٹھی ''یہ سوار اپنی سواری سے کب اترے گا۔''

☆...... عاشق تو ابوحنیفہؒ تھا جو مدینہ منورہ میں بول و براز تک سے بچتا تھا۔

☆...... عاشق تو مالکؒ تھا جسے ایک پل کے لئے مدینہ کی جدائی گوارہ نہ تھی۔

☆...... عاشق تو مجدد الف ثانیؒ تھا جو گوالیار میں قید ہو کر سنت رسول کو زندہ کر گیا۔

☆...... عاشق تو شاہ ولی اللہؒ تھا جو پنجے کھنچوا کر بھی اصحاب رسول کا نام لیتا رہا۔

☆...... عاشق نانوتویؒ تھا جس نے ادب کی خاطر مدینہ کی سنگلاخ زمین پر چپل پہننا گوارہ نہ کیا۔

☆...... ارے، عاشق تو حق نوازؒ تھا جو امت کی مقدس ماں کے دوپٹے پر قربان ہو گیا۔

یہ کتابیں کن کی ہیں

اللہ کے بندے! ضد چھوڑ، تعصب کی عینک اتار، حسد کے ٹیلے سے نیچے آ، غصہ تھوک دے، انصاف کا دامن تھام، عدل کا ترازو ہاتھ میں پکڑ ڈنڈی نہ مار، عوام کو بیوقوف نہ بنا، محض دکان نہ چمکا، آخرت کی فکر کر، خدا سے ڈر، قیامت کے دن حضور ﷺ کو کیسے منہ دکھائے گا، کیا تجھ سے سوال نہیں ہوگا، کہ تو ان پر کیچڑ اچھالتا تھا، جن کی زندگیاں سیرت کا

مجسم نمونہ تھیں جن کی زبانیں درود شریف کی کثرت سے تھکتی ہی نہیں تھیں، جو زندگی بھر گستاخان رسول ﷺ سے لڑتے جھگڑتے اور ٹکراتے رہے، جن کے قلم نے سرکار ﷺ کی حدیث کی تشریح اور سیرت رسول ﷺ کو اجاگر کرنے کے لئے لاکھوں صفحات روشن کئے۔

☆...... ابوداؤد کی مبسوط شرح بذل المجہود مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے لکھی۔

☆...... احادیث کا بے مثال مجموعہ اعلاء السنن ۱۳ جلدوں میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے مرتب کیا۔

☆...... صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے تالیف فرمائی۔

☆...... لامع الدراری شرح بخاری میں حضرت گنگوہیؒ کے فیوضات وافادات ہیں

☆...... مشکوۃ المصابیح کی مثالی شرح تعلیق الصبیح مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے لکھی ہے۔

☆...... ترمذی پر معارف السنن کی صورت میں حضرت بنوریؒ نے کام کیا ہے۔

☆...... فیض الباری شرح بخاری نابغہ عصر حضرت کشمیریؒ کے ذہن رسا کا نتیجہ ہے۔

☆...... حضور اکرم ﷺ کے شمائل کو حضرت شیخ الحدیثؒ نے بیان کیا ہے۔

☆...... سرکار کے معارف کو سات جلدوں میں معارف الحدیث میں حضرت نعمانیؒ نے جمع فرمایا ہے۔

☆...... عظمت حدیث مولانا شمس الحق افغانیؒ کے موئے قلم کا ثمر ہے۔

☆...... نبی رحمت سید ابوالحسن ندوی کا تالیفی کارنامہ ہے۔

☆...... اسوہ رسول اکرم ﷺ ڈاکٹر عبدالحیؒ کے عشق رسول کی مظہر ہے۔

میں کس کس کتاب کا تذکرہ کروں، صرف سیرت رسول ﷺ پر حدیث رسول ﷺ پر عشق رسول ﷺ پر اور مقام رسول ﷺ پر ہی اگر علماء دیوبند کی کتابوں کی فہرست جمع کروں تو دسیوں صفحات درکار ہوں گے۔

محض ملمع سازی کے لئے محض خطابت کو چمکانے کے لئے، محض پیسے بنانے کے لئے علماء حق کو نشانہ بنانے والے خطیب شعلہ بیان! مجھے ٹھنڈے دل سے سوچ کر بتا کہ نبی ﷺ کے اقوال وافعال کی تشریح وتوضیح کے لئے زندگیاں لگا دینے والے یہ برگزیدہ لوگ گستاخ رسول ﷺ تھے؟ جبکہ ان کی حالت یہ تھی کہ وہ جو حدیث لکھتے تھے باوضو لکھتے تھے اور

جب بھی سرکار ﷺ کا نام نامی اور اسم گرامی آتا تھا وہ درود شریف پڑھتے بھی تھے اور لکھتے بھی تھے اور بات صرف لکھنے لکھانے تک محدود نہیں تھی، ان حضرات کی زندگی گواہ ہے کہ وہ سچے عاشقان رسول ﷺ تھے، لیکن انہوں نے عشق رسول ﷺ کو کاروبار نہیں بنایا، اس کے ذریعے پیسہ نہیں بنایا، اپنی ذات کو نہیں چمکایا۔

یتیموں کی قسمت

اللہ تعالیٰ کا بھی عجیب نظام ہے، وہ بعض اوقات مسکینوں اور عاجزوں کو ایسا نوازتا ہے کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے ہیں، نبوت ملی تو مکے کے ایک یتیم کو۔

مدینہ میں میزبانی کا شرف حاصل ہوا تو عاجز سے انسان حضرت ابوایوبؓ کو اور مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے جس جگہ کا فیصلہ ہوا وہ دو یتیموں کی ملکیت! اس میں شک نہیں کہ مسجد نبوی جہاں بھی بن جاتی وہ جگہ قابل احترام ہوتی لیکن ان یتیموں کے لئے تو یہ بات قابل رشک تھی کہ ان کی مملوکہ زمین میں اللہ کے نبی نے مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ فرمالیا۔

جب آپ ﷺ نے ان یتیموں سے اس جگہ کے خریدنے کی بات کی تو وہ بلا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہو گئے لیکن میرے آقا ﷺ آج کے لیڈروں اور جعلی پیروں جیسے نہ تھے جو مال مفت کے ہر وقت امیدوار رہتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے باقاعدہ قیمت دے کر وہ زمین خریدی اور پھر اس کی تعمیر میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔ آپ ﷺ گدیلوں پر نہیں بیٹھے بلکہ آپ ﷺ اپنے کندھوں پر اینٹیں اٹھاتے اور یہاں تک پہنچاتے اور مسلمانوں میں ذوق وشوق پیدا کرنے کے لئے ان کے ساتھ مل کر یہ اشعار پڑھتے۔

اللھم ان الاجرا جوالآخرۃ

فاغفر الا نصاد والمھاجرۃ

رشتۂ مواخات

حضور اکرم ﷺ نے مدینہ کے انصار اور مکہ کے مہاجرین کے درمیان جو رشتۂ مواخات قائم فرمادیا وہ بھی تاریخ انسانی کا عجیب وغریب رشتہ تھا، آپ ایک مہاجر اور انصاری کو بلاتے اور فرماتے جاؤ تم دونوں آپس میں بھائی بھائی ہو۔

واہ کیا عجیب رشتہ تھا، نہ خون کا تعلق، نہ حسب ونسب کا تعلق، نہ وطن کا تعلق۔ اگر تعلق ہے تو صرف ایمان کا تعلق ہے اسی تعلق کی بناء پر کالا، گورے کا بھائی بن رہا ہے، غریب، امیر کا بھائی بن رہا ہے، ہاشم خزرجی کا بھائی بن رہا ہے اور قیامت تک کے آنے والے مسلمانوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ یاد رکھو سب سے مضبوط رشتہ ایمان کا رشتہ ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جو مشرقی کو مغربی کا اور عربی کو عجمی کا بھائی بناتا ہے۔ اس رشتہ مواخات کیلئے انصار میں بڑا جوش وخروش تھا، ہر انصاری کی خواہش تھی کہ کاش کوئی مہاجر میرا بھائی بن جاتے یہاں تک کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی نوبت آگئی۔

محترم سامعین! یہ صرف خانہ پُری کا رشتہ نہ تھا بلکہ انصار نے پوری خوش دلی سے اس رشتے کو قبول کیا اور مہاجروں کو اپنی دولت، اپنی زمین اور اپنے گھر میں تصرف کا ایسے ہی اختیار دیدیا جیسے حقیقی بھائیوں کو اختیار دیا جاتا ہے۔ ایک انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہتا کہ دیکھو میرے پاس جتنا بھی مال ہے اس میں سے آدھا تم لے لو، میرے پاس دو بیویاں ہیں تمہیں ان میں سے جو بھی پسند ہے مجھے بتادو میں اسے طلاق دیتا ہوں اور تم اس سے نکاح کرلو۔ دوسرا انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہتا کہ بھائی میری آدھی زمین تمہاری ہے، کوئی بات نہیں اگر تم کاشتکاری نہیں جانتے تو کاشت کاری میں کروں گا اور جو غلہ آئے گا وہ آدھا میرا ہوگا اور آدھا تمہارا ہوگا۔

ذرا آپ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ ان باتوں کا سُننا اور سُنانا تو آسان ہے لیکن ان پر عمل کرنا کتنا مشکل ہے؟ کوئی ہے جو اپنے خون پسینے کی کمای کسی کو مفت دینے کے لئے آمادہ ہو؟

یہاں تو یہ حال ہے کہ سیٹھ صاحب مسجد اور مدرسہ میں تھوڑا سا چندہ دیکر یہ سمجھتے ہیں کہ گویا میں نے اس مدرسہ اور مسجد کو خرید ہی لیا ہے۔

کسی غریب مسلمان کی دو چار سو روپے امداد کردیں تو اسے اپنا زر خرید غلام سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

قتال کی اجازت

مدینہ کے یہودی اور منافق مکہ کے مشرکوں سے مسلسل رابطے میں رہے اور یہ تینوں

گروہ اسلام کی دن دونی اور رات چوگنی ترقی کو دیکھ کر پیچ وتاب کھاتے رہے حضور اکرم ﷺ ان کی سازشوں اور خباثتوں سے بے خبر نہیں تھے، آپ کیسے بے خبر رہ سکتے تھے جبکہ آپ حالات پر گہری نظر رکھنے والے عظیم سیاست دان تھے، خود صحابہؓ کا خون بھی کھولتا تھا اور کفر کے علمبرداروں سے دو دو ہاتھ کرنے کو ان کے جذبات مچلتے تھے لیکن انہیں بار بار یہی تلقین کی جاتی رہی کہ **کفوا ایدیکم واقیمو الصلوۃ** اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو۔ مقصد یہ تھا کہ اپنی روحانی تربیت پر زور دو، اپنی اخلاقی کمزوریاں دور کرو، اطاعت امیر کی عادت ڈالو، ایثار و قربانی کو اپنا شعار بنالو نفس پر حکمرانی کرنا سیکھ لو، ویسے بن جاؤ جیسے تمہیں اللہ بنانا چاہتا ہے۔

اور جب واقعی وہ ویسے بن گئے جیسے اللہ تعالیٰ انہیں بنانا چاہتا تھا۔

ان کی راتیں عبادت سے معمور ہوگئیں، ان کے دن خدمت قرآن میں گزرنے لگے، ان کے اخلاق ملائکہ کے لئے قابل رشک بن گئے، ان کے دلوں کا تزکیہ ہوگیا، ان کی نظر میں دنیا اور دنیا کی ساری لذتیں بے قیمت ہوگئیں، ان کے دل میں شوق آخرت کا شعلہ پوری قوت سے بھڑک اٹھا، تو اب انہیں قتال کی اجازت دے دی گئی۔

غزوۂ بدر کی ایک جھلک

مسلمان تین سو تیرہ تھے اور مشرکوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی، مسلمانوں کی اکثریت ناتجربہ کار تھی جبکہ مشرکوں کے لشکر میں مانے ہوئے شہسوار اور تجربہ کار سپاہی تھے،

مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے جن پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے جبکہ مشرکوں میں چھ سو سپاہی زرہ پوش تھے پانچ سو کے پاس پورے ہتھیار تھے، اونٹوں کی تعداد سات سو تھی، گھوڑوں کی تعداد ایک سو تھی۔

مسلمانوں کی زبانوں پر تسبیح تھی، تقدیس تھی، تحمید تھی، تکبیر تھی، ادھر مشکروں کی زبانوں پر گالیاں تھیں، طعنے تھے، بڑائی کے بول تھے، مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے آقائے دو جہاں ﷺ کی دُعائیں تھیں، دل سے نکلے ہوئے کلمات تھے ادھر مشرکوں کو جوش دلانے کے لیے ڈھول ڈھمکا تھا، گانے والیاں تھیں۔

ادھر تواضع تھی، اُدھر تکبّر تھا، ادھر رب ذوالجلال کے نعرے تھے اُدھر لات وہُبل کی قسمیں تھیں ادھر محمد رسول اللہ ﷺ کی قیادت تھی اُدھر ابوجہل کی سیادت تھی۔

ادھر قلت تھی اُدھر کثرت تھی، ادھر روحانیت تھی اُدھر مادیت تھی، ادھر اللہ کی مدد پر بھروسہ تھا، اُدھر قوت بازو پر گھمنڈ تھا، ادھر دُعائیں تھیں اُدھر گانے کی بلائیں تھیں۔

میرے دوستو! وہ عجیب دن تھا جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی پندرہ سالہ جدوجہد کا سارا سرمایہ بدر کے میدان میں جھونک دیا اور خود رو رو کر اللہ سے مانگنے میں مشغول وہ گئے، آپ کی زبان اطہر پر یہ دل ہلا دینے والے کلمات جاری ہو گئے۔

اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لاتعبد بعدھا فی الارض اللھم انجز ماوعدتنی اللھم نصرک

اے اللہ اگر آج تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو فنا کر دیا تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ اے اللہ تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما اے اللہ تیری مدد کی ضرورت ہے۔

اور یہی اصل فرق تھا اہل ایمان اور اہل شرک کے درمیان کہنے والے نے خوب کہا ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

یوں تو مشرک بھی لڑنے مرنے کے لئے آئے تھے اور مسلمان بھی اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر آئے تھے لیکن وہ جو حضرت اقبال کہہ گئے ہیں کہ

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی آن دیکھی طاقت پر اعتماد تھا اور مشرکوں کو چشم دید وسائل پر گھمنڈ تھا۔

مسلمانوں کا مقصد اعلاءِ کلمۃ اللہ تھا جبکہ مشرکوں کو جاہلانہ نخوت و تکبر نے یہاں آنے پر مجبور کیا تھا۔

عجیب منظر

چشم فلک نے ایسا عجیب منظر کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ باپ عتبہ بن ربیعہ کفار کے

لشکر میں ہے اور بیٹا ابو حذیفہؓ بن عتبہ مجاہدین اسلام میں ہے۔

بیٹا عبدالرحمٰن بن ابی بکر کفار کے ساتھ ہے اور باپ ابوبکر بن قحافہؓ مجاہدوں کے ساتھ ہے۔

باپ عبداللہ بن جراحہ بُت پرستوں کے ساتھ ہے تو بیٹا ابو عبیدہؓ بن جراح خدا پرستوں کے ساتھ ہے۔

ایک بھائی عباس بن عبدالمطلب اہل شرک کے ساتھ ہے تو دوسرا بھائی حمزہؓ بن عبدالمطلب اہل توحید کے ساتھ ہے۔

ایک بھائی عقیل بن ابی طالب ابوجہل کا ساتھ دے رہا ہے تو دوسرا بھائی علیؓ بن ابی طالب محمد رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دے رہا ہے۔

ایک بھائی ولید بن عتبہ کفر کے جھنڈے کے نیچے ہے تو دوسرا بھائی ابو حذیفہؓ بن عتبہ اسلامی جھنڈا اٹھائے ہوئے ہے۔

خون ایک، نسب ایک، وطن ایک، زبان ایک، لیکن عقیدے کے اختلاف نے سارے رشتے توڑ دیے۔

نہ رشتے کی وقعت باقی رہی، نہ خون کی اہمیت باقی رہی۔

یہ جنگ وطن اور نسب کی جنگ نہ تھی یہ جنگ تو کفر اور ایمان کی جنگ تھی، نسب ختم ہو گیا دین کی نسبت باقی رہ گئی۔

جب مشرکوں کے سردار عتبہ نے میدان میں نکل کر دعوت مبارزت دی تو اس کے مقابلے کے لئے اسی کے بیٹے حضرت ابو حذیفہؓ نکلے۔ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجئے۔ کس بیٹے میں یہ حوصلہ ہے۔ ش

(ندائے منبر ومحراب ج۶ ص ۸۹)

لیڈر اور نبی

نحمده و نصلی علی سیدنا و رسولنا الکریم اما بعد فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم.

بسم الله الرحمن الرحیم

یا یها الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون صدق الله العظیم.

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری چشم خیال میں، نہ دکان آئینہ ساز میں

محترم سامعین! دنیا میں بہت سارے لیڈر گذرے ہیں اور آج بھی لیڈروں کی کمی نہیں، مقامی لیڈر بھی ہیں، بین الاقوامی لیڈر بھی ہیں، چھوٹے لیڈر بھی ہیں، بڑے لیڈر بھی ہیں، موسمی لیڈر بھی ہیں اور مستقل لیڈر بھی ہیں، گاؤں کے لیڈر بھی ہیں، گلیوں اور بازاروں کے لیڈر بھی ہیں، سیاسی لیڈر بھی ہیں جو عوام کو سبز باغ دکھاتے ہیں اور ان کی قسمت بدل دینے کے دعوے کرتے ہیں، ان کی تقریریں سن کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ساتھ دینے سے شیخوپورہ پیرس بن جائے گا اور کوئٹہ سوئزرلینڈ بن جائے گا۔

کچھ مزدور لیڈر بھی ہوتے ہیں جو مزدوروں کو بتاتے ہیں کہ ہمیں لیڈر مان لینے سے تمہارے سارے دلدر دور ہو جائیں گے اور تمہیں گھر بیٹھے تنخواہیں ملا کریں گی۔

یہ لیڈر اپنی سوشل زندگی میں بڑے ہمدرد، بڑے جانثار، بڑے پارسا، بڑے غریب پرور اور بڑے سادہ دل دکھائی دیتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر اپنی پرائیویٹ زندگی میں بڑے سنگدل بڑے خودغرض بڑے عیاش اور بڑے مکار ہوتے ہیں ان کا ظہار کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ ہوتا ہے۔

یہ لوگوں کو سادگی کی تعلیم دیتے ہیں اور خود عیاشیاں کرتے ہیں یہ لوگوں کو امانت و دیانت کا سبق دیتے ہیں اور خود پرلے درجے کے خائن اور رشوت خور ہوتے ہیں۔

یہ لوگوں کو حب الوطنی کا درس دیتے ہیں اور خود وطن فروش ہوتے ہیں۔ ان لیڈروں کے ساتھ تو نبی کی زندگی کا موازنہ کرنا بھی نبی کی توہین ہے۔ مگر آپ تاریخ انسانی کے اچھے سے اچھے لیڈروں، خطیبوں اور مشہور لوگوں کی فہرست بنالیں آپ کو ان کے ہاں دلچسپ تھیوریاں ملیں گی دلآویز حکایتیں ملیں گی، خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی، فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا، ان کے مشہور اقوال تھوڑی دیر کے لیے آپ کو خوش کردیں گے۔

مگر جو چیز آپ کو نہیں ملے گی وہ عمل ہے، سارے لیڈروں اور مشہور لوگوں کی سوانح عمریاں پڑھنے کے بعد ایک نظر میرے آقا ﷺ کی سوانح عمری پر بھی ڈال لیجئے۔

حضور اکرم ﷺ کے ہاں صرف خوشنما الفاظ نہ تھے بلکہ عمل تھا، آپ نے جس بات کا لوگوں کو حکم دیا پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔

اگر لوگوں کو نماز کا حکم دیا تو خود اپنا حال کیا تھا؟ کہ رات بھر نماز میں کھڑے رہتے۔ آپ نے لوگوں کو رمضان کے روزوں کا حکم دیا تو خود اپنا حال یہ تھا کہ سال کا بہت بڑا حصہ روزوں میں گذرتا۔

آپ نے لوگوں کو زکوٰۃ کا حکم دیا تو اپنا حال یہ تھا کہ قرض لے لیکر بھی سائلین کی حاجتیں پوری فرماتے۔

آپ نے لوگوں کو زہد و قناعت کی تعلیم دی تو اپنا حال یہ تھا کہ ساری زندگی دو وقت بھی سیر ہو کر آپ کو کھانا نصیب نہیں ہوا۔

رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا جس میں کچی دیوار اور کھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی۔

جب آپ دنیا سے رخصت ہوئے تو اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی لیکن آپ کے توشہ خانہ کی مالیت یہ تھی کہ جسم مبارک پر ایک تہبند تھا، ایک کھردری چارپائی تھی، سرہانے ایک تکیہ تھا جس میں خمے کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک طرف تھوڑے سے جو رکھے تھے ایک کونے میں جانور کی کھال تھی اور ایک کھونٹی کے ساتھ پانی کا مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔

آپ نے لوگوں کو اعتماد اور توکل کی تعلیم دی اور خود اپنا حال یہ تھا کہ خون کے پیاسے مشرکوں کے سامنے حرم میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ آپ جانتے ہیں مکہ والے تو سبھی دشمنی پر تلے ہوئے تھے ایک ابو طالب تھا جو ساتھ دے رہا تھا لیکن ایک وقت آیا کہ وہ بھی پیچھے ہٹنے لگا تو آپ نے اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے بڑے جوش سے فرمایا۔

''چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب بھی رکھ دیں تب بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤں گا''

ایک دفعہ آپ ﷺ اکیلئے جنگل میں آرام فرما رہے تھے ایک بدو تلوار لیکر سامنے آ گیا اور پوچھا ''اے محمد ﷺ بتاؤ! اب تم کو کون میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے؟ آپ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا ''اللہ''۔

آپ نے لوگوں کو عفو و درگذر کا سبق دیا لیکن جس طرح آپ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے دشمنوں کو معاف کیا کوئی دوسرا بھی ایسے معاف کر سکتا ہے؟

آپ نے لوگوں کو دین کی خاطر بھوک پیاس برداشت کرنے کا سبق دیا اور خود اپنا حال یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر جب بعض جانثاروں نے بتایا کہ ہم نے بھوک کی وجہ سے کمر سیدھی رکھنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں تو آپ نے پیرہن مبارک اٹھا کر دکھایا کہ میں نے کمر سیدھی رکھنے کے لیے دو پتھر باندھ رکھے ہیں۔

میرے دوستو! میں نے یہ چند مثالیں ذکر کی ہیں آپ لائیے دنیا بھر کے لیڈروں کی سوانح عمریاں اور پھر موازنہ کیجئے میرے آقا ﷺ کی سوانح عمری سے، وہاں باتیں ہیں یہاں نمونہ ہے وہاں تقریریں ہیں یہاں تفسیریں ہیں۔

وہاں اقوال کا ڈھیر ہے یہاں اعمال کا انبار ہے وہاں گفتار ہے یہاں کردار ہے۔

وہاں زبان سے پیار ہے یہاں سب کچھ نثار ہے۔

میرے اللہ ہمیں بھی عمل کی توفیق نصیب فرما۔

(پچاس تقریریں ج۲)

میرے آقا ﷺ کی عبادت

نحمده و نصلی علی سیدنا و رسولنا الکریم اما بعد فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم.

بسم الله الرحمن الرحیم

افلا اکون عبدا شکورا صدق الله العظیم.

میرے ہم مکتب ساتھیو! میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد ﷺ مغفور تھے، مرحوم تھے، مقدس تھے مطہر تھے، مقرب و محبوب تھے، محفوظ تھے، معصوم تھے آپ جنتی تھے بلکہ آپ ﷺ کو دنیا ہی میں بتا دیا گیا تھا کہ بے شمار گنہگاروں کو آپ کی وجہ سے جنت میں ٹھکانہ ملے گا، آپ کو مقام محمود عطا کیا جائے گا، آپ خطا کروں کی سفارش کریں گے، قیامت کے دن لوگ پیاسے ہونگے اور آپ اپنی امت کو حوض کوثر سے جام بھر بھر کر پلائیں گے۔

لیکن ان تمام بشارتوں کے باوجود آپ بے انتہا عبادت فرماتے تھے۔

آپ ﷺ کا قلب مبارک اور آپ کی زبان مبارک ہر لحہ اللہ کی یاد میں مصروف رہتے تھے مگر آپ صرف قلبی اور لسانی عبادت پر اکتفا نہیں فرماتے تھے بلکہ جسمانی عبادت بھی کرتے تھے۔

ہمارے دور کے جعلی درویش اور بناسپتی پیر تو کہتے ہیں کہ جناب ہم دل ہی دل میں عبادت کر لیتے ہیں۔

گویا یہ بدبخت روٹیاں منہ سے کھاتے ہیں، قورمہ منہ سے کھاتے ہیں، بریانی کا ستیاناس منہ سے کرتے ہیں، تکے اور کباب کی ایسی تیسی منہ سے کرتے ہیں، حلیم اور چھوے کو منہ ہی سے واصل شکم کرتے ہیں، دودھ منہ سے پیتے ہیں، شربت منہ سے پیتے ہیں۔

لیکن عبادت دل ہی سے کر لیتے ہیں۔ ارے لنڈے کی مخلوق! اگر عبادت دل سے ہو سکتی ہے تو کیا کھانا پینا دل سے نہیں ہو سکتا؟

ذرا کھانا پینا دل سے کرو تو سہی، دیکھنا چند ہی دنوں میں پیٹ کا سائز کتنا کم ہو جاتا ہے اور یہ پھیلی ہوئی توند کیسے نیچے آتی ہے۔

اچھا ہے حضرت سمارٹ ہو جائیں گے۔

یہ تو لنڈے کے مال کا حال ہے مگر وہ جو پیروں کا پیر تھا وہ جو مرشد حق تھا وہ جو نبیوں کا امام تھا وہ جو خاتم النبیین تھا اس کی عبادت کا یہ حال تھا کہ اتنی عبادت فرماتے کہ دیکھنے والوں کو ترس آنے لگتا۔

تہجد کی نماز کی فرضیت عام مسلمانوں سے فوت ہو گئی تھی مگر حضور اکرم ﷺ عمر بھر تہجد ادا فرماتے رہے اور اس طرح ادا فرماتے کہ حضرت عائشہؓ عرض کرتیں اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو معاف فرما دیا ہے پھر آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں آپ فرماتے "افلا اکون عبداشکورا" کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

نبوت کے آغاز ہی سے آپ نماز پڑھتے تھے، کفار کی موجودگی میں عین حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے، کئی دفعہ نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپ پر حملہ کیا مگر پھر بھی آپ نماز سے باز نہ آئے۔

حد یہ کہ جنگ کی حالت میں بھی نماز نہ چھوڑتے سامنے خونخوار دشمن ہوتا، تیر اور خنجر چل رہے ہوتے، لوگوں کو جان کے لالے پڑے ہوتے ادھر آپ ﷺ اللہ کے حضور سجدے میں جھکے ہوتے تھے۔

تمام عمر میں آپ کی کوئی نماز اپنے وقت سے نہیں ہٹی اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کوئی نماز قضا ہوئی، ایک تو غزوہ خندق میں کافروں نے آپ کو عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا اور دوسری دفعہ یہ ہوا کہ ایک غزوہ کے سفر میں رات بھر چل کر صبح تمام لوگ سو گئے اور کسی کی بھی آنکھ نہ کھلی تو آپ نے نماز قضا ادا کی۔

اس سے بھی بڑھ کر دیکھئے کہ مرض الموت میں شدت کا بخار تھا۔ تکلیف بہت زیادہ تھی لیکن اس حالت میں بھی نماز تو نماز آپ نے جماعت کو ترک کرنا بھی گوارا نہیں کیا

اور دوصحابیوں کے سہارے اس حالت میں مسجد میں تشریف لائے کہ قدم مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے۔

یہ تو آپ کی نماز کا حال تھا۔ روزوں کا حال بھی نماز سے مختلف نہ تھا آپ کثرت سے روزے رکھتے تھے، کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں ''جب آپ روزے رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہیں کریں گے''۔

آپ مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے مگر خود آپ کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی بغیر کچھ کھائے پیے مسلسل دو دو دن اور تین تین دن روزے رکھتے تھے۔

بعض صحابہ نے بھی دو دو دن کا مسلسل روزہ رکھنا چاہا تو آپ نے فرمایا: **ایکم مثل یطعمنی ربی و یسقینی** (تم میں سے کون میرے مانند ہے مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے)۔

رمضان کے علاوہ آپ کا شعبان بھی پورے کا پورا روزوں میں گذرتا تھا، ہر مہینے ایام بیض کے روزے رکھتے تھے۔

ہر ہفتے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے،

عاشورا محرم اور شوال کے چھ روزے رکھتے تھے۔

روزوں کے علاوہ زکوٰۃ اور خیرات میں بھی آپ پیش پیش تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں **ما سئل رسول اللہ ﷺ شیئا قط فقال لا.**

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے لا (نہیں) فرمایا ہو۔

اس حدیث کا مفہوم کسی نے یوں ادا کیا ہے۔

نرفت لا بہ زبان مبارکش ہرگز
مگر بہ اشھد ان لا الہ الا اللہ

آپ کی زبان مبارک پر کلمہ شہادت کے لا کے علاوہ کبھی بھی لا نہیں آیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عام اعلان فرما رکھا تھا۔

من ترک دینا فعلی ومن ترک مالاً فلورثته

جو مسلمان قرضہ چھوڑ کر مرے گا میں اسے ادا کروں گا اور جو مسلمان وراثت چھوڑ کر مرے گا اسے اس کے وارث سنبھالیں گے۔

محرم حاضرین! آپ جانتے ہیں کہ عبادت تین قسم کی ہے۔

لسانی عبادت، مالی عبادت اور بدنی عبادت۔ یہ تینوں قسم کی عبادت حضور اکرم ﷺ کی سیرت میں ہمیں اپنے کمال پر دکھائی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے آقا ﷺ کی اتباع نصیب فرمائے۔

(پچاس تقریریں ج۲)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

اصل مومن تو وہی تھے

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں مومنوں کی جتنی خصوصیات صفات اور اخلاق بیان کئے گئے ہیں اور ان کیلئے جتنی بھی بشارتیں اور عظمتیں ذکر کی گئی ہیں وہ ساری بشارتیں اور عظمتیں وہ ساری خصوصیات اور صفات سب سے پہلے صحابہ کیلئے ثابت ہونگی بعد میں کسی اور کیلئے ہونگی اگر قرآن یہ بتلاتا کہ مومن سچے ہیں نیکوکار ہیں، ان کے ساتھ اللہ ہے۔

مومنوں کیلئے اجر کریم ہے اجر کبیر ہے اجر عظیم ہے۔

مومنوں کیلئے مغفرت ہے بشارت ہے جنت ہے ہدایت ہے راحت ہے عزت ہے مومنوں پر اللہ کی رحمت ہے ان کیلئے اللہ کی محبت ہے وہ اللہ کی جماعت ہیں وہ بھائی بھائی ہیں۔

مومن اللہ سے ڈرنے والے ہیں اس کے سامنے جھکنے اور گڑگڑانے والے ہیں تو یہ ساری باتیں عالم کیلئے بعد میں محدث، مفسر، عابد و زاہد کیلئے بعد میں مجاہد قطب اور ابدال

کیلئے بعد میں ثابت ہونگی۔

سب سے پہلے یہ بشارتیں اور علامتیں صحابہ کیلئے ثابت ہونگی کیونکہ سب سے پہلے مومن صحابہ ہیں باقی سب بعد میں مومن ہیں بلکہ صاف بات تو یہ ہے کہ اگر صحابہ مومن نہیں و دنیا میں کوئی بھی مومن نہیں۔

سوچئے تو سہی! اگر ابو بکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ مومن نہ ہوں تو کیا ماوشما مومن ہو سکتے ہیں؟ وہ شخص کتنا احمق ہے جو اپنے زمین بوس جھونپڑے کی چھت کی بلندی کا تو ڈھنڈورا پیٹتا ہے مگر آسمان کی بلندی کا انکار کرتا ہے یا جسے اپنے چراغ کی روشنی پر تو بڑا گھمنڈ ہے مگر آفتاب جہانتاب کی روشنی اسے دکھائی نہیں دیتی۔ (ج ۴ ص ۹۲)

معاملات کا یہ حال تھا

آپ نے بہت سارے نمازی ایسے دیکھے ہوں گے جو نماز تو پابندی سے پڑھتے ہیں مگر معاملات میں کمزور ہوتے ہیں، کم تولتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، ایسے ہی نمازی حقیقت میں نماز کو بدنام کرتے ہیں۔ مگر صحابہ کرامؓ کی خشوع و خضوع والی طاقتور نمازیں انہیں گناہوں سے روکتی تھیں، ان کے معاملات کی صفائی کو دیکھ کر ہزاروں لوگوں نے ایمان قبول کیا۔

دور صحابہؓ میں یہ چیز اتنی عام ہو گئی تھی کہ غلام، لونڈیاں اور عام چرواہے تک دیانت داری کی زندگی بسر کرتے تھے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کے اطراف سے نکلے ایک خدا رس چرواہا بکریاں چرا رہا تھا انہوں نے اس کو کھانے پر بُلایا لیکن اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں اب انہوں نے اس کے ورع و تقویٰ کے امتحان لینے کو کہا ان بکریوں میں سے ایک بکری فروخت کر دو ہم تمہیں قیمت بھی دیں گے اور افطار کرنے کے لئے گوشت بھی لیکن اس نے کہا کہ بکریاں میری نہیں ہیں، میرے آقا کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا آقا کیا کرے گا؟ اب چرواہے نے پیٹھ پھیر لی اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا تو خدا کہاں چلا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس فقرے پر محو ہو گئے اور بار بار اس کو دھرانے لگے، مدینہ میں پلٹ کر آئے تو اس کو اس کے آقا سے مع بکریوں کے خرید کر آزاد کر دیا اور بکریاں اس پر ہبہ کر دیں۔

ان حضرات کی یہ سوچ کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے انہیں ہر طرح کی خیانت اور بے احتیاطی سے محفوظ رکھتی تھی۔ اور آج ہمارے اندر یہی سوچ نہیں رہی ہے ہم نے جگہ جگہ اس مضمون کے کتبے لٹکا رکھے ہیں کہ ”خدا دیکھ رہا ہے“ لیکن یہ مضمون ہماری فکر و نظر میں پیدا نہیں ہو سکا۔ صحابہ کرامؓ نے اس مضمون کے کتبے تو نہیں لٹکائے مگر اللہ کے ہر وقت اور ہر جگہ دیکھنے کا یقین ان کے رگ و ریشہ میں سمایا ہوا تھا اور یہی یقین تھا جو بڑی بڑی آزمائشوں میں ان کے قدموں میں لغزش نہیں آنے دیتا تھا۔ (ج ۴ ص ۱۱۲)

صحابہؓ کی ایک ایک ادا کو دیکھئے، ان کی زندگی کے ہر نشیب و فراز کو دیکھئے مکی زندگی کے مظالم کو دیکھئے، بازاروں میں گھسٹتے دیکھئے، پتھروں کے نیچے تڑپتے دیکھئے ہجرت کے عمل کو دیکھئے، مدنی زندگی کے فتوحات کو دیکھئے، بدر و اُحد کی قربانیوں کو دیکھئے، انہیں میدان جہاد میں لڑتے جھپٹتے دیکھئے، مسجد کی خلوتوں میں آنسو بہاتے دیکھئے، آقا پر جان و مال نچھاور کرتے دیکھئے، ان کے معاملات اور لین دین کو دیکھئے زمانہ خلافت و امارت کو دیکھئے، اشاعت اسلام کے لئے ان کی کاوشوں کو دیکھئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ کیا دنیا میں کوئی دوسرا استاد بھی ایسا گذرا ہے جس کے شاگرد ایسے باکمال اور جان نثار ہوں، کسی یونیورسٹی کے طلبہ کی نشاندہی کیجئے، کسی لیڈر کے ماننے والوں کا نام لیجئے، میں دعوے سے کہتا ہوں آپ پوری انسانی تاریخ پڑھ جائیے، ملکوں ملکوں پھر جائیے آپ میرے آقا کے غلاموں جیسا کوئی ایک بھی نہ پاسکیں گے۔

میں آپ سے ایک دوسرا سوال بھی کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ کیا آپ کا ضمیر یہ اجازت دیتا ہے کہ:

ایسے پکوں کو، ایسے سچوں کو، ایسے جان نثاروں کو، ایسے عبادت گذاروں کو، ایسے محسنوں کو گالیاں دی جائیں، انہیں بُرا بھلا کہا جائے، ان پر کیچڑ اچھالا جائے۔

یہ محسن کُشی نہیں تو اور کیا ہے، یہ نمک حرامی نہیں تو اور کیا ہے اور سُن لیجئے بات میرے اور آپ کے فیصلے کی نہیں فیصلہ تو اللہ اور اس کا رسول ﷺ کر چکے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہیں تو صحابہ کرام کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ وہ ”خیر امۃ“ ہیں کہیں ”امۃ وسط“ قرار دیا کہیں انہیں ”رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ“ کی سند دی،

کہیں ان کی خصوصیت یہ بیان کی "اشداء علی الکفار رحماء بینھم" کہیں انہیں "صادقون" اور کہیں انہیں "مفلحون" قرار دیا اور آقا ﷺ نے بھی فرما دیا جس نے صحابہ سے محبت کی اس نے میری وجہ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میری وجہ سے بغض رکھا، جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی۔

ہم ہزار برس بھی عبادت کرلیں تو ان کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے، ہم پہاڑوں کے برابر صدقہ وخیرات کرلیں تو ان کا مرتبہ نہیں پا سکتے، اسی لیے حضرت سعید بن زیدؓ نے جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، فرمایا تھا: اللہ کی قسم صحابہ کرامؓ میں سے کسی شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہو جائے غیر صحابہؓ سے ہر شخص کی عمر بھر کی عبادت وعمل سے بہتر ہے، اگرچہ اس کو عمر نوح علیہ السّلام عطا ہو جائے۔

میرے بزرگو اور دوستو! اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم اللہ کے پیارے بن جائیں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم اللہ کے پیارے بن جائیں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ فرشتے ہماری مدد کے لئے اتریں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں حوضِ کوثر سے پانی نصیب ہو، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں آقائے دو جہاں ﷺ کی شفاعت نصیب ہو تو ہم پر نبی کے غلاموں کی غلامی اختیار کرنا فرض ہے۔

اللہ کے بندو! انہیں گالیاں مت دو، وہ تو اللہ کے پیارے ہیں، وہ تو آسمان رسالت کے ستارے ہیں، وہ تو ہدایت یافتہ سارے کے سارے ہیں، ان سے محبت عین ایمان ہے، ان سے تعلق سرمایہ اہل عرفان ہے، ان کی سیرت تفسیر قرآن ہے، انہیں ماننے والا مسلمان ہے، ان سے تعلق توڑنے والا شیطان ہے، ان سے راضی رحمان ہے، ان کا ٹھکانہ جنان ہے، سوچو تو سہی ان کا ہم پر کتنا احسان ہے۔ (ج ۴ ص ۱۱۶ تا ۱۱۸)

دونوں دُعائیں قبول

اللہ کی شان دیکھئے کہ امام الموحدین کی دعا بھی قبول ہوئی اور رئیس المشرکین کی دعا بھی قبول ہوئی۔

امام الموحدین نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ اے اللہ تو نے مجھ سے جس چیز کا

وعدہ کیا تھا آج وہ وعدہ پورا فرما اور اے اللہ ہماری مدد فرما رئیس المشرکین نے دُعا کی تھی اے اللہ ہم میں جو تیرے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے آج اس کو فتح اور نصرت دے۔ اس کے چیلے چانٹوں نے اس کی دُعا پر بڑے زور سے آمین کہی ہوگی اور انہیں یقین ہوگا کہ ہمارے ''حضرت'' کی دُعا ضرور قبول ہوگی اور واقعی ''ابوجہل شاہ'' کی دُعا قبول ہوگئی اور اللہ نے اس جماعت کی نصرت فرمائی جو اللہ کی محبوب اور پسندیدہ تھی۔

جب مدینہ میں مسلمانوں کی فتح کی خبر پہنچی تو منافقوں اور یہودیوں کو یقین ہی نہیں آرہا تھا، وہ سمجھے کہ خبر لانے والے حضرت زید بن حارثہؓ کا معاذ اللہ، دماغ ماؤف ہوگیا ہے۔

حقیقت میں یہ واقعہ ہی ایسا تھا کہ ظاہری اسباب پر نظر رکھنے والا کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمان اس بے سروسامانی میں کافروں کے لشکر جرار کو شکست دے سکتے ہیں، یہ تو ایسے ہی تھا کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر ابابیلوں سے ہاتھیوں کو تہس نہس کروادیا تھا، عقل کے اندھوں نے بھی اللہ کی غیبی نصرت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرلیا اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو ''یوم الفرقان'' قرار دیا ہے۔

عالی دماغ سپہ سالار

میرے بزرگو اور دوستو! ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بہترین خطیب ہوتا ہے لیکن تدریس نہیں کرسکتا، کوئی تدریس کرسکتا ہے تو تقریر نہیں کرسکتا، ایک شخص بڑا ذاکر، شاغل اور صوفی صافی ہوتا ہے لیکن تجارت کی الف بے بھی نہیں جانتا، دوسرا بڑا ماہر تاجر ہوتا ہے لیکن اسے ذکر وشغل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، ایک شخص بڑا تجربہ کار حکیم اور طبیب ہوتا ہے لیکن حربی معاملات میں بالکل کورا ہوتا ہے، دوسرا حربی امور کا ماہر ہوتا ہے لیکن طب کی دنیا کی اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔

لیکن میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بیک وقت بہترین خطیب بھی تھے، اعلیٰ درجے کے مزکی اور مربی بھی تھے، تجربہ کار تاجر بھی تھے، بے مثال حکیم اور طبیب بھی تھے اور ساتھ ہی ساتھ ایک عالی دماغ سپہ سالار بھی تھے۔ (ج ۶ ص ۱۰۱)

ایمانی طاقت

بعض روایتوں میں ہے کہ صرف چھ دنوں میں صحابہ کرام نے یہ خندق تیار کرلی تھی۔

حیرت ہوتی ہے کہ پتھریلی زمین تھی، سخت سردی تھی، بھوک اور افلاس تھا، نہ کوئی مشین اور نہ ہی سابقہ تجربہ تھا پھر ایسی طویل عریض اور عمیق خندق اللہ کے بندوں نے اتنے مختصر وقت میں کیسے تیار کرلی، آپ جتنا بھی غور کرلیں بالآخر آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ صرف ایمانی طاقت تھی جس کی وجہ سے وہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے میں کامیاب ہو گئے، خندق کھودتے وقت صحابہؓ ایمانی جذبے سے سرشار ہو کر یہ شعر پڑھتے تھے:

نحن الذی بایعوا محمدا

علی الاسلام ما بقینا ابدا

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر ہمیشہ کے لیے بیعت اسلام کی ہے۔

بہار ہو یا خزاں، امن ہو یا جنگ، سفر ہو یا حضر، غربت ہو یا ثروت ہم ہر حال میں اور ہر مقام میں محمد ﷺ کے ساتھ ہیں اور محمد ﷺ بھی اپنے صحابہؓ کا ساتھ چھوڑنے والے کہاں تھے، خندق کھودنے میں، پتھر توڑنے میں اور مٹی ہٹانے میں نبی اکرم ﷺ بھی صحابہ کے ساتھ شریک تھے، بخاری کی روایت ہے کہ کام کرتے کرتے سینہ مبارک کے بال مٹی سے چھپ گئے تھے۔

پیروں کا پیر

ہاں میرے دوستو! میرا آقا پیروں کا پیر تھا لیکن وہ جہد و ایثار والا پیر تھا، محبت اور پیار والا پیر تھا، جہاد محنت اور عمل والا پیر تھا، وہ مریدوں کے دُکھ درد میں شریک ہونے والا پیر تھا۔

صحابہ ہنستے تھے، میرے آقا بھی ہنستے تھے، صحابہ غمگین ہوتے تھے میرے آقا بھی غمگین ہو جاتے تھے، صحابہ سیر ہو کر کھاتے تھے میرے آقا بھی کھا لیتے تھے، صحابہ بھوکے ہوتے تھے میرے آقا بھی بھوکے رہتے تھے۔

بعض صحابہ جو خندق کی کھدائی میں شریک تھے انہیں بھوک نے ستایا تو کمر سیدھی کرنے کے لیے انہوں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیے اور جب معاملہ برداشت سے باہر ہو گیا تو اپنے آقا ﷺ کے حضور بھوک کی شکایت کی، آقا ﷺ نے اپنے جانثاروں کا حال سن کر نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا راز فاش کر دیا اور دامن اٹھا دیا، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آقا ﷺ نے اپنی کمر سیدھی رکھنے کے لیے دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔

(ندائے منبر و محراب ج۶ ص۱۲۳)

عورت کا ہاتھ

سچی بات تو یہ ہے کہ ہر بڑے شخص کی کامیابی کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جرأت و شجاعت تسلیم کرتا ہوں مگر ہم ان کی والدہ کی قربانی اور ہمت کو کیسے بھول سکتے ہیں۔

میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بے مثال ایثار کا انکار نہیں کرتا، لیکن ہم حضرت ہاجرہ کے کردار کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اولوالعزمی سے عبارت تھی مگر کیا اس میں حضرت مریم کی عفت و عصمت اور استقامت و طہارت کا کوئی دخل نہ تھا؟

حضور اکرم ﷺ کے کمالات کا تو کوئی اندھا ہی انکار کر سکتا ہے، مگر ہم حضرت خدیجہ، حضرت عائشہؓ اور دوسری ازواج مطہراتؓ کے تعاون اور قربانیوں کو کیسے بھول سکتے ہیں۔

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم ﷺ شدید خوفزدہ تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے دلداری بھی کی اور جب موقع آیا تو سب سے پہلے اسلام بھی انہوں نے قبول کیا، پھر حضرت ابوبکرؓ ایمان لائے، حضرت علیؓ نے کلمہ پڑھا اور آپ ﷺ کے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہؓ نے نبوت کی تصدیق کی۔ (ندائے منبر ومحراب ج ۲ ص ۵۱)

مخلصین کا اختلاف

حضرات شیخینؓ حضرت ابوبکر و عمرؓ میں کئی مسائل میں اختلاف ہوا، مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال کے بارے میں اختلاف ہوا۔ پھر قتال کے بعد ان لوگوں کے اموال کو غنیمت اور اہل و عیال کو باندی اور غلام بنانے میں اختلاف ہوا۔

اسامہؓ کے لشکر کو بھیجنے میں اختلاف ہوا حضرت خالد بن ولیدؓ کو معزول کرنے کے بارے میں اختلاف ہوا، قرآن کو کتابی صورت میں جمع کرنے کے بارے میں اختلاف ہوا، اسی طرح دوسرے صحابہؓ کے درمیان بھی کئی مسائل میں اختلاف رہا ہے، جمہور صحابہؓ کے نزدیک سمندر کے پانی سے وضو کرنا جائز ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اکثر صحابہؓ کے نزدیک جمعہ کے دن خوشبو استعمال کرنا مستحب ہے، حضرت ابوہریرہؓ کے نزدیک واجب ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ زندوں کے رونے سے

مردے کو عذاب ہوتا ہے، سیدہ عائشہؓ سختی سے اس کا انکار کرتی ہیں۔

حضرت عمرؓ اور ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ میں بہت مسائل میں اختلاف ہے، صحابہؓ کے علاوہ تابعین، تبع تابعین، فقہاء اور مجتہدین کے درمیان ہزاروں فقہی اور سیاسی مسائل میں اختلاف رہا ہے۔

اخلاص اور للّٰہیت

لیکن ان اختلافات کی وجہ سے نہ تو انہوں نے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالا نہ فتوے لگائے، نہ ایک دوسرے کی تکفیر کی اور نہ ہی اپنی فقہی رائے اور مسلک کو دوسرے پر زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی بلکہ ان کے چاہنے والوں نے ایسا کرنے کا ارادہ بھی کیا تو ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا وجہ یہ تھی کہ ان میں اخلاص تھا، للّٰہیت تھی، ان کا مقصد خدا کی رضا تھی، نفس پرستی اور شہرت اور دکھاوے سے وہ اپنے آپ کو بہت بچا کر رکھتے تھے۔

ہارون رشید نے اپنے زمانہ سلطنت میں حضرت امام مالک سے مشورہ کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ مؤطا مالک کا ایک نسخہ کعبہ میں رکھ دیا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ سب اس کے موافق عمل کریں حضرت امام مالکؒ نے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمای کہ صحابہ کرام کا فروعی مسائل میں اختلاف رہا ہے اور وہ اپنے اجتہادات میں حق پر ہیں، شہروں میں وہ مسائل عام ہو چکے ہیں اور لوگ ان پر عمل کر رہے ہیں لہٰذا میں ان کو کسی خاص طریقے کا پابند نہیں کرنا چاہتا ہارون رشید نے اس مشورہ کو پسند کیا اور اپنی تجویز واپس لے لی۔ سوچیں اگر امام مالکؒ اس تجویز کی منظوری دے دیتے اور اس پر عملدرآمد شروع ہو جاتا تو کتنی مشکل پیش آتی اور امت کے لئے سہولتوں اور آسانیوں کا دروازہ کس طرح بند ہو جاتا۔

(ندائے منبر و محراب ج ص ۱۶۷)

حضور اکرم ﷺ کا وصیت نامہ

نحمدہ و نصلی علی سیدنا و رسولنا الکریم اما بعد فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم.

بسم الله الرحمن الرحیم

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الاتشر کوابه شیئا وبالو الدین احساناً صدق الله العظیم.

بزرگان محترم و برادران عزیز! سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۵۱، ۱۵۲ اور ۱۵۳ یہ تینوں بڑی اہم آیات ہیں۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حضور اکرم ﷺ کا وصیت نامہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کا ایسا وصیت نامہ دیکھنا چاہتا ہو جس پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہو تو وہ ان آیات کو پڑھ لے ان میں وہ وصیت موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے امت کو دی ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان تین آیات میں سے ہر ایک کے آخر میں وصیت کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔

بار بار فرمایا ہے ذلکم و صکم یہ کعب احبار جو تورات کے ماہر عالم تھے اور یہودیت سے اسلام کی طرف آئے تھے وہ فرماتے ہیں کہ ان تین آیات میں جن دس حرام چیزوں کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات بسم اللہ کے بعد انہی آیات سے شروع ہوتی ہے۔

ان دس باتوں میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ اللہ کے ہاں ہر گنہگار کے لئے معافی ممکن ہے مگر مشرک کے لیے معافی

کا دروازہ بند ہے۔

مشرک خواہ سخی ہو خواہ عابد وزاہد ہو، خواہ حاجی اور نمازی ہو، خواہ غازی اور مجاہد ہو، خواہ ذاکر و شاغل ہو اس پر جنت حرام ہے۔

مشرک و بدنصیب انسان ہے کہ اگر اللہ کا نبی بھی اس کے لیے مغفرت کی دُعا کرے تو بھی اس کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔

مشرک وہ بدنصیب ہے کہ اس کی عبادت و ریاضت، اس کے حج اور عمرے اس کے صدقے اور خیراتیں، اس کے طواف اور اعتکاف سب بیکار جاتے ہیں۔

ان آیات میں دوسرا یہ حکم دیا گیا ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ قرآن کریم میں کئی مقامات ایسے ہیں جہاں پہلے اللہ کی عبادت کا حکم ہے اور پھر والدین کی خدمت کا حکم ہے۔

آپ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۸۳ دیکھ لیں۔

آپ سورہ نساء کی آیت نمبر ۳۶ کا مطالعہ کر لیں، آپ سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۲۴ پڑھ لیں۔

اس انداز بیاں سے ثابت ہوتا ہے کہ نیک اعمال میں پہلا نمبر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ہے اور دوسرا نمبر والدین کی خدمت کا ہے۔

ان تین آیات میں تیسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ اپنی اولاد کو افلاس اور غربت کی وجہ سے قتل نہ کرو۔

اللہ کہتا ہے کہ یہ مت سمجھو کہ اولاد کو تم کھلا پلا رہے ہو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تمہیں بھی اللہ رزق دے رہا ہے اور تمہاری اولاد کو بھی وہی رزق دے رہا ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ تمہیں جو دو لقمے مل رہے ہوں یہ اولاد کی برکت ہی سے مل رہے ہوں کیونکہ اللہ کا نظام ایسا ہے کہ وہ کمزوروں کی برکت سے طاقتوروں کو رزق دیتا ہے۔

آج کل جو خاندانی منصوبہ بندی اور برتھ کنٹرول کی تحریک چل رہی ہے اس کی بنیاد اسی نظریے پر ہے کہ اگر آبادی میں اضافہ ہو گیا تو اس کی ضروریات کہاں سے پوری ہونگی، ایک مسلمان کے پاس اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اللہ جو دس کو کھلاتا تھا وہ بیس کو بھی کھلائے گا۔

جب اللہ خود وعدہ کرتا ہے کہ رزق میرے ذمہ ہے تو ہمیں یورپی دجالوں کے اندیشوں، مفروضوں اور پروپیگنڈے سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

چوتھا حکم یہ دیا گیا ہے کہ

ولا تقربوا الفواحش ماظھر منھا وما بطن

بے حیائی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں۔

یہ دور فواحش کی کثرت کا دور ہے۔

فحاشی مختلف شکلوں اور مختلف صورتوں میں سامنے آرہی ہے مگر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ہر قسم کی فحاشی سے اپنا دامن بچائے رکھے اور فحاشی کے پروگراموں اور مجلسوں سے دور بھاگتا رہے۔

خواہ لوگ دقیانوس کہیں، ملا بن جانے کا طعنہ دیں، قدامت پرست ہونے کی پھبتی کسیں لیکن وہ فحاشی کے پروگراموں سے دور ہی ہے۔

پانچواں حکم یہ دیا گیا ہے۔

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق.

اس کو قتل نہ کرو جس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ مسلمان کا خون صرف تین وجہ سے مباح ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو دوسرے یہ کہ اس نے شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی بدکاری کی ہو تیسرے یہ کہ وہ اپنا دین چھوڑ کر مرتد ہو گیا ہو۔

ان تین وجوہ کے علاوہ کوئی چوتھی وجہ ایسی نہیں ہے جس سے مسلمان کا خون مباح ہو جائے۔

اور مسلمان کا ناحق خون کرنا تو اتنا بڑا جرم ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوگا۔

افسوس کہ آج ہم نے قرآن کے اس حکم کو نظر انداز کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہر گلی اور کوچہ میں مسلمان کا خون بہہ رہا ہے کافر تو خیر پوری دنیا میں مسلمان کا خون بہا رہے ہیں افسوس تو یہ ہے کہ خود مسلمان بھی مسلمان کے خون کا پیاسا ہو چکا ہے۔

چھٹا حکم جو دیا گیا ہے وہ یہ ہے۔

ولا تقربوا مال الیتیم

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ

میرے دوستو! یوں تو کسی بھی انسان کے مال کو غصب کرنا اور ناحق کھانا جائز نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یتیم کا ذکر ایک تو اس لئے کیا ہے کہ وہ کمزور ہونے کی وجہ سے کسی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

دوسرے اس لئے کہ عرب کے معاشرہ میں یتیم بچوں اور بچیوں کے ساتھ بڑا ظلم ہو رہا تھا اور ان کے حقوق دبائے جا رہے تھے۔

ان آیات میں ساتواں حکم یہ دیا گیا ہے کہ ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر اسی لئے عذاب آیا کہ وہ ناپ تول میں کمی کیا کرتی تھی۔

آٹھواں حکم یہ دیا گیا ہے

واذا قلتم فاعدلوا

جب تم بات کہو تو عدل کی بات کہو۔

مقصد یہ کہ زندگی کے ہر معاملے میں، ہر شعبے میں اور ہر مقام میں عدل اور انصاف کا معاملہ کرو۔

اگر تم حاکم ہو تو بھی عدل کرو۔

قاضی اور جج ہو تو بھی عدل کرو۔

استاد ہو تو شاگردوں کے ساتھ عدل کرو۔

والد ہو تو اولاد کے درمیان عدل کرو،

گواہی دینے پڑے تو بھی عدل کو ملحوظ رکھو،

جھوٹی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے شرک کے برابر قرار دیا ہے۔

نواں حکم یہ دیا گیا ہے۔

وبعهدالله اوفوا.

یونہی کوئی شخص یہ کہے کہ حضور کے زمانے کا جوا تو حرام تھا لیکن آج کل کی لاٹری اور جوا حرام نہیں ہے۔

حضور ﷺ کے زمانے کا ناچ گانا تو حرام تھا لیکن دور جدید کا ناچ گانا حرام نہیں ہے۔

اللہ کے بندو جو چیز کل حرام تھی وہ آج بھی حرام ہے۔

لا تبدیل لکلمت اللہ

اللہ تعالیٰ کے احکام کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہیں وہ تو غیر متبدل احکام ہیں، زمین، آسمان، سورج، چاند اور ستارے سب کچھ بدل سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام نہیں بدل سکتے، اصل بات وہ ہے جو شاعر نے کہی ہے۔

ہوئے کس قدر بے توفیق فقیہان حرم
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے کہ اللہ انہیں اپنے آپ کو بدلنے اور حق بات کو سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

فریضۂ جہاد اور ہم

نحمدہ ...... اما بعد

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

مہمانان گرامی قدر! جہاد اسلام کا ایک اہم رکن ہے جس کی تاکید قرآن کریم میں بار بار کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ توبہ میں فرماتے ہیں ’’اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! تمہیں

کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلو تو تم زمین کی طرف دھنسے جاتے ہو کیا تم شہادت کی موت کے بدلے زندہ رہنے کو پسند کرتے ہو پس (تم جان لو کہ) دنیاوی زندگی کے مزے جنت کی راحتوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں، اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیاوی زندگی میں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو آباد کر دے گا اور پھر تم اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

اس طرح کی بہت ساری آیات ہیں جن میں جہاد اور قتال کی تعلیم دی گئی ہے اور مجاہد کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ مجاہد کی فضیلت وعظمت کے لیے یہ بات کیا کم ہے کہ رب کریم نے مجاہدین کے گھوڑوں کی قسمیں کھائی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اخلاص کے ساتھ درس و تدریس بھی بہت بڑا عمل ہے، دعوت وتبلیغ بھی بہت بڑا عمل ہے، وعظ و پند اور تسبیح و تسلیل بھی بہت بڑا عمل ہے، سخاوت اور دریا دلی بھی بہت بڑا عمل ہے، طواف وسعی اور قیام وقعود بھی بہت بڑا عمل ہے لیکن سورہ عادیات پڑھیے اور دیکھیے کہ قرآن کس کی قسمیں کھا رہا ہے کسی مدرس کی نکتہ آفرینی کی؟ کسی مبلغ کی دعوت وتبلیغ کی؟ کسی واعظ کے وعظ و پند کی؟ کسی سخی کے انفاق وایثار کی؟ کسی حاجی کے طواف وسعی کی؟ کسی نمازی کے قیام وقعود کی؟ کسی زاہد کی تسبیح وتہلیل کی؟ کسی شیخ کے عباد وقبا کی؟ کسی قاضی کے جبہ ودستار کی؟ کسی ادیب کی زبان وبیان کی؟ کسی شاعر کے قدرت کلام کی؟ کسی خطیب کی شعلہ بیانی کی؟ نہیں نہیں قرآن نے ان میں سے کسی چیز کی قسم نہیں کھائی بلکہ قرآن نے قسم کھائی تو مجاہدین کے ان گھوڑوں کی قسم کھائی جو ٹاپیں مارتے ہیں، جو چنگاریاں اڑاتے ہیں جو صبح کے وقت حملہ آور ہوتے ہیں، جو گرد وغبار اڑاتے ہیں، جو لشکر میں گھس کر حملہ آور ہوتے ہیں۔

مجاہد کا جو مقام ہے، مجاہد کی جو شان ہے، مجاہد کا جو مرتبہ ہے وہ تو اپنی جگہ، رب تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں مجاہد کے گھوڑے کی قسمیں اٹھاتے ہیں اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن مجاہد کے اعمال نامہ میں اس کے گھوڑے کے بول و براز کا بھی وزن کیا جائے گا۔ مجھے کوئی ایسا عمل دکھائیے جس میں بول و براز کو بھی تولا جاتا ہو۔

میرے محترم دوستو! جہاد اتنا بڑا عمل ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں "اللہ کی راہ میں

لڑنے کے لیے مجاہدین کی صف میں ایک گھنٹہ ٹھہرنا ساٹھ سالہ عبادت سے افضل ہے" حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ کی رضا کے لیے جہاد کا صرف ایک سفر پچاس حج کرنے سے افضل ہے"۔

حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ کے راستے میں ایک ساعت کا قیام حجرِ اسود کے پاس شب قدر کی رات بھر کی عبادت سے افضل ہے"

حضور ﷺ نے فرمایا "جہاد میں جن قدموں پر غبار پڑے گا انہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی

مجاہد اگر زندہ واپس آجائے تو غازی کہلاتا ہے اور قتل ہو جائے تو شہید کہلاتا ہے اور شہادت ایک ایسا مقام ہے جس کی تمنا حضور اکرم ﷺ نے بھی کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

شہید وہ عظیم انسان ہے جس کے بارے میں رب کریم فرماتے ہیں کہ اسے مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہے لیکن تم اس کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔

شہادت ایک ایسا بلند مرتبہ ہے جسے بار بار حاصل کرنے کی آرزو شہید کرے گا لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہیں ہو سکے گی، وہ جنت میں جو چاہے گا اسے مل جائے گا۔ وہ اشارہ کرے گا تو ہر قسم کے میوہ جات اس کی جھولی میں آگریں گے، وہ چاہے گا تو دودھ اور شہد سے لبالب جام اسے پیش کر دئے جائیں گے، وہ حکم دے گا تو اس کے سامنے حوریں صف باندھے کھڑی ہونگی۔

لیکن اسے آرزو کے باوجود شہادت کی سعادت دوبارہ حاصل نہیں ہو سکے گی کیونکہ جنت میں اور تو سب کچھ ہو گا لیکن وہاں شہادت کی نعمت نہیں ہو گی۔ یہ تو ایک ایسی نعمت ہے جو صرف دنیا ہی میں حاصل ہو سکتی ہے۔

میرے ہم سفر دوستو! جہاد اور شہادت کے انہی فضائل کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کا ہر صحابی مجاہد تھا اور ہر کسی کے دل میں شہادت کی آرزو تھی لیکن آج جب ہم اپنے دلوں کو ٹٹولتے ہیں تو ہمیں اپنے دلوں میں ساری دنیا کی آرزوؤں کا جمگھٹا دکھائی دیتا ہے لیکن شہادت کی سچی آرزو اور جہاد کے جذبہ صادق سے ہمارے دل خالی ہو چکے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہم کفر کو ملیامیٹ ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں، ہم امریکہ کی تباہی دیکھنا چاہتے ہیں، ہم سوشلسٹوں کو نیست ونابود کرنا چاہتے ہیں، ہم مشرق ومغرب میں اسلام کا غلبہ دیکھنا چاہتے ہیں لیکن جب ہم سے قربانی اور ایثار کا مطالبہ کیا جاتا ہے، جب ہمیں میدان جہاد میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے، جب ہمارے سامنے کفر سے ٹکرانے کی بات کی جاتی ہے تو ہمارے جسم پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے، ہمارے ارادوں پر مردنی چھا جاتی ہے۔

ارے اللہ کے بندو! مومن تو بہادر ہوتا ہے، مومن تو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، مومن تو شہادت کا سچا طلبگار ہوتا ہے، مومن تو حساس ہوتا ہے وہ دنیا کے کسی گوشے میں ہونے والے ظلم پر تڑپ اٹھتا ہے، اس کے لیے نیند حرام ہوجاتی ہے، اس کے لیے آرام کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اسے کھانا پینا زہر محسوس ہوتا ہے مگر ہم کیسے مومن ہیں کہ ہمارے سامنے دین کا مذاق اڑایا جاتا ہے، حضور ﷺ کو گالیاں دی جاتی ہیں، قرآن جلایا جاتا ہے، مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہائی جاتی ہیں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزتیں لوٹی جاتی ہیں، بچوں کو یتیم کیا جاتا ہے، نو جوانوں کو معذور کیا جاتا ہے مگر ہماری ایمانی غیرت بیدار نہیں ہوتی، ہمارے اندر جذبۂ جہاد پیدا نہیں ہوتا۔

یاد رکھیے! کامل مسلمان بننے کے لیے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت اتنا ہی ضروری ہے جتنا جانداروں کے لیے پانی، جسم کے لیے روح، کندن کے لیے دمک، ہیرے کے لیے ڈلک اور چاند کے لیے چمک ضروری ہے۔ جس میں چمک نہ ہو وہ چاند کیا ہے، جس میں ڈلک نہ ہو وہ ہیرا کیا ہے، جس میں دمک نہ ہو وہ کندن کیا ہے، جس میں روح نہ ہو وہ جسم کیا ہے۔ جس شخص میں جذبہ جہاد نہ ہو وہ مسلمان کیا ہے۔

ہم مسلک ساتھیو! ہمیں دو باتوں میں سے صرف ایک کو اختیار کرنا ہوگا یا تو محبت اسلام کے لمبے چوڑے دعوؤں سے دستبردار ہونا پڑے گا یا پھر اسلام کے لیے وقت، مال اور جان کی قربانی دینی ہوی۔

سرمد گلہ اختصار می باید کرو
یک کار ازیں دو کار می باد کرو
یا سر برضائے دوست می باید کاد
یا قطع نظر زیاری باید کرو

جو شخص بہت بڑا خطیب اور واعظ ہے، مثالی ذاکر و شاغل ہے، کامیاب تدریس اور استاد ہے، درد دل رکھنے والا مبلغ اور مصلح ہے لیکن اس کے دل میں سامراجی نظام سے ٹکر لینے کا حوصلہ نہیں، کفر کے ساتھ پنجہ آزمائی کرنے کی جرأت نہیں، شہادت کی آرزو نہیں تو اسے اپنے ایمان کا از سر نو جائزہ لینا چاہیے؟ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مومن ہو مگر اللہ کے بجائے کافروں سے ڈرتا ہو؟ مومن ہو مگر جذبۂ جہاد سے محروم ہو؟ مومن ہو مگر شوقِ شہادت سے خالی ہو؟

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمارے سینوں میں وہ ایمان پیدا فرمائے جو ایمان انسان کو بہادر بنا دیتا ہے، جو ایمان تھوڑوں کو بہتوں سے اور کمزوروں کو طاقت والوں سے ٹکر لینے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، جو ایمان خالد بن ولید اور طارق بن زیاد کو عطا ہوا، جو ایمان صلاح الدین ایوبی اور محمد بن قاسم کو عطا ہوا۔ (پچاس تقریریں ج ۱)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

انقلاب اور جہاد

نحمده اما بعد بسم الله الرحمن الرحيم

هو الذى ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله

صدق الله العظيم

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
میرا نشیمن نہیں درگہ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو شاخ نشیمن بھی تو
تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
تو ہی مری آرزو تو ہی مری جستجو

میرے ہم سفر ہم مکتب، ہم پیالہ و ہم نوالہ ساتھیو! میں انقلاب اور جہاد کے عنوان سے اپنے ناقص خیالات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مجاہد اور انقلابی بنائے اور ہماری زندگی کے ہر مرد و جزر کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ بن جائے اور ہمارے ہر نوجوان ساتھی کی زندگی اس شعر کی عملی ترجمان بن جائے:

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مجاہد میں اسی لیے نمازی

میرے جیالے اور ذہین ساتھیو! آج کی دنیا کا ہر انسان مضطرب ہے، ہر شخص پریشان ہے، ہر سوسائٹی بے قرار ہے، ہر بستی نا امیدی کا شکار ہے، ہر ملک کسی نئے نظام کے لیے سراپا انتظار ہے۔

انسان نے انسانوں کے بنائے ہوئے ہر نظام کو آزما کر دیکھ لیا اس نے سوشلزم کو آزمایا۔ اس نے مغربی جمہوریت کو آزمایا، اس نے نیشنل ازم اور سیکولر ازم کو آزمایا، اس نے ڈارون ازم اور کیمونزم کو آزمایا لیکن ان میں سے کوئی نظام بھی اس کے مسائل کا صحیح حل پیش نہیں کر سکا، کوئی نظام بھی اس کی پریشانیوں کا ازالہ نہیں کر سکا بلکہ کسی نظام نے اس سے ضمیر کی حریت چھین لی کسی نظام نے اسے معاشی مساوات سے محروم کر دیا کسی نظام نے اسے ریچھوں اور بندروں کی نسل سے ملا دیا کسی نظام نے اسے روحانیت سے بیگانہ کر دیا۔ ان تمام نظاموں نے انسان کو مایوس کیا ہے اسے نا امید کیا ہے اس کی زندگی میں کانٹے بکھیرے ہیں اسے دکھ دیئے ہیں اس لئے آج کا انسان کسی ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو اس کی بے قرار روح کو سکون دے وہ ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو اس کی معاشی ضروریات کی کفالت کرے۔

وہ ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو ظالم کا ہاتھ پکڑے اور مظلوم کو انصاف دے، وہ ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو عدل کو پانی اور ہوا کی طرح عام کر دے، وہ ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو رنگ و نسل کے امتیازات کا خاتمہ کر ڈالے، وہ ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو انسانی اخوت کے جذبوں کو بیدار کر دے، وہ ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو اللہ سے بندے کے ٹوٹے ہوئے رشتے کو دوبارہ جوڑ دے اور یاد رکھیے کہ وہ نظام جس میں یہ ساری

خوبیاں پائی جاتی ہوں، جو ان تمام صفات کا جامع ہو وہ صرف اور صرف اسلامی نظام ہے۔

سننے والے سن لیں اور جاننے والے جان لیں کہ آج کا انسان اسلامی نظام کے انتظار میں ہے وہ اگر زبان سے نہ بھی کہے تو بھی حقیقت یہی ہے کہ وہ اسلام کے عادلانہ نظام کے انتظار میں ہے کیونکہ اس کی توقعات اور آرزوئیں صرف اسلامی نظام کے نفاذ ہی سے پوری ہوسکتی ہیں۔

اس مقام پر آپ یہ سوال کرسکتے ہیں کہ اسلامی نظام کیسے نافذ ہوگا تو یاد رکھیے کہ اس کے لیے انقلاب کی ضرورت ہے اور انقلاب جہاد کے بغیر نہیں اتر سکتا، میں سیاست کی ضرورت سے انکار نہیں کرتا، میں وعظ و تقریر کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا، میں دُعاؤں اور اذکار کی عظمت سے انکار نہیں کرتا، میں نمازوں اور اصلاح و ارشاد کی فضیلت سے انکار نہیں کرتا، میں درس و تدریس کے ثمرات سے انکار نہیں کرتا، میں مدرسوں اور خانقاہوں کے فوائد سے انکار نہیں کرتا مگر میرے دوستو! جب میں اس عظیم انقلاب کا مطالعہ کرتا ہوں جو پندرہ صدیاں پہلے محمد ﷺ کے ہاتھوں برپا ہوا تو مجھے بدر و احد کے معرکے دکھائی دیتے ہیں، خندق و حنین کی جنگیں نظر آتی ہیں، تلواروں کی سنسناہٹ اور تیروں کی سرسراہٹ سنائی دیتی ہے، ابلتا ہوا خون اور کٹی ہوئی گردنیں سامنے آتی ہیں اور چیخ چیخ کر بتاتی ہیں کہ پندرہویں صدی کے مسلمانوں! اگر صرف وعظ و نصیحت سے انقلاب برپا ہوسکتا تو حضور ﷺ کے وعظ تمہارے وعظوں سے کہیں زیادہ مؤثر تھے، اگر صرف دُعاؤں سے کفر کو شکست دی جاسکتی تو مدنی آقا ﷺ کی دُعائیں تمہاری دُعاؤں سے کہیں زیادہ اثر رکھتی تھیں اسلامی انقلاب کے لیے تو جہاد کی ضرورت ہے اسی لیے تیرہ سال کی مدنی زندگی میں حضور ﷺ ستائیس مرتبہ خود میدانِ جنگ میں نکلے اور سینتالیس سریے آپ ﷺ نے بھیجے۔ گویا ہر دو ماہ میں ایک بار یا تو آپ علیہ السّلام خود کفار سے جنگ کے لیے نکلتے تھے یا کوئی نہ کوئی سریہ بھیجتے تھے۔

نرم گدیلوں پر لیٹ کر اسلامی انقلاب کے خواب دیکھنے والے اور فائیو اسٹار ہوٹلوں میں بیٹھ کر اسلامی انقلاب کی تدبیریں سوچنے والے ذہن نشین کرلیں کہ اسلامی انقلاب کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے جہاد، ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں جہاد کرنا ہوگا، ہمیں سامراجی طاقتوں کے خلاف چومکھی لڑائی لڑنی ہوگی، ہمیں انہیں ہر محاذ پر شکست دینا ہوگی۔

ہمیں جہالت کے خلاف جہاد کرنا ہوگا، ہمیں غربت کے خلاف جہاد کرنا ہوگا، ہمیں قادیانیت کے خلاف جہاد کرنا ہوگا، ہمیں سوشلزم کے خلاف جہاد کرنا ہوگا، ہمیں مغرب کے نظام سرمایہ داری کے خلاف جہاد کرنا ہوگا، ہمیں جھوٹی اور منافقت پر مبنی سیاست کے خلاف جہاد کرنا ہوگا، ہمیں ظالم حکمرانوں کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔

آیئے ہم آج اپنے رب کے حضور یہ عہد کرلیں کہ ہم اپنی صلاحیتوں سے اپنے مال سے اپنے قلم سے اپنے علم سے اپنے خون سے اپنی تلوار سے اپنی بندوق سے کفر کے خلاف، سامراجیت کے خلاف، ظلم کے خلاف، امریکہ کے خلاف، روس کے خلاف، برطانیہ کے خلاف اس وقت تک جہاد کرتے رہیں گے جب تک ہمارے ملک پاکستان میں اور پوری دنیا میں اسلامی انقلاب برپا نہیں ہوجاتا۔

وما علینا الا البلاغ

(پچاس تقریریں ج۱)

غزوہ بدر

الحمدللہ وحدہ ...... اما بعد

صدر گرامی قدر و حاضرین کرام: السّلام علیکم

آج میں آپکو اسلام کے اس اولین معرکہ کا حال سنانا چاہتا ہوں جو سن۲ ہجری ۱۷ رمضان المبارک کو میدانِ بدر میں پیش آیا، جس میں ایک جانب اہلِ حق کی صف تھی دوسری جانب اہلِ باطل کی صف تھی، ایک جانب نور تھا دوسری جانب ظلمت تھی، ایک جانب پاکیزگی اور طہارت تھی دوسری جانب نجاست اور کدورت تھی، ایک جانب صداقت تھی دوسری جانب طاقت تھی، ایک جانب تحمل تھا دوسری جانب حماقت تھی، ایک جانب انسانیت کے معمار تھے دوسری جانب انسانیت کے تخریب کار تھے، ایک جانب تقدیر پر اعتماد کرنے والے تھے دوسری جانب تدبیر پر یقین رکھنے والے تھے، ایک جانب مسلمان تھے دوسری جانب کفار تھے، ایک جانب اگر مسلمان باپ تھا تو دوسری جانب کافر بیٹا تھا۔

ایسا نظارہ کبھی آسماں نے دیکھا نہ تھا، ایک طرف وہ مشرکین تھے جن کے سر اللہ کے سامنے تو نہیں جھکتے تھے مگر بتوں کے سامنے خم ہو جاتے تھے، وہ مشرکین تھے جو سر سے پاؤں تک ناز و نخوت سے بھر پور تھے، وہ مشرکین تھے جو یتیموں اور بیواؤں کی دولت چھیننے والے تھے، وہ مشرکین تھے جن کے گھٹنے ہمیشہ مظلوم کی چھاتی کو دبانے کیلئے ہی جھکتے تھے، وہ مشرکین تھے جو انسانیت کے لبادے میں بھیڑیئے تھے، وہ مشرکین تھے جو برائی میں شیطان سے بندھے ہوئے تھے، وہ مشرکین تھے جو غرور اور تمکنت کی شان دکھلاتے ہوئے آئے تھے، وہ مشرکین تھے جو رسول اللہ کے پرانے دشمن تھے۔

دوسری طرف وہ مومنین تھے جن کے دل ایمان کے نور سے منور تھے، وہ مومنین تھے جن کے پاس شان و شوکت تو نہ تھی مگر ہمت مردانہ تھی، وہ مومنین تھے جنکا مسلک فقیرانہ تھا جن کی وضع درویشانہ تھی، وہ مومنین تھے جنکی جبینوں پر سجدوں کے نشان تھے، وہ مومنین تھے جو چٹانوں سے زیادہ مضبوط حوصلہ اور پہاڑوں سے زیادہ بلند عزائم رکھتے تھے، وہ مومنین تھے جن کے پاس صرف دو گھوڑے، چھ زرہیں، آٹھ شمشیریں تھیں، وہ مومنین تھے جو دنیا بھر کی تقدیر پلٹنے آئے تھے۔

ایسے میں مشرکین کو تلواروں پر بھروسہ تھا ایمان والوں کو صرف اللہ پر بھروسہ تھا، مشرکین کا قائد غرور و تکبر کے ساتھ اکڑتا پھرتا تھا لیکن مسلمانوں کا قائد سجدے میں پڑا ہوا تھا اور رو رو کر دُعائیں کر رہا تھا کہ اے اللہ اگر آج یہ تیرے نام لیوا مٹ گئے تو دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا۔ اے اللہ یہ بہت تھوڑے ہیں انکے دلوں کو استقامت دے انکے ارادوں کو پختہ کر دے، اے اللہ یہ تیرے نام کی خاطر میدان میں آئے ہیں تو انہیں وہ سب کچھ دے جس میں تیری رضا ہو، اے اللہ تیرے بندے تیری راہ میں سر بکف ہو کر حاضر ہوئے ہیں اے اللہ انکی زبانوں پر تیری آیات ہیں، اے اللہ تو اپنا فتح و نصرت کا وہ وعدہ پورا کر دکھا جو تو نے اپنے نبی سے معراج کی شب کیا تھا۔

ان دُعاؤں کی ہی تاثیر تھی وہ جو تین سو تیرہ کی تعداد میں تھے جو نہتے تھے، جو جسمانی اعتبار سے کمزور تھے، جو معاشی اعتبار سے کمزور تھے اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر سے ٹکرا گئے جو ہر طرح سے مسلح تھا جس میں بڑے بڑے سورما تھے نامور پہلوان تھے جن کو اپنی

فتح پہ اتنا یقین تھا کہ جشن کا سامان کر کے آئے تھے۔

تاریخ گواہ ہے کہ فتح کسے ہوئی۔ فتح نہتوں کو ہوئی، فتح مومنین کو ہوئی، فتح انہیں ہوئی جنہیں اللہ پر یقین تھا، فتح انہیں ہوئی جنہوں نے طاغوت کی غلامی قبول نہ کی، فتح انہیں ہوئی جنکے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔

اور آج بھی وہی اللہ ہے جس نے بدر کے میدان میں فرشتے اتارے تھے، آج بھی وہی اللہ ہے جس نے غیر مسلح لشکر کو مسلح لشکر پر فتح دی، آج بھی وہی اللہ ہے جس نے قلیل کو کثیر پر فتح دی، آج بھی وہی اللہ ہے جس نے روحانیت کو مادیت پر غلبہ دیا اور آج بھی کفار اور مشرکین مسلمانوں کا قلع قمع کرنے پر تلے ہوئے ہیں، سازشیں پھیلائی جارہی ہیں، کشمیر، فلسطین، ہندوستان، سری لنکا کی زمین ان پر تنگ کردی گئی ہے۔

میرے دوستو! احساس کمتری پر لعنت بھیجئے، بزدلی سے توبہ کیجئے، ایمان اور یقین کے نور سے سینوں کو روشن کیجئے، کفر سے ٹکرانے کا حوصلہ پیدا کیجئے، جو کچھ آپ کے پاس ہے اسے لیکر میدان میں آجایئے اور اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھا دیجئے، رو رو کر مانگیے بار بار مانگیے پھر دیکھئے مادیت پر روحانیت کیسے غالب آتی ہے، پھر دیکھئے کثرت کو قلت کیسے شکست دیتی ہے، پھر دیکھئے تائید الٰہی کیا ہوتی ہے، پھر دیکھئے سکینہ کیا ہوتا ہے، پھر دیکھئے فرشتے کیسے صف آرا ہوتے ہیں۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

(پچاس تقریریں ج۱)

یہ اُحد ہے

یہ اُحد ہے، یہاں کی زمین اسلام کے سب سے قیمتی خون سے سیراب ہوئی، سب سے سچے، سب سے اونچے عشق ومحبت اور وفا کے واقعات جو دنیا کی پوری تاریخ میں نہیں ملتے اسی سرزمین پر پیش آئے رسول اللہ ﷺ کی محبت اور اسلام کی وفاداری میں سید الشہداء حمزہؓ کے اعضاء یہیں کاٹے گئے اور جگر جبایا گیا۔ زیادؓ بن سکن نے قدموں پر آنکھیں مل مل کر یہیں جان دی، انس بن نضرؓ کو جنت کی خوشبو اسی پہاڑ کے در سے آئی اور اسی سے اوپر زخم کھا کر یہیں سے رخصت ہوئے، دندان مبارک یہیں شہید ہوئے، سر پر زخم یہیں آئے، مشرکین نے جب شمع رسالت پر ہجوم کیا تو دس عشاق یہیں پر آپ ﷺ کے لئے قربان ہو گئے، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے اپنے ہاتھوں کو ڈھال بنا کر یہیں پر چھلنی کروایا تھا، سعد بن ربیعؓ نے جسم پر ستر زخم کھانے کے بعد یہیں پر جام شہادت نوش کیا تھا، ابو دجانہؓ نے یہیں تیروں کی بارش اپنے جسم پر لے لی تھی لیکن شمع نبوت تک ناپاک پھونکوں کو پہنچنے نہیں دیا تھا، مکہ کا ناز پروردہ مصعب بن عمرؓ یہیں ایک غزوہ میں شہید ہو کر ایک چادر میں مدفون ہوئے، ستر جانثاروں نے شہادت کا تاج یہیں پر اپنے سروں پر سجایا تھا یہاں اسلام کے پروانوں کی خاک ہے، رسول اللہ ﷺ کے عشاق اور اسلام کے جانثاروں کی بستی ہے۔

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

یہاں کی فضا اور یہاں کے پہاڑوں سے اب بھی موتوا علی ما مات علیہ رسول اللہ اسی پر جان دے دو جس پر رسول اللہ ﷺ دنیا سے گئے، کی صدائے بازگشت آتی ہے۔ آیئے اسلام پر جینے اور جان دے دینے کا عہد پھر تازہ کریں۔ ہم نے دین اور

دنیا کی خیرات یہیں سے پائی، آدمیت یہیں سے سیکھی یہاں کی دستگیری نہ ہوتی تو ہم میں سے کتنے معاذ اللہ بت خانہ، آتش کدہ اور کلیسا میں ہوتے، یہ ان کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اسلام کی سعادت سے مشرف ہیں اور قربانیاں بھی اس قدر کہ ان کا شمار ناممکن ہے قدم قدم پر ایثار اور جان فروشی کی داستانیں ہیں۔ (ندائے منبر و محراب ج ۲)

عظیم قربانی

سوچیے کہ اپنا وطن، اپنا خاندان اور اپنا گھر بار چھوڑنا کتنا مشکل کام ہے، دنیا کے لئے تو ہم بہت کچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں لیکن دین کے لئے تو ہم ایک جھونپڑا بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، آج دنیا کمانے کے لئے کوئی امریکہ جارہا ہے، کوئی ہالینڈ جا رہا ہے کوئی آسٹریلیا جارہا ہے، کوئی فرانس جارہا ہے، کوئی دبی جارہا ہے کوئی مسقط جارہا ہے۔ ان کے جانے پر تو سب خوش ہوتے ہیں، ماں باپ بھی خوش ہوتے ہیں، بیوی بچے بھی خوش ہوتے ہیں، بہن بھائی بھی خوش ہوتے ہیں، دوست احباب بھی خوش ہوتے ہیں کہ جانتے ہیں کہ آئے گا تو ڈالر لائے گا، ریال لائے گا، دینار لائے گا، روپیہ لائے گا، رنگین ٹی وی لائے گا، وی سی آر لائے گا چاہے وہاں جا کر بیچارے کو چوکیدار بننا پڑے۔ چاہے جمعدار بننا پڑے، چاہے ٹوکری اٹھانی پڑے، چاہے بھوکا پیاسا رہنا پڑے مگر سب خوش ہوتے ہیں اور جب آتا ہے تو ہار پھول ڈال کر استقبال کرتے ہیں لیکن اگر کوئی دین سیکھنے کے لئے، ایمان کی دعوت دینے کے لئے اور مظلوم مسلمانوں کے لئے جہاد کرنے کے لئے گھر بار چھوڑے تو سب کے چہرے اُتر جائیں گے مگر مکہ کے مسلمان جو گھر بار چھوڑ رہے تھے تو اس سے ان کا کوئی دنیاوی مقصد نہ تھا، وہ صرف اپنا ایمان بچانا چاہتے تھے، وہ اسلام کا مرکز تعمیر کرنا چاہتے تھے تا کہ ساری دنیا کے انسانوں کو ظلم کے نظام سے نجات دلائی جائے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے جو قربانی دی وہ تاریخ انسانی کی عظیم ترین قربانی تھی۔ کسی کو خاندان چھوڑنا پڑا، کسی کو والدین چھوڑنے پڑے، کسی کو بھائی بہن چھوڑنے پڑے، کسی کو بیوی چھوڑنی پڑی، کسی کو بچے چھوڑنے پڑے کسی کو مکان اور دکان سے ہاتھ دھونے پڑے، کسی کو جائیداد کی قربانی دینی پڑی لیکن ان کے دلوں میں ایمان ایسا رچ بس گیا تھا کہ وہ اس کی خاطر سارا جہان چھوڑنے کے لئے تیار تھے۔ (ندائے منبر و محراب ج ۶ ص ۶۷)

اقدامی جہاد

جب نبی کریم ﷺ کو یہود کے ارادوں کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ دفاع کے بجائے اقدام کیا جائے، یہ جو میں نے دولفظ بولے ہیں دفاع اور اقدام تو یہ اس لئے نہیں بولے کہ میں آپ پر اپنی علمیت کا سکہ جماؤں کہ دیکھو جناب میں کتنے مشکل الفاظ بول سکتا ہوں، بلکہ میں نے یہ دولفظ اس لئے بولے ہیں کہ آپ کو سمجھا سکوں کہ جہاد دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی ہوتا ہے، اگر اپنی جگہ پر رہتے ہوئے مقابلہ کیا جائے تو یہ دفاعی جہاد کہلاتا ہے اور اگر آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کیا جائے تو یہ اقدامی جہاد کہلاتا ہے۔ آج کل بعض نام نہاد مذہبی مصلحین جنہیں مفسدین کہنا زیادہ مناسب ہوگا، وہ اقدامی جہاد کا انکار کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے جتنے بھی جہاد کیے ہیں وہ دفاعی ہی تھے، اقدامی جہاد آپ ﷺ سے ثابت نہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن غزوات میں حصہ لیا ہے ان میں سے اکثر اقدامی تھے۔ غزوۂ ابواء اقدامی تھا، غزوۂ بواط اقدامی تھا، غزوۂ بدر اقدامی تھا، غزوۂ بنی سلیم اقدامی تھا، غزوۂ حمراالاسد اقدامی تھا، غزوۂ بنی نضیر اقدامی تھا، غزوۂ بنو مصطلق اقدامی تھا، غزوۂ بنو قریظہ اقدامی تھا، غزوۂ حُنین اقدامی تھا، غزوۂ طائف اقدامی تھا، غزوۂ تبوک اقدامی تھا۔ جیسے یہ غزوات اقدامی تھے اسی طرح غزوۂ خیبر بھی اقدامی تھا۔ آپ نے مدینہ منورہ میں بیٹھ کر یہود کا انتظار نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے خود آگے بڑھ کر خیبر پر چڑھائی کی۔ (ندائے منبر ومحراب ج٦ ص١٦٣)

سپر پاور سے مقابلہ

غزوۂ تبوک اصل میں اس وقت کی ایک انتہائی منظم اور دولت مند سپر پاور سے مقابلہ تھا اور یہ عرب سے باہر کی طاقت تھی ورنہ عرب کافروں میں تو اب کوئی دم خم باقی نہیں رہا تھا۔ خیبر فتح ہوا تو یہودیوں کی کمر ٹوٹ گئی، مکہ فتح ہوا تو قریش کی کمر ٹوٹ گئی، غزوۂ حنین ہوا تو قریش کے بعد کی جو دونمبر طاقت تھی یعنی قبیلۂ ہوازن ان کی کمر ٹوٹ گئی اور یوں سمجھیں کہ حنین میں جو جنگ ہوئی یہ عربوں کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آخری جنگ تھی، اس جنگ نے ان کی طاقت کو ختم کردیا اور ان کے دلوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے

کھول دیا، عربوں نے تو اسلام کے سامنے سر جھکا دیئے لیکن رومیوں کے سر مزید اکڑ گئے، اسی زمانے میں رومیوں نے ایرانیوں کو شکست دی تھی گویا امریکیوں نے روسیوں کو شکست دی تھی اس لیے کہ اس وقت دنیا کی بڑی طاقتیں یہی دو تھیں یا رومی تھے یا ایرانی تھے۔

عربوں کو یہ دونوں ویسے ہی حقیر سمجھتے تھے، خود عربوں کا یہ حال تھا کہ وہ رومیوں پر حملہ کرنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے بالکل ہمارے جیسی ان کی سوچ تھی۔

کیا آج کوئی سوچ سکتا ہے کہ پاکستان امریکہ پر حملہ کرے گا؟ اگر کوئی محض اس بارے میں سوچے ہی تو بابو لوگ اسے پاگل قرار دیں گے اور اس کے دیوانہ ہونے کے بارے میں کسی مسٹر کو شک نہیں ہوگا لیکن میرے دوستو! سن لو اور کان کھول کر سن لو! آج امریکہ ایک بین الاقوامی غنڈے کی شکل اختیار کر چکا ہے، اس کی زیادتیاں حد سے تجاوز کر چکی ہیں، ہم کمزور ہی سہی لیکن ان شاء اللہ وہ وقت بہت قریب ہے جب دنیا بھر کے ستائے ہوئے انسان امریکہ پر حملہ آور ہوں گے اور ان حملہ آوروں میں پاکستانی بھی شامل ہوں گے۔

تو جیسے ہم امریکیوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہیں اسی طرح عرب بھی اپنے آپ کو رومیوں کے مقابلے میں بہت کمزور سمجھتے تھے اور اس چیز نے ان کے دماغ بہت اونچے کر دیئے تھے، ان کے تکبر اور نخوت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کے لیے اپنے قاصد حضرت حارث بن عُمیر ازدیؓ کو بصریٰ کے حاکم شرجیل کے پاس بھیجا تو اس نے میرے آقا ﷺ کے سفیر کو بڑی بے دردی سے شہید کروا دیا حالانکہ سفیروں کو قتل کرنے کا کسی بھی ملک اور کسی بھی معاشرے میں دستور نہیں تھا۔

شرجیل تو قیصر روم کا چھوٹا سا دُم چھلہ اور چمچہ تھا جب اس کے دماغ میں اتنا خناس اور اتنا تکبر بھرا ہوا تھا تو قیصر کے خناس کا اندازہ آپ خود لگا لیں اور نرا خناس ہی نہ تھا قیصر کے پاس طاقت تھی، دولت تھی، دنیا کی سب سے بڑی منظم اور تربیت یافتہ فوج تھی، اسلحہ تھا، جنگ کا تجربہ تھا، حوصلہ تھا، گھمنڈ اور اعتماد تھا۔ وہ حال ہی میں کسریٰ کو شکست دے کر آیا تھا، جب اس نے سُنا کہ دنیا میں میرے علاوہ ایک نئی طاقت بھی ابھر رہی ہے اور وہ عرب جو ہمیشہ سے قبیلوں، فرقوں اور گروہوں میں بٹے رہے ہیں وہ منظم ہو رہے ہیں تو اس نے سوچا کہ اس طاقت کو اُبھرے سے پہلے دبا دیا جائے۔ ویسے وہ ۸ھ میں موتہ کے مقام پر

مسلمانوں سے زخم اٹھا چکے تھے ان زخموں کا بدلہ لینا بھی ضروری تھا۔
نبی کریم ﷺ کو رومیوں کی تیاری کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے دفاعی جہاد کے بجائے اقدامی جہاد کا فیصلہ کیا تا کہ لوگوں کے دلوں سے مادی سپر پاور کا رعب اور خوف نکل جائے۔ آپ تو دنیا میں آئے ہی اس لیے تھے تا کہ انسانوں کو یہ باور کرا دیں کہ سپر پاور صرف اللہ ہے اس کے مقابلے میں سب زیرو ہیں۔ چین زیرو، فرانس زیرو، برطانیہ زیرو، لیکن حیرت ہے اس بات پر کہ آج کا زوال پذیر مسلمان ان میں سے بہت سوں کو سپر پاور سمجھتا ہے اور اس کے عمل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سپر پاور ہونے کا یقین اس کے دل سے نکل چکا ہے۔
وہ مسلمان جو نماز کی ہر رکعت میں اللہ اکبر کہتا ہے اس کے دل سے اللہ کی کبریائی کا یقین نکل چکا ہے۔ (ندائے منبر و محراب ج ۶ ص ۲۰۴)

محبت نبوی ﷺ

ہزاروں لوگ ایسے گذرے ہیں جن کو ہم نے نہ دیکھا ہے، نہ ان سے ہماری قرابت داری رہی ہے، نہ ان سے ہمیں کوئی مالی فائدہ حاصل ہو رہا ہے مگر ہم ان سے صرف ان کے کمالات کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔
ہم حاتم طائی سے محبت کرتے ہیں اس کی جود و سخا کی وجہ سے، ہم نوشیرواں سے محبت رکھتے ہیں اس کے عدل و انصاف کی وجہ سے، ہم رستم اور اسفند یار کا تذکرہ بڑے فخر سے کرتے ہیں ان کی شجاعت اور مردانگی کی وجہ سے، ہم سقراط اور افلاطون کا نام پیار سے لیتے ہیں انکے علم و حکمت کی بناء پر ہم فردوسی اور سعدی سے عقیدت رکھتے ہیں ان کی قوت گویائی کی بناء پر، ہم سحبان سے محبت کرتے ہیں اسکی خطابت اور طاقت لسانی پر، ہم لبید اور متنبی کا تذکرہ کرتے ہیں ان کی فصاحت و بلاغت کی بناء پر، ہم شیکسپیئر اور ہومر کی بات

کرتے ہیں ان کے ادبی کمال کی بناء پر، ہم مصر کی قلوپطرہ کا نام لیتے ہیں اس کے حسن و جمال کی بناء پر، ہم مجنوں اور رانجھے کی مثال دیتے ہیں ان کے کمال عشق کی وجہ سے تو ہم اس ذات اقدس ﷺ سے محبت کیوں نہ کریں جو تمام کمالات کا مجموعہ تھی۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں جو کمال پایا جاتا تھا وہ ناقص تھا اور میرے پیغمبر کا ہر کمال کامل تھا۔

میں حاتم طائی کی سخاوت کو مانتا ہوں مگر حاتم کی سخاوت اس ذات اقدس کی سخاوت کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے جس نے دوست کو بھی فائدہ پہنچایا دشمن کو بھی۔

جس نے ظاہر کو بھی مالا مال کیا باطن کو بھی مالا مال کیا، جس کی زبان پر بھی کلمۂ شہادت کے لا کے علاوہ کبھی لا آیا ہی نہیں، جس کی سخاوت کا سلسلہ اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی جاری ہے، جو دنیا میں بھی نوازتا رہا آخرت میں بھی اپنی امت کو نوازے گا۔

میں نوشیرواں کے عدل و انصاف کو تسلیم کرتا ہوں مگر نوشیرواں کے عدل کو اس رسول ہاشمی ﷺ کے عدل سے کیا نسبت؟

جس نے عرب کے انتقامی اور ظالمانہ ماحول میں عدل کے میٹھے چشمے جاری کیئے، جس نے اعلان کیا کہ اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اسکا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، جس نے بدلہ لینے کیلئے اپنی کمر امت کے عام آدمی کے سامنے ننگی کر دی، جس کے غلاموں نے قیصر و کسریٰ کے استبداد کا خاتمہ کر کے میزان عدل قائم کر دی۔

میں رستم و اسفندیار کی شجاعت تسلیم کرتا ہوں مگر اس عظیم بہادر کے کیا کہنے جس نے بغیر لشکر اور بغیر ہتھیاروں اور بغیر مال و دولت کے سالہا سال تک عرب کے وحشی درندوں کا تنہا مقابلہ کیا۔

میں سقراط اور افلاطون کے علم و حکمت سے انکار نہیں کرتا مگر اس باب العلم والحکمۃ ک کیا کہنے جس کے فیضان علم سے سقراط و افلاطون جیسے سینکڑوں ارباب علم و حکمت پیدا ہو گئے۔

مجھے سحبان کی قوت خطابت سے انکار نہیں مگر اس عظیم خطیب کے کیا کہنے جس کی تاثیر خطابت سے پتھر بول پڑے اور سنگدل انسانوں کی زندگیوں کی کایا پلٹ گئی۔

مجھے شیکسپئر اور ہومر، متنبی اور لبید کی فصاحت و بلاغت سے انکار نہیں مگر اس فصیح اعظم کے کیا کہنے جس کی فصاحت و بلاغت کا عرب و عجم میں سے کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔

قلوپطرہ کے حسن کی بات نہ کرو کیوں کہ خاک کو آسمان سے اور ذرہ کو پربت سے کیا نسبت۔ ماہ عرب کے حسن و جمال کا مقابلہ تو مصر کا وہ حسین بھی نہیں کر سکتا جس کے حسن نے چند بازاری عورتوں کے ہوش وحواس گم کر دئے تھے۔

تو اگر ان لوگوں سے ان کے کمالات کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے تو پھر اس عظیم انسان سے محبت کیوں نہ کی جائے جس میں یہ سارے کمالات علیٰ وجہ الکمال پائے جاتے ہیں۔

گرامی قدر احباب!

آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ جس ذات اقدس ﷺ میں ایسے اوصاف و کمالات جمع ہوں اس سے محبت کرنا چاہئے یا نہیں؟

دنیا والے

کسی کی ذہانت پر ناز کرتے ہیں، کسی کی شجاعت پر ناز کرتے ہیں، کسی کی جود وسخا پر ناز کرتے ہیں، کسی کے عدل وانصاف پر ناز کرتے ہیں، کسی کے ایثار اور خدمت خلق پر ناز کرتے ہیں۔

تو میں اس پیغمبر پر ناز اور اس سے محبت کیوں نہ کروں جس کے اندر یہ ساری صفات اور کمالات علی وہ الکمال پائے جاتے تھے اور جس نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو یہ اخلاق واوصاف سکھا دئے۔

اس نے کسی کو صدیق بنا دیا، کسی کو عادل بنا دیا، کسی کو سخی بنا دیا، کسی کو شیر خدا بنا دیا، میں تو صاف کہتا ہوں جس کو محمد ﷺ سے محبت نہیں اسے ان صفات واخلاق سے محبت نہیں۔ اسے صداقت و دیانت سے محبت نہیں، اسے نجابت و شرافت سے محبت نہیں، اسے ایثار اور شفقت ورالفت سے محبت نہیں، اسے جود وسخا اور ہمدردی و غمخواری سے محبت نہیں، اسے شرم وحیا اور عفت و پاکدامنی سے محبت نہیں، اسے تواضع، سادگی اور عجز وانکساری سے محبت نہیں، اسے وقار و متانت اور عفو درگزر سے محبت نہیں، اور جسے ان اخلاق سے محبت نہیں اسے انسانیت سے محبت نہیں، اور جسے انسانیت سے محبت نہیں وہ انسان نہیں بلکہ انسان کے

لباس میں ایک حیوان، ایک وحشی درندہ ہے ورنہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کمالات اور اخلاق و صفات کے ایسے پیکر کو دیکھے اور سنے مگر اس سے محبت نہ کرے۔
میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ایسے شخص کے سینے میں دل نہیں پتھر کا ٹکڑا ہے اس کے سر میں دماغ نہیں بھس بھرا ہے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷺ سے سچی محبت کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.
(پچاس تقریریں ج ۱)

آخری نگاہ

صحابہؓ محراب کی طرف دیکھتے تھے تو آقا نظر نہیں آتے تھے اور منبر کی طرف نظریں اٹھاتے تھے تو چاند سے زیادہ حسین و جمیل چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔
منبر و محراب خالی ہو چکے تھے، حضرت ابوبکرؓ آپ کی جگہ بدستور نماز پڑھا رہے تھے، پیر کا دن تھا، لوگ نماز فجر میں صفیں باندھے کھڑے تھے، رسول اللہ ﷺ کو نجانے کیا خیال آیا کہ آپ نے اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا اور اللہ کے ان بندوں کو اللہ کے سامنے عبادت کرتے ہوئے دیکھنے لگے جو آپ ﷺ ہی کی محنت کے نتیجے میں ایمان اور عبادت کی لائن پر آئے تھے، آپ مطمئن تھے کہ بھولے بھٹکے انسانوں کا اللہ سے جو رشتہ جڑا ہے یہ اب ان شاء اللہ جڑا ہی رہے گا آپ تصور کریں اس عظیم انسان کا جو اپنی تیئیس سالہ محنت کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، جو لوگ اس کے سامنے رکوع و سجود میں مصروف تھے وہ اس نے بڑی محنت سے تیار کیے تھے اور انہیں رو رو کر اللہ سے مانگا تھا ان میں سے ایک ایک ہزاروں پر بھاری تھا ان میں سے کوئی مفسر تھا کوئی فقیہ تھا، کوئی عراق و ایران کا فاتح تھا، کوئی مصر اور افریقہ کے مستقبل کا حکمران تھا لیکن جو کوئی بھی تھا صاحب ایمان تھا، حامل قرآن تھا اور مثالی انسان تھا۔ یہ منظر دیکھ کر سرورِ عالم ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی سے دمکنے لگا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس وقت حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے قرآن کا ورق!
اللہ اکبر! حضرت انسؓ نے کیا غضب کی تشبیہ دی ہے گویا آقا کے چہرے میں کشش وہ تھی جو قرآن میں ہوتی ہے اور قرآن کی کشش تو صحابہ ہی جانتے تھے ہمارے جیسے

دو ٹانگوں والے گدھے گھوڑے قرآن کی کشش سے کیا واقف ہوں گے۔اور تقدس بھی وہی تھا جو قرآن کے ورق کو حاصل ہوتا ہے اور چمک بھی وہی تھی جو قرآن کے الفاظ میں ہوتی ہے،قرآن کے ورق پر اگر طلائی کام ہوا ہو تو اس میں زردی بھی ہوتی ہے اور بیماری کی وجہ سے آقا کے چہرے پر زردی بھی تھی۔

حضور اکرم ﷺ کے مسکراتے اور دلکش چہرے کو دیکھ کر صحابہؓ کے جذبات میں تلاطم سا برپا ہو گیا،قریب تھا کہ صفیں درہم برہم ہو جائیں اس لیے نبی کریم ﷺ نے پردہ گرا دیا۔اس کے بعد صحابہ کرام کو اپنے محبوب کے چہرہ کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔

(ندائے منبر ومحراب ج۶ص ۲۶۸)

توبہ سے غفلت

ایک قاعدے کی بات یوں ہے کہ جو چیز انتہائی اہم اور ضروری ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو عام فرما دیتے ہیں۔جیسے ہوا انسانی زندگی کے لئے ضروری ہے،اللہ تعالیٰ نے اسے عام اور بلا قیمت مہیا فرما دیا ہے،پانی بھی اسی طرح بہت ضروری ہے،اللہ تعالیٰ نے اسے بھی عام فرما دیا،بالکل اسی طرح سے گناہوں کو چھوڑنے کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے،اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بھی بہت آسان اور عام فہم نسخہ تجویز فرمایا ہے،وہ نسخہ یہ ہے کہ جب بھی گناہ سرزد ہو،دو نفل توبہ کی نیت سے فوراً پڑھیں اور پورے اخلاص کے ساتھ توبہ کرلیں،جب توبہ ٹوٹ جائے تو پھر سے فوراً یہی عمل کریں،پھر گناہ سرزد ہو جائے پھر توبہ کریں اور اسی وقت روتے ہوئے اللہ کے پاس آجائیں۔اس عمل کو چھوڑنا نہیں ہے،آپ کہیں گے یہ تو تماشا ہو گیا کہ ادھر توبہ کی ادھر توبہ ٹوٹ گئی اور پھر سے دو رکعت نفل پڑھ کر توبہ کرلی،میں کہتا ہوں یہ تماشا کر کے دیکھئے،اس میں بات یہ ہے کہ گناہ کے بعد جونہی آپ توبہ کریں گے اللہ کے سامنے روئیں گے،دو رکعت نماز نفل پڑھیں گے تو گناہ کو تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے،اور وہ نفل،وہ آنسو اور رونا دھونا منافع میں آجائیں گے،یہ سودا شیطان کو بھی منظور نہیں ہے،وہ بھی گناہ چھڑوا دے گا اور آئندہ گناہ کا موقع فراہم کر کے نہیں دیگا یہ بہت آسان اور مجرب نسخہ ہے،ضرور کریں۔

اس بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ نے بہت عجیب بات فرمائی ہے کہ اگر

کوئی شخص زندگی بھر توبہ کرتا رہے اور اس کی توبہ ٹوٹتی رہے تو پھر بھی گناہ کے فوراً بعد توبہ کرے اور پھر توبہ ٹوٹ جائے زندگی ساری اگر اس کی ایسی گذر جائے تو بھی یہ اس کی استقامت ہے، اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ شخص میری راہ میں آخر دم تک لڑتا تو رہا، اس نے ہتھیار تو نہیں پھینکے۔ مستقل طور پر باطل پرست تو نہیں ہو گیا، اس راہ میں بدترین صورت ہوگی تو یہی ہوگی، اس میں بھی اللہ تعالیٰ استقامت کا اجر عطا فرمادیں گے کہ میری راہ میں چلتے ہوئے یہ شخص کبھی سر کے بل کبھی منہ کے بل گرتا رہا لیکن پھر بھی توبہ کرتا رہا اور میری ہی طرف آگے تو بڑھتا رہا۔ تو مولانا مرحوم فرماتے تھے کہ توبہ کا بار بار کرنا خواہ توبہ ٹوٹتی رہے توبہ کے نہ کرنے سے بہت بہتر ہے۔ (ندائے منبر و محراب ج ۴ ص ۱۵۳)

آئیے ہم اپنے گھروں کا جائزہ لیں کہ ہمارے ہاں رات بھر کیا ہوتا ہے کیا اللہ کی عبادت ہوتی ہے یا معصیت کا ارتکاب ہوتا ہے۔ جب کبھی چھٹی کا دن ہوا گر آپ محلے کے ایک ایک گھر کا جائزہ لیں تو بعض محلوں میں آپ کو بلا مبالغہ اسی فیصد بلکہ نوے فیصد گھرانوں سے فلموں، گانوں اور ڈراموں کی آوازیں سنائی دیں گی، ان خرافات میں باپ سے اولاد تک پورا گھرانہ شریک ہوتا ہے، گھر کے سرپرست کو اس چیز کا قطعاً احساس نہیں کہ میرے گھر میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا میں ذمہ دار ہوں اور یہ کہ اولاد کی اور گمراہی کا وبال میرے سر پر ہوگا۔

اور حیرت یہ ہے کہ ہمیں پھر بھی شکوہ ہے کہ ہماری دُعائیں قبول نہیں ہوتیں یہودی، عیسائی اور ہندو ہم پر کیوں مسلط ہیں، گھروں سے اور دلوں سے سکون کیوں اٹھ گیا ہے، لڑائی جھگڑے اور خون خرابہ کیوں عام ہو گیا ہے، رزق میں برکت کیوں نہیں رہی، اس ملک میں اسلامی قانون کیوں نافذ نہیں ہوتا، ہم پر عدل وانصاف کرنے والے حکمراں کیوں نہیں آتے، یہ شکوے تو ہیں مگر۔

کوئی اللہ کا بندہ اپنے اعمال کی طرف نہیں دیکھتا، کیا واقعی ہم اس قابل ہیں کہ ہم پر نیک اور زاہد و پارسا حکمران آئیں؟ کیا آپ نے سرکار دو جہاں ﷺ کا یہ فرمان برحق نہیں سُنا کہ "**اعمالکم عمالکم**" تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہیں، عوامی زبان میں کہا جاتا ہے، جیسا منہ ویسا تھپڑ، اور جیسی روح ویسے فرشتے۔

فرصت

اور حیرت یہ ہے کہ بعض حضرات نماز نہ پڑھنے کا عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اتنی فرصت نہیں کہ وہ نماز پڑھ سکیں۔

کیسی دیدہ دلیری سے کہدیا جاتا ہے کہ ہمارے پاس فرصت نہیں۔ ارے اس اللہ کی عبادت کے لیے تمہارے پاس فرصت نہیں جس نے تمہیں زندگی کی فرصت اور مہلت عطا کررکھی ہے، سر اُسی کا، جسم اُسی کا، زندگی اس کی، ہم اُس کے، ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ سب اس کا ہے، اور پھر ہم یہ کہیں کہ ہمارے پاس اس مالک حقیقی کے سامنے سجدہ کرنے کے لیے وقت نہیں، تو یہ طوطا چشمی نہیں تو اور کیا ہے۔ نمک حرامی اور احسان فراموشی نہیں تو اور کیا ہے۔

آج ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس وقت نہیں ایک منظر وہ بھی ہوگا جب اللہ کے سامنے سجدے سے انکار کرنے والوں کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا وہ سجدہ کرنا چاہیں گے مگر نہیں کرسکیں گے۔

ویدعون الی السجود فلا یستطیعون خاشعة ابصارهم ترهقهم ذلة وقد کانوا یدعون الی السجود وهم سالمون.

اور انہیں سجدہ کی طرف بلایا جائے گا تو سجدہ نہ کرسکیں گے، ان کی آنکھیں جُھکی ہوں گی اور اُن پر ذلت چھائی ہوگی اور یہ سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے اس حال میں کہ وہ صحیح سالم تھے۔

جب ہم یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرصت نہیں تو اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہوتا ہے کہ نماز پڑھنا تو نکموں اور بے کاروں کا کام ہے ہم تو کام والے ہیں ہمارے پاس نماز پڑھنے کا وقت کہاں۔

ارے اللہ کے بندو! وہی وقت تو با کار بنے گا جو اللہ کی یاد میں بسر ہوگا اور وہ وقت تو بے کار اور فضول ہے جو یاد حق سے غفلت میں گذر گیا۔ (ندائے منبر و محراب ج ۴ ص ۱۷۷ تا ۱۷۹)

خطیب اعظم ﷺ

ایک دن تشریف لائے اور فرمایا "لوگو! اگر میرے ذمہ کسی کا حق ہو تو وہ مجھ سے لے لے، اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو میری پیٹھ حاضر ہے، اگر میں نے کسی کی عزت و آبرو

کے خلاف سخت الفاظ کہے ہوں تو وہ بھی بدلہ لے لے، اگر میں نے کسی کا مال لیا ہو تو وہ اپنا مال مجھ سے وصول کر لے، میں چاہتا ہوں کہ میں پاک صاف ہو کر اپنے رب سے ملوں"۔

کتنی فکر تھی میرے آقا کو حقوق العباد کی، تا کہ روز قیامت باز پرس نہ ہو جائے ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو بندوں کے بڑے بڑے حقوق ہڑپ کر لیتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں مارتے، اور پیر صاحب تو مریدوں کے مال کو اپنے لیے شیر مادر سمجھتے ہیں لیکن وہ جو پیروں کا پیر تھا اسے بڑی فکری تھی کہ کہیں میرے ذمہ کسی بندے کا حق نہ رہ گیا ہو حالانکہ زندگی بھر نہ کسی کی عزت و آبرو کو داغدار کیا، نہ کسی کے مال میں ناجائز تصرف کیا اور نہ ہی کسی مسلمان پر ہاتھ اٹھایا، دوسروں نے تو آپ ﷺ پر ہاتھ اٹھائے، پتھر بھی برسائے، گالیاں بھی دیں، دل بھی دکھایا لیکن میرے آقا کی زبان سے ان کے لیے دُعائیں ہی نکلتی رہیں، پتھر برسانے والوں کو پھول ہی ملتے رہے۔

ایک اور خطبے میں ارشاد فرمایا "ان یہود و نصاریٰ پر اللہ لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گا بنالیا۔ لوگو! تم میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ اے اللہ! میں تبلیغ کر چکا تو اس کا گواہ رہنا، الٰہی! تو اس کا گواہ رہنا، الٰہی! تو اس کا گواہ رہنا۔

میرے مسلمان بھائیو! دنیا میں سب سے زیادہ عظمت والا مزار حضور اکرم ﷺ کا مزار ہے جب اس مزار پر سجدہ کرنا جائز نہیں تو کسی دوسرے مزار پر سجدہ کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے سینکڑوں مزاروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔ اس بابے کی قبر پر بھی سجدہ ہو رہا ہے، اُس بابے کی قبر پر بھی سجدہ ہو رہا ہے، اس پیر صاحب کے سامنے بھی لوگ جُھک رہے ہیں اُس پیر صاحب کے سامنے بھی لوگ جُھک رہے ہیں۔

(ندائے منبر و محراب ج ۶ ص ۲۶۳)

مسلمان کا تو ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسرے مسلمانوں سے محبت نہ رکھے۔ وہ اگر دوسرے مسلمان سے نفرت کرتا ہے تو ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے وہ اگر حسد کرتا ہے تو نیکیوں کا خرمن جل جاتا ہے وہ اگر کسی مسلمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے تو رب کے غضب کا مستحق بن جاتا ہے وہ اگر کسی مسلمان کے عیب کھولتا ہے تو مالک حقیقی کی جانب سے پردہ دری اور بے آبروئی کی وعید سنتا ہے وہ اگر اپنے مسلمان بھائی کا خون بہاتا

ہے تو جہنم کے شعلے ہمیشہ کے لئے اس پر لازم ہو جاتے ہیں اسے دوسرے مسلمان سے نفرت اور حسد اور چھیڑ چھاڑ کرنے کی قطعاً اجازت نہیں بلکہ اسے تو دوسرے مسلمان سے صرف محبت کرنے کا حکم ہے خواہ وہ غریب اور فقیر ہو خواہ وہ رنگ کا کالا اور شکل کا بدصورت ہو خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، ایشیائی ہو یا افریقی، ہندی ہو یا چینی، یہاں تک کہ اگر مسلمان، شراب نوش، زنا کار اور فاسق و فاجر بھی ہو تو ہم اس کی شراب نوشی زنا کاری اور فسق و فجور سے تو نفرت کر سکتے ہیں لیکن خون اس مسلمان سے اگر مسلمان ہونے کی حیثیت سے نفرت کی تو ہمارا اپنا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا، میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ گنہگار مسلمان کی مثال قرآن کے اس مقدس ورق کی سی ہے جو ہماری غفلت کی وجہ سے گندگی میں گر گیا ہو، ظاہر ہے گندگی میں گر جانے کی وجہ سے ہم معاذ اللہ اس ورق سے نفرت نہیں کریں گے بلکہ اسے انتہائی محبت اور چاہت کے ساتھ وہاں سے اٹھا کر، دھو کر، خوشبو لگا کر چوم کر کسی اونچی جگہ پر رکھیں گے جو اس کا اصل مقام ہے۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ انبیاء علیہم السّلام کے علاوہ آخر وہ کونسا انسان ہے جس سے کبھی گناہ نہیں ہوا، یہ الگ بات ہے کہ کسی کے گناہوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور کسی کے گناہ دنیا والوں پر ظاہر ہو گئے ہیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کے سامنے ایک شخص کو پیش کیا گیا جس پر اس کے کسی جرم کی وجہ سے حد واجب ہو گئی تھی لوگوں نے اس کے گرد ہجوم کر لیا آپ نے فرمایا" میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ جو شخص اس جرم کا مرتکب ہو چکا ہو وہ یہاں سے چلا جائے" تو وہ سارا ہجوم منتشر ہو گیا۔

تو مسلمان اگر گنہگار بھی ہو تو بھی اس سے نفرت جائز نہیں بلکہ ہر حال میں مسلمان سے محبت کرنی چاہئے اور محبت بھی اس انداز کی جس طرح کی محبت کا حکم محسن انسانیت ﷺ نے دیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"تم مسلمانوں کو آپس میں رحم کرنے، محبت کرنے اور ایک دوسرے کی طرف جھکنے میں ایسا دیکھو گے جیسا کہ جسم کا حال ہوتا ہے کہ اگر ایک عضو کو کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے تو جسم کے بقیہ اعضاء بے خوابی اور بخار کے ساتھ اسکا ساتھ دیتے ہیں"

کبھی جائزہ تو لو! میرے دوستو! اگر آپ کو کبھی زندگی کی کشاکش سے فرصت ملے

تو اس حدیث کی روشنی میں آپ اپنے رویئے کا اپنے اخلاق کا اور اپنے طرز زندگی کا جائزہ تو لیں کیا واقعی ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے ایسی ہی محبت رکھتے ہیں؟ کیا واقعی دوسرے مسلمان کو دکھ درد میں دیکھ کر ہمارے سینے میں ٹیس اٹھتی ہے کیا واقعی کسی ستم رسیدہ کی مظلومیت پر کسی بیوہ کی آہوں پر کسی یتیم کے دکھوں پر کسی بیمار کی سسکیوں پر ہماری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں؟

بلکہ اس کے برعکس کہیں ایسے تو نہیں کہ کسی مجبور کی مجبوری کو دیکھ کر کسی معذور کی معذوری کو دیکھ کر آپ کے لبوں پر خندہ استہزا آجاتا ہو؟ تمہارے قہقہے فضا میں گونج اٹھتے ہوں دوسروں کی تکلیف پر ہنسنے والو! کل کو تم پر بھی ہنسا جا سکتا ہے دوسروں کی غربت کا مذاق اڑانے والو کل کو تمہارا مذاق بھی اڑایا جا سکتا ہے' اپنی صحت اور جوانی پر اپنی عزت و وجاہت پر اپنی دولت و ثروت پر نازمت کرو یہ تو آنی جانی اور فانی چیزیں ہیں دنیا نے پہلے کس سے وفا کی ہے جو تم سے وفا کرے گی کسی کے بقول دنیا تو ایک طور ہے جو ہزاروں موسیٰ دیکھا چکا ہے یہ ایک دیر ہے جو ہزاروں عیسیٰ دیکھ چکا ہے یہ ایک قصر ہے جس میں ہزاروں قیصر رہ چکے ہیں یہ ایک طاق ہے جو ہزاروں کسریٰ دیکھ چکا ہے یہ ایک پل ہے جس پر سے عقبی کے مسافر مسلسل گذر رہے ہیں یہ ایک گلزار ہے جس کا ہر گل پر خار ہے طرفہ یہ کہ اس گل کو بھی نہ ثبات ہے نہ قرار ہے۔

اگر تم کسی پریشان حال کی مدد نہیں کر سکتے اس کے لئے ہمدردی کے دو بول نہیں بول سکتے تو کسی مسلمان کا مذاق تو مت اڑاؤ، اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے۔

والذی نفسی بیلو لا یومن عبه حتی یحب لا خیه ما یحب لنفسه

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

ہمیں میں سے کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اسے گالی دی جائے یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا برسر عام مذاق اڑایا جائے، یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی عزت و ناموس کو تاراج کیا جائے، یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا مالی نقصان کیا جائے جب وہ اپنے لئے ان چیزوں کو پسند نہیں کرتا تو دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتا ہے' کیا دوسروں کے جذبات واحساسات

نہیں ہیں؟ کیا وہ انسان نہیں ہے؟ کیا ان کے سینے میں دل نہیں ہے؟ اگر تمہارے غلط رویئے سے کسی کا دل ٹوٹ گیا تو تمہاری دنیا اور آخرت تباہ ہو سکتی ہے کیونکہ ٹوٹ ہوئے دلوں کی فریاد اللہ تعالیٰ بہت جلد سنتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مظلوم کی پکار سے بچو اس لئے کہ جب وہ فریاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی صاحب حق کو اس کے حق سے محروم نہیں کرتا۔

اسلام نے مسلمانوں کے جذبات واحساسات کا خیال رکھنے کی اس قدر تلقین کی ہے کہ وہ دعا جو کسی بیمار یا پریشان کو دیکھ کر پڑھی جاتی ہے اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ آہستہ پڑھی جائے تا کہ اس شخص کی دل شکنی نہ ہو جائے۔

حیرت کی بات ہے کہ بعض لوگ اپنا تو یہ استحقاق سمجھتے ہیں کہ ان سے محبت کی جائے ان کی عزت کی جائے، ان کو اچھے نام سے پکارا جائے ان کے احساسات کا خیال رکھا جائے لیکن وہ دوسروں کو ان چیزوں کا مستحق نہیں سمجھتے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل میں تکبر ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو کوئی انوکھی مخلوق خیال کرتے ہیں اور غریبوں اور مزدوروں کو مجبوروں اور معذوروں کو کیڑے مکوڑے سمجھتے ہیں وہ دل میں ضرور سوچتے ہوں گے کہ اللہ نے انہیں کیوں پیدا کیا ہے ان کو پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی مگر اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور یہ بھی وہی جانتا ہے کہ کون بہتر ہے اور کون کمتر!

(ندائے منبر ومحراب ج ۲ ص ۲۳۸ تا ۲۴۱)

بندوں سے درگذر اور چشم پوشی

حضرت حذیفہؓ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک بندہ لایا جائے گا جسے اللہ نے دنیا میں مال دے رکھا تھا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا میں نے تجھے جو مال دیا تو نے اس میں کیا عمل کیا؟ اور اللہ سے تو کچھ چھپا ہی نہیں سکتے بندہ کہے گا اے میرے رب تو نے اپنا مال مجھ کو دیا تھا میں لوگوں کو بیچتا تھا اور میری عادت درگذر کرنے اور معاف کرنے کی تھی تو میں مالدار پر آسانی کرتا تھا اور تنگدست کو مہلت دیتا تھا اللہ عزوجل فرمائے گا کہ اے میرے بندے میں معاف کرنے کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں اے ملائکہ میرے بندے سے درگزر کرو۔

غور کیجئے کہ اس مالدار کا دامن نیکیوں سے خالی ہوگا حسنات سے عاری ہوگا نہ اس کے پاس راتوں کا قیام ہوگا نہ دنوں کا صیام، تم تو فوراً کہہ دوگے کہ ایسے شخص کا جنت میں کیا کام؟ لیکن وہ اللہ کی مخلوق پر ترس کھاتا ہوگا اللہ اس پر ترس کھائے گا وہ مخلوق سے درگزر کرتا ہوگا، اللہ اس سے درگزر کرے گا، وہ انسانوں کے کھوٹے پیسے قبول کر لیتا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے کھوٹے اعمال قبول کر لے گا، وہ جو کہا جاتا ہے کہ ''رحمت خدا بہانہ می جوید بہانمی جوید اللہ کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے مال و دولت نہیں ڈھونڈتی تو یہ بالکل صحیح کہا جاتا ہے بعض اوقات ایک معمولی سی نیکی اسے پسند آجاتی ہے اور وہ نیکی بندے کی فوز و فلاح کا سبب بن جاتی ہے اور بسا اوقات بڑے بڑے عابدوں، زاہدوں اور پارساؤں کی عبادتیں ان کے تکبّر، غرور، انسانوں کو ستانے اور ان کے حقوق غصب کرنے کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں، اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ عبادت و سخاوت کرنے کے بعد بھی انسان کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ، کہیں میری غلطی کی وجہ سے یہ ساری محنت اور انفاق و ایثار ضائع نہ چلا جائے، اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بتایا ہے کہ انسانوں میں اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں وہ لوگ ہوں گے ''جن کی کوشش (اعمال) دنیا کی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں''

تو بندوں سے درگذر کرنا اور ان سے چشم پوشی کرنا بظاہر معمولی سی نیکی ہے لیکن اللہ کی نظر میں یہ بہت بڑا عمل ہے جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن اپنی خصوصی رحمت سے نوازے گا۔ (ندائے منبر و محراب ج ۲ ص ۲۶۳)

میرے دوستو! آپ نے بہت سارے گھروں میں بستروں کے ڈھیر دیکھے ہوں گے جو سارا سال پیٹیوں میں بند رہتے ہیں اور ان کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آتی، آج کل ایسے ایسے بیڈ استعمال کیے جا رہے ہیں جن کی قیمت لاکھ روپے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے لیکن شاہ عرب و عجم کی خدمت میں جب آپ کے غلام حضرت عمر فاروقؓ حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جسم مبارک پر ایک تہہ بند ہے، کھجور کی چھال سے بھرا ہوا ایک تکیہ سرہانے رکھا ہوا ہے، ایک کھری چارپائی ہے جس کے نشان جسم مبارک پر پڑ گئے ہیں، ایک کونے میں مٹھی بھر جو پڑے ہیں، چمڑے کا مشکیزہ کھونٹی پر لٹکا ہوا ہے یہ حالت دیکھ کر حضرت

عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ آپ ﷺ نے مسکرا کر پوچھا ''عمر! کیا بات ہے روتے کیوں ہو؟''

عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! قیصر و کسریٰ تو عیش اڑائیں اور اللہ کے پیغمبر کی یہ حالت ہو؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے ابن خطاب کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہو کہ وہ دنیا بنالیں اور ہم آخرت بنالیں؟''

پھر فرمایا: گھر میں صرف تین بستر کافی ہیں دو میاں بیوی کے لیے اور تیسرا کسی مہمان کے لیے، اگر ان کے علاوہ چوتھا بستر موجود ہو تو اس پر شیطان قبضہ جمالیتا ہے۔

میں اپنے آقا کی سادگی کے کس کس پہلو کا تذکرہ کروں آپ تو ساری زندگی ہی سادگی کا اعلیٰ نمونہ تھی اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ والی مدینہ بے مثال تھا، آپ نے کوئی ایسا بادشاہ دیکھا یا سنا ہے جو خود ہی گھر میں جھاڑو دے لیا کرتا ہو؟

جو پھٹے ہوئے کپڑے اور ٹوٹے ہوئے جوتے خود سی لیا کرتا ہو جو غریبوں، یتیموں، معذوروں اور کوڑھیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیا کرتا ہو جسے راہ چلتے ہوئے غلام اور لونڈیاں روک لیا کرتے ہوں اور اپنا کام کرائے بغیر نہ چھوڑتے ہوں؟

جس کے کپڑوں میں کئی کئی پیوند لگے ہوں؟

جو مفلسوں پر لاکھوں خرچ کرتا ہو اور خود اس کے گھر میں دو دو ماہ چولہا نہ جلتا ہو؟

جو سب مستحقین میں غلام اور لونڈیاں تقسیم کرے لیکن خود اس کی بیٹی کے ہاتھوں پر چکی چلا چلا کر نشان پڑ گئے ہوں؟

جو گدھے اور خچر پر بڑی خوشی سے سوار ہو جاتا ہو؟ جو رعایا کے سامنے اپنا جسم پیش کرتا ہو کہ اگر میں نے کسی پر زیادتی کی ہے تو آؤ یہ چھڑی حاضر ہے مجھ سے انتقام لے لو؟

جس نے میراث میں ایک درہم اور ایک دینار بھی نہ چھوڑا ہو؟ آپ خود مطالعہ کیجئے، مطالعہ والوں سے معلومات حاصل کیجئے۔ مجھے یقین ہے اور سو فیصد یقین ہے کہ آپ آج نہیں تو کل یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ تاریخ انسان میں محمد رسول اللہ ﷺ جیسا فرمانروا نہیں گذرا اور ایک فرمانروا ہونے پر ہی کیا موقوف ہے۔ میں پوری بصیرت،

پوری تحقیق، پوری سنجیدگی اور پورے اعتماد سے دعویٰ کرتا ہوں کہ میرے آقا کی زندگی کا ہر رُخ بے مثال تھا۔

آپ کا بچپن بھی بے مثال تھا، آپ ﷺ کی جوانی بھی بے مثال تھی آپ ﷺ شوہر بھی بے مثال تھے، آپ ﷺ تاجر بھی بے مثال تھے آپ ﷺ مبلغ بھی بے مثال تھے، آپ کمانڈر بھی بے مثال تھے، آپ ﷺ فاتح بھی بے مثال تھے، آپ مرشد بھی بے مثال تھے، آپ ﷺ عابدوزاہد بھی بے مثال تھے۔آپ غمخوار اور ہمدرد بھی بے مثال تھے۔

اے لوگو! محبت کرنی ہے تو آؤ والی مدینہ سے کرو، عشق کرنا ہے تو بحرین کے تاجر سے کرو، پیار کرنا ہے تو مکہ کے فاتح سے کرو، تعلق رکھنا ہے تو حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے شوہر سے رکھو، اطاعت کرنی ہے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے مرشد کی کرو، غلام بننا ہے تو حضرات حسنینؓ کے نانا کے غلام بنو۔ (ج ۶ ص ۳۲۰)

ساری تہذیبوں اور قوموں کے حالات پڑھیں، میدان جنگ میں کیا ہوتا تھا؟ بڑے بڑے مہذب اور نیک شہرت رکھنے والے سپہ سالار اپنے سپاہیوں کی حرکتوں سے میدان جنگ میں چشم پوشی کر لیتے تھے وہ جانتے تھے کہ زیادہ روک ٹوک کرنے سے یہ لوگ ناراض ہو جائیں گے اور ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ شرابیں پی جاتی تھیں، عزتیں برباد کی جاتی تھیں، راستے میں پڑنے والی بستیوں میں لوٹ مار کی جاتی تھی لیکن میں آپ کو چیلنج دیتا ہوں بدر سے لیکر تبوک تک ایک ایک غزوہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیجئے اور بتایئے کہ ان غزوات میں سے کسی ایک مجاہدے نے بھی شراب پی؟ کوئی ایک ناموس بھی برباد ہوئی؟

بلکہ آپ کو نقشہ یہ نظر آئے گا کہ ایک مجاہد یہاں سجدے میں پڑا رو رہا ہے، دوسرا وہاں ہاتھ اٹھائے التجائیں کر رہا ہے تیسرا ادھر ذکر و دعا میں مصروف ہے، چوتھا اُدھر تسبیح و استغفار کا عمل پورا کر رہا ہے، میدان جنگ میں خون ہی نہیں گر رہا اسلامی مجاہدوں کی آنکھوں سے آنسو بھی گر رہے ہیں، فرشتے حیران ہیں یا رب یہ ہماری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں؟ یہاں تو عزتیں لٹتی تھیں جام چڑھائے جاتے تھے، کھوپڑیوں کے مینار بنائے جاتے تھے، زندہ انسان جلائے جاتے تھے، معصوم بچے تڑپائے جاتے تھے، ممتا سسکتی تھی، انسانیت شیطنت کی گود میں مچلتی تھی یہ عزتوں کی حفاظت کرنے والے یہ کمزوروں پر شفقت کرنے

والے یہ بیٹوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کا لحاظ کرنے والے یہ تلواروں کے سائے میں سجدے کرنے والے، یہ تیروں کی بارش میں دُعا کرنے والے لوگ کہاں سے آگئے؟ اے اللہ! معاف کر دینا ہم نے غلط سمجھا تھا کہ صرف ہم ہی تسبیح وتقدیس کرنے والے ہیں ہمارا یہ دعویٰ صحیح نہیں تھا ونحن نسبح بحمدک و نقدس لک اصل تسبیح وتقدیس کرنے والے تو یہ لوگ ہیں جو وہاں بھی تجھے نہیں بھولے جہاں ہر کوئی بھول جایا کرتا ہے۔

(ندائے منبر ومحراب ج۶ص۳۳۵)

سب سے بڑا احسان

حضور اکرم ﷺ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ذریعہ دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت ملی۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو مردہ کو زندہ کرتا ہے، بیمار کو شفا دیتا ہے، کمزور کو طاقتور بناتا ہے، غلاموں کو شاہوں سے بات کرنے کا حوصلہ بخشتا ہے، مستضعفین کو جابروں کے سامنے سر اٹھا کر چلنے کی جرأت عطا کرتا ہے۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو ساری امیدیں ایک ذات سے وابستہ کر دیتا ہے، اس عقیدہ کا حامل انسان اس ایک ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، اس کے سوا کسی کے سامنے دامن نہیں پھیلاتا، اس کے سوا کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا، اس کے سوا کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا نہیں سمجھتا۔ (ج۶ص۳۵۹)

آپ تاریخ کی کتابیں پڑھیں، آپ حضور ﷺ کی آمد سے پہلے کی انسانی سوسائٹی اور بعد کی سوسائٹی کے درمیان فرق دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔

آپ کو تعجب ہوگا کہ کیا واقعی یہ وہی انسان ہے کہ کل تک جس کی سب سے بڑی منزل وزارت تھی، بادشاہت تھی، حکومت تھی، کرسی تھی، تخت وتاج تھا۔

جس کا سب سے بڑا ہدف دولت پرستی تھی، شہوت پرستی تھی، جاہ پرستی تھی، اقتدار پرستی تھی، شخصیت پرستی تھی، حسن پرستی تھی، غرض یہ کہ بہت ساری پرستیاں تھیں اگر نہیں تھی تو خدا پرستی نہیں تھی، اور پیغام محمدی ﷺ کے عام ہونے کے بعد ساری پرستیوں کے چراغ ماند پڑ گئے اور خدا پرستی کا چراغ کچھ اس طرح چمکا کہ ظاہر تو ظاہر باطن بھی چکا چوند ہو گئے۔

چہرے ہی روشن نہ ہوئے دل بھی روشن ہو گئے، شہر کے شہر اور بستیوں کی بستیاں خدا طلبی اور خدا شناسی میں لگ گئیں۔

عرب ہو یا کہ عجم، مصر ہو یا کہ شام، ایران ہو یا کہ ترکستان، عراق ہو یا کہ خراسان، اسپین ہو یا کہ شمالی افریقہ، ہندوستان ہو یا کہ جزائر شرق الہند ہر جگہ اسی شراب معرفت کے متوالے نظر آنے لگے۔

وہ دل جن میں دولت کی حرص، شہوت کی ہوس، اقتدار کی خواہش اور مخالفین کے لئے بغض وحسد کے سوا کچھ نہ تھا، انہی دلوں میں عشق الٰہی کی روشنی، علم ومعرفت کی محبت، اخلاص ووفا کی چمک اور انسانیت کا درد ایسا سمایا، ایسا سمایا کہ دیکھنے والوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی انسان ہیں جو کل تک سر سے پاؤں تک مادہ پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے اور محسوسات سے ماورا کسی چیز کو ماننا ان کے لئے کسی عجوبہ سے کم نہ تھا۔

آپ صحابہؓ کے حالات پڑھیں، آپ تابعین رحمہم اللہ کی زندگیوں کا مطالعہ کریں، آپ تبع تابعین رحمہم اللہ کی سیرت اٹھا کر دیکھیں، آپ ان سے بعد کے لوگوں کی سوانح پر نظر ڈالیں، آپ کو ان میں ایسے خدامست، ولی کامل، داعی حق اور خادم خلق نظر آئیں گے جن پر فرشتے بھی رشک کریں۔

ان کی خلوتیں عبادت وتلاوت سے معطر ہوتی تھیں، ان کی جلوتوں میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر ہوتا تھا، ان کا دل غمگین رہتا تھا اور آنکھیں روتی تھیں، یہ سب کیسے ممکن ہوا؟

یقین فرمائیں یہ نتیجہ تھا ان کے حقیقی منزل سے باخبر ہونے کا جب تک ان کی منزل یا فانی دنیا اور اس کے عارضی منافع تھے، ان کے دل پتھروں کی طرح سخت اور ان کی آنکھیں خشک تھیں، وہ اپنی ذات کے علاوہ کسی کے لیے نہیں سوچتے تھے۔

لیکن جب وہ اپنی حقیقی منزل سے باخبر ہوئے تو سب کچھ بدل کر رہ گیا، ایک نیا انسان وجود میں آ گیا۔

تعلیم کتاب

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا پہلا مقصد تلاوت کتاب تھا اور آپ ﷺ کی بعثت کا

دوسرا مقصد تعلیم کتاب ہے، رسول اللہ ﷺ کی شاگردی اور واسطہ کے بغیر قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا۔ صرف عربی زبان جان لینے سے بھی قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا اگر ایسا ہوسکتا تو رسول کے بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی بس حضرت جبرئیل علیہ السّلام آتے، کسی مقدس مقام پر کتاب اللہ کو رکھ دیتے اور اعلان فرمادیتے کہ لوگو! اس کتاب کو پڑھ لو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر عمل شروع کر دو۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ انسانوں کی ہدایت کیلئے کتاب اللہ بھی آئی اور رسول اللہ بھی آئے۔

قرآن نے کہدیا تھا "واقیمو الصلوٰۃ" لیکن صرف قرآن پڑھنے سے نہ اقامت صلوٰۃ سمجھ میں آیا، نہ نمازوں کی تعداد معلوم ہوئی، نہ رکعتوں کی تعداد معلوم ہوئی، نہ یہ پتہ چلا کہ ہر رکعت میں رکوع کتنے ہوں گے سجدے کتنے ہوں گے، کونسا رکن پہلے ہوگا، کونسا رکن بعد میں ہوگا، نماز میں کیا تسبیحات پڑھی جائیں گی، نماز کی ادائیگی کے لیے کیا شرائط ہوں گی، جماعت کی نماز کیسے ہوگی، امام کہاں کھڑا ہوگا، امام کسے بنایا جائے گا، امام کے اندر کیا اوصاف ہونے چاہئیں، نماز سے پہلے اذان اور اقامت کا کیا طریقہ ہوگا۔ پھر یہ کہ عید کی نماز کیسے ہوگی، جمعہ کی نماز کیسے ہوگی، جنازہ کی نماز کیسے ہوگی، صلوٰۃ الخوف کیسے ہوگی، صلوٰۃ الکسوف کیسے ہوگی، صلوٰۃ استسقاء کیسے ادا ہوگی، صلوٰۃ الحاجۃ کیسے پڑھیں گے۔

آپ اللہ کے نبی کو ایک طرف رکھ دیں اور صرف قرآن کھول کر بیٹھ جائیں، سارے منکرین حدیث اور ان کے چیلے چانٹے جمع ہو جائیں، خوب دماغ لڑائیں اور پھر بتائیں کہ رسول اللہ کے واسطہ کے بغیر صرف کتاب اللہ سے یہ مسائل کیسے سمجھ میں آتے ہیں۔

قرآن نے ایک اور حکم دیا "واتوا الزکوٰۃ" (زکوٰۃ دو) یہ حکم ہر مسلمان کو ہے خواہ اس کے پاس تھوڑا مال ہو یا زیادہ مال ہو لیکن زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے، سونے کا نصاب کیا ہے، غلے کا نصاب کیا ہے، بھیڑ بکریوں کا نصاب کیا ہے، اونٹ اور گائے کا نصاب کیا ہے، کتنی زکوٰۃ ادا کرنی ہے، سال میں کتنی بار زکوٰۃ دینی ہے، یہ سب باتیں ہمیں اللہ کے نبی نے سمجھائیں۔

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "واتموا الحج والعمرة لله" (اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو) لیکن حج اور عمرہ میں فرق کیا ہے ان کے ارکان کیا ہیں اور وہ ارکان کس ترتیب سے ادا ہوں گے، کونسی چیزیں فرض ہیں، اور کونسی چیزیں سنت ہیں، طواف کب

ہو گا، سعی کب ہو گی، عرفات کب جائیں گے، مزدلفہ اور منیٰ کب جائیں گے، احرام میں کیا کیا چیزیں ممنوع ہیں اور اگر ان میں سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کر لیا تو کیا حکم ہے یہ مسائل ہمیں اللہ کے رسول کے واسطہ کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے۔

آج لوگ نعرے لگا رہے ہیں "حسبنا کتاب الله" ہمیں بس اللہ کی کتاب کافی ہے، نہ حدیث کی ضرورت ہے، نہ فقہ کی ضرورت ہے حضور تو معاذ اللہ ایک ڈاکیہ تھے۔ انہوں نے اللہ کی کتاب پہنچادی تو ان کی ذمہ داری ختم ہو گئی، اب اگر ہمیں عربی زبان آتی ہے تو ہم یہ خط خود پڑھ لیں گے، سمجھ بھی لیں گے اور عمل بھی کر لیں گے۔ جب ہر شخص اپنی اپنی عقل کے مطابق صلوٰۃ کا، زکوٰۃ کا، صوم کا، جہاد کا اور حج کا مفہوم متعین کرے گا تو قرآن بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔

ملنگ کہے گا نماز دل میں ہوتی ہے، مسجد میں نہیں ہوتی نقلی پیر کہے گا نماز حضوری کا نام ہے اور مجھے حضوری حاصل ہے، منکر حدیث کہے گا اقامت صلوٰۃ کا مطلب ہے نماز کا نظام قائم کرنا۔

مسٹر کہے گا نماز کسی بھی زبان میں پڑھی جاسکتی ہے چاہے انگریزی ہو یا عربی یا فرانسیسی۔

اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ یورپ کا پڑھا ہوا کوئی ڈاکٹر صاحب کہہ دے کہ نماز کا اصل مقصد ورزش کرنا ہے لہٰذا کوئی بھی ورزش اور اُٹھک بیٹھک کرلو، نماز ادا ہو جائے گی۔

ہاں تو دوستو! اگر کتاب اللہ کو ہر شخص کی عقل کے سہارے پر چھوڑ دیا گیا تو پھر تفسیر نہیں تحریف ہو گی، الفاظ تو یہی رہیں گے معنی بدل جائیں گے۔

کتاب اللہ اور رجال اللہ

لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جناب اسلام، ایمان اور دین کی حقیقت سمجھنے کے لیے کتاب اللہ بھی ضروری ہے، رجال اللہ بھی ضروری ہیں نہ اکیلی کتاب کافی ہے نہ اکیلے رجال کافی ہیں، آج کتنے لوگ ہیں جو انگریزی زبان جانتے ہیں لیکن کیا کوئی شخص انگریزی زبان جاننے کی وجہ سے سائنس کی کتاب سمجھ سکتا ہے؟ ریاضی کی کتاب سمجھ سکتا ہے؟ الجبرا کی کتاب سمجھ سکتا ہے؟

چلیے اس کو بھی چھوڑیں آپ ماشاء اللہ سب لوگ اردو زبان جانتے ہیں اور اردو

میں حکمت کی کتابیں بے شمار ہیں لیکن کیا صرف کتاب پڑھ کر آپ حکیم بن سکتے ہیں، اگر بالفرض بن بھی گئے تو پھر وہی ہوگا نیم حکیم خطرۂ جان۔

اسی قسم کے ایک نیم حکیم تھے وہ قبرستان سے گزرے تو انہوں نے اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا، کسی جاننے والے نہ پوچھا جناب آپ مردوں سے کیوں شرمارہے ہیں، حکیم صاحب فرمانے لگے بھائی ان میں سے بہت سارے وہ ہیں جو میری ہی دوا کھا کر یہاں پہنچے ہیں۔

کمال یہ ہے کہ جب تک کسی استاد کے سامنے مشق اور محنت نہ کی جائے محض کتابوں میں ترکیبیں پڑھ کر لوگ چاول اور سالن تو پکا نہیں سکتے، لیکن چاہتے یہ ہیں کہ بغیر استاد کے محض ترجمے اور تفسیریں پڑھ کر مفسّر بن جائیں۔

صحابہ کرامؓ کی مادری زبان عربی تھی، ذہن اور ذکی بھی تھے حافظہ بھی ان کا غضب کا تھا، ایسے بھی تھے جنہیں ہزاروں اشعار یاد تھے لیکن اس کے باوجود وہ قرآن سمجھنے کے لئے معلّم اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی اور سرپرستی کے محتاج تھے۔ وہ آپ ﷺ کے ارشادات سنتے تھے اور آپ ﷺ کی سیرت اور عملی زندگی کو دیکھتے تھے۔ یوں انہوں نے کتاب کو سمجھا۔

تعلیم حکمت

نبی کریم ﷺ کی بعثت کا تیسرا مقصد تعلیم حکمت تھا آپ دنیا کو حکمت کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے۔ حکمت کے کئی معنی علماء نے لکھے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حکمت کا معنی سنت ہے جیسے قرآن کے الفاظ سکھانا اور اس کے معانی کا سمجھنا حضور اکرم ﷺ کی ذمہ داری تھی اسی طرح اپنی سنت کا سمجھانا بھی حضور اکرم ﷺ کی ذمہ داری تھی اسی طرح اپنی سنت کا سمجھانا بھی آپ ﷺ ہی کی ذمہ داری تھی۔

میرے دوستو! قرآن کا اپنا مقام ہے، سنت کا اپنا مام ہے ظاہر ہے کہ قرآن کی ایک ایک سورت، ایک ایک رکوع اور ایک ایک آیت کے بارے میں ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ یہ قطعی ہے، یقینی ہے، صحیح ہے، قرآن کریم کی کسی آیت کے بارے میں یہ بحث ہو ہی نہیں سکتی کہ کوئی آیت معاذ اللہ ثم معاذ اللہ موضوع بھی ہوسکتی ہے یا ضعیف بھی ہوسکتی ہے لیکن

سنت اور حدیث کے بارے میں یہ بحث ہو سکتی ہے اور علماء نے بڑی تفصیل سے یہ بحث کی ہے کہ کونسی حدیث صحیح ہے کونسی ضعیف ہے، کونسی موضوع ہے، کونسی منکر ہے، کونسی شاذ ہے اور کونسی معلول ہے ضعیف اور موضوع حدیثوں کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے جہاں تک صحیح حدیثوں کا تعلق ہے وہ حجت ہیں، وہ دین کا ماخذ ہیں وہ قرآن کی تفسیر ہیں، ان کے بغیر قرآن سمجھ آ ہی نہیں سکتا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جب سے مغربی اقوام کو مسلمانوں پر سیاسی غلبہ حاصل ہوا ہے، مسلمان ذہنی مرعوبیت کا شکار ہو گئے ہیں، یہ لوگ عجیب سی صورتحال سے دوچار ہیں، ایک طرف وہ چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان رہیں اور دوسری طرف یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم اپنی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی میں مغرب والوں کے طریقے اپنائیں۔

وہ چاہتے ہیں کہ ہم سود بھی کھائیں اور مسلمان بھی رہیں وہ چاہتے ہیں کہ ناچ ڈانس بھی چلتا رہے اور اسلام بھی چلتا رہے وہ چاہتے ہیں کہ عورتیں بھی بے پردہ پھریں اور ایمان پر بھی کوئی حرف نہ آئے وہ چاہتے ہیں مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماعات بھی ہوں اور قرآن پر بھی عمل ہوتا رہے۔

اب بتائیے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ تو ایسے ہے جیسے پانی اور آگ کو اکٹھا کرنا۔ تو ان لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن کو حدیث سے کاٹ دیا اور کہا کہ جناب یہ حدیث تو عجمی سازش ہے اور قرآن کو سمجھنے کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔

پہلے تو مجبور تھے کہ سود کا وہی مفہوم تسلیم کریں جو حدیث میں ہے، پردے کا وہی مطلب تسلیم کریں جو حدیث میں ہے لیکن جب ان لوگوں نے قرآن کو حدیث سے بے نیاز کر دیا تو اب انہوں نے قرآن کی ہر آیت اور ہر حکم کا مطلب اپنی عقل سے متعین کرنا شروع کر دیا۔

حکمت کا دوسرا معنی

تو حکمت کا ایک معنی تو سنت ہے اور حکمت کا دوسرا معنی بصیرت اور دانائی ہے۔ اللہ کے نبی نے اپنے عمل سے، اپنے کردار سے اور اپنے فرمودات سے بصیرت اور دانائی سکھائی ہے۔ مکہ میں ظلم وتشدد اور جور و جفا کی فضا تھی، مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں مہاجروں کی آبادی کا مسئلہ درپیش تھا، منافقین آستین کے سانپ بنے تو ان سے نمٹنے کا معاملہ تھا، بدر و اُحد اور خندق وحنین کے تقاضے کچھ اور تھے حدیبیہ میں بالکل ہی خلاف توقع

صورتحال کا سامنا تھا۔

ایک ریاست اور مملکت کو نئی بنیادوں پر اٹھانے میں کچھ مشکلات تھیں بڑی طاقتوں اور ہمسائیوں سے تعلقات کے معاملات تھے۔

صحابہ کرامؓ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آج تک کے مسلمان کتابوں میں پڑھ رہے ہیں کہ اللہ کے نبی نے ان مشکل مواقع میں کیا رویہ اختیار کیا اور مسائل سے کیسے عہدہ برآ ہوئے۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت میں غور وفکر کرنے سے آج بھی ہمیں حکمت وبصیرت کی تعلیم ملتی ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلمان کو مظلومیت کے دور میں جنگ کے دور میں صلح اور امن کے دور میں، ہجرت اور نصرت کے دور میں، سیادت وقیادت کے دور میں مختلف حالات سے کیسے نمٹنا چاہیے۔

تزکیہ

سرور کائنات ﷺ کی بعثت کا چوتھا مقصد تزکیہ ہے۔ ویزکیھم ،اللہ کا نبی ان کا تزکیہ کرتا ہے۔

بعض حضرات نے ویزکیھم کا معنی کیا ہے کہ اللہ کا نبی ان کو مانجھتا ہے اور بعض حضرات نے معنی کیا ہے اُن کو سنوارتا ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ دونوں معنی صحیح ہیں، اللہ کے نبی نے صحابہؓ کو مانجھا بھی اور سنوارا بھی۔ ان کے دلوں میں کفر تھا، شرک تھا، حسد تھا، بخل تھا، دنیا کی محبت تھی، تکبر تھا اور غرور تھا، اللہ کے نبی نے ان کا تزکیہ کیا، ان کے دلوں کو مانجھا اور ایسا مانجھا کہ دل سے ہر غلاظت نکلتی چلی گئی۔ کفر وشرک نکلا، حسد وبخل نکلا، حب جاہ نکلی، حب مال نکلی اور جب دل ان گندگیوں سے پاک ہو گئے تو پھر ان دلوں کو ایمان سے سنوار دیا، ایثار اور احسان سے سنوار دیا، استغناء اور قناعت سے سنوار دیا تواضع اور انکساری سے سنوار دیا۔

اور ایسا مت سمجھئے گا کہ تزکیہ صرف صحابہ تک محدود رہا۔ میرے بزرگو اور دوستو! تزکیہ آج بھی ضروری ہے، ساری عبادات اور اخلاق کی بنیاد تزکیہ پر ہے، کوئی عبادت بغیر تزکیہ کے ہو ہی نہیں سکتی۔

اگر دل میں ریا ہے، نمود و نمائش کا جذبہ ہے تو نماز، روزہ، زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی، حج وہی شخص کرسکے گا جس کا تزکیہ ہو چکا ہو، اگر تزکیہ نہیں ہوا تو حج سیر سپاٹا بن جائے گا۔ جہاد صرف وہی کرسکے گا جو صاحب تزکیہ ہو، اگر دل کا تزکیہ نہیں تو جہاد نہیں ہوگا فساد ہوگا۔

چونکہ تزکیہ تو ہمیشہ کے لیے ہے اس لیے تزکیہ کے اصول اور تزکیہ کا طریقہ کار ساری امت کو بتادیا گیا ہے۔ اگر ہم اپنا تزکیہ چاہتے ہیں تو ہمیں صحابہ کرام والا طریقہ اختیار کرنا ہوگا، صحابہ حضور ﷺ کی صحبت میں بیٹھے، آپ کی توجہ حاصل کی، حضور ﷺ نے ان کی باطنی بیماریوں کے لیے جو علاج بتلائے ان پر صحابہؓ نے عمل کیا، یوں ان کا تزکیہ ہوا۔

آج حضور ﷺ تو موجود نہیں مگر آپ ﷺ کے نائبین موجود ہیں، آپ کی تعلیمات موجود ہیں، آپ کی تعلیمات کی روشنی میں ہم بھی حضور ﷺ کے سچے نائبین کی صحبت میں بیٹھیں ان کی توجہ حاصل کریں، ان کے سامنے اپنے باطنی امراض رکھیں اور پھر وہ ان کا جو بھی علاج بتائیں ان پر ہم سچے دل سے عمل کریں تو ان شاء اللہ ہمارا تزکیہ بھی ہو جائے گا۔

(ندائے منبر و محراب ج ۶ ص ۲۱۰ تا ۲۱۶)

حضرت عمر فاروقؓ

میں آج کی مجلس میں آپ کے سامنے ایک ایسی شخصیت کی سیرت تابناک کا تذکرہ کرنے لگا ہوں، جس کے ایمان لانے کے لئے نبی کریم ﷺ نے خصوصی طور پر دُعاء فرمائی تھی جس کے مسلمان ہو جانے سے اسلامی تاریخ میں انقلابی تبدیلی ہوئی اور وہ مسلمان جو پہلے اپنے اسلام کو ظاہر کرتے ہوئے شدید خطرات محسوس کرتے تھے اب اعلانیہ کعبے میں نماز پڑھنے لگے جس کی ہیبت اور دبدبے کا یہ عالم تھا کہ آج بھی اس کے نام سے ایک عالم لرزہ براندام ہے۔

جی ہاں! میں آج آپ کے سامنے خلیفہ ثانی امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

وہ عمرؓ کہ جس کی شان وعظمت کے لئے حبیب کبریا ﷺ کا یہ فرمان مبارک ہی کافی ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا۔

وہ عمرؓ کہ جس کا رعب انسانوں کے علاوہ شیاطین پر بھی تھا۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان اقدس ہے کہ جس گلی سے عمر گذرتا ہے شیطان وہ گلی چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے، وہ عمرؓ کہ جن کی شجاعت ودلیری کا یہ عالم تھا کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب ہجرت کا حکم آیا تو تمام صحابہؓ نے چھپ کے ہجرت کی لیکن جب حضرت عمرؓ ہجرت کرنے لگے تو کعبے میں جا کر طواف کیا اور پھر اعلان کیا کہ میں ہجرت کرنے لگا ہوں جس نے اپنے بچوں کو یتیم اور بیوی کو بیوہ کرنا ہو میرے پیچھے آجائے اور مجھے روک لے لیک کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ ان کا پیچھا کرتا، اور انہیں روکنے کی کوشش کرتا، وہ عمرؓ جن کی رائے کو بارہا تائید ایزدی اور مشیت الٰہی کی سند حاصل ہوئی، وہ عمرؓ کہ غزوہ بدر کے اسیروں کے معاملے میں جن کی رائے کے موافق وحی آئی "**ما کان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض**" وہ عمرؓ کہ جن کی رائے کے موافق ازواج مطہرات کے لئے پردے کی آیت آیت حجاب نازل ہوئی "**یا ایها النبی قل لا زواجک وبنتک و نساء المومنین یدنین علیهن من جلا بیهن**" وہ عمرؓ کہ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ نہ پڑھانے کا مشورہ دیا تھا لیکن حضور ﷺ نے اپنے خُلق عظیم کی بناء پر جب اس کا جنازہ پڑھا دیا تو رب کریم نے ہمیشہ کے لئے حکم نازل فرمادیا "**ولا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقوم علی قبره**" وہ عمرؓ کہ جن کی اصابت رائے ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے سامنے قرآن مجید مدون اور مرتب شدہ شکل میں موجود ہے' وہ عمرؓ کہ جن کے دور خلافت میں مملکت اسلامیہ کا رقبہ بائیس لاکھ مربع سے بھی زیادہ پر محیط ہو کر رومن امپائر سے کئی گنا بڑھ گیا تھا، وہ عمرؓ جن کا غلام حضرت مہجعؓ وہ پہلا شخص تھا جو غزوہ بدر میں شہید ہوا، وہ عمرؓ کہ جنہوں نے اسلام کے مقابلے میں قرابت داری کو کبھی ترجیح نہ دی، غزوہ بدر میں اپنے ماموں عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو اپنے ہاتھوں واصل جہنم کیا، وہ عمرؓ جس کی لاکھوں

مربع میل فتوحات میں ایک بھی عام شہری قتل نہیں ہوا، وہ عمرؓ جو راتوں کو اٹھ کر اپنی رعایا کی خبر گیری کے لئے بازاروں میں پھرا کرتے تھے، وہ عمرؓ جن کے بدن پر خلیفہ ہوتے ہوئے بارہ بارہ پیوند کا کرتہ اور سر پر پھٹا ہوا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں اسی حالت میں وہ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے تھے اور وفود کو باریاب کرتے تھے، وہ عمرؓ جن کے دبدبے سے بیت المقدس بغیر لڑائی کے فتح ہو گیا، وہ عمرؓ کہ جن کے رعب اور نفوذ فیصلہ کی قوت کا یہ حال تھا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت مثنیٰؓ جیسے عظیم اور مایہ ناز جرنیلوں کی معزولی پر کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوئی وہ عمرؓ جن کی فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ ان کے بہت سے مقولے ضرب المثل بن گئے وہ عمرؓ کہ جن کے خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ فرماتے تھے کہ کاش میں درخت ہوتا جو کاٹ لیا جاتا' کاش کہ میں پرندہ ہوتا جو ذبح کر لیا جاتا' تاکہ کوئی حساب کتاب نہ ہوتا' وہ عمرؓ کہ جن کے خط کو دریائے نیل میں ڈالے جانے سے آج تک وہ خشک نہ ہوا' وہ عمرؓ کہ جنہوں نے سب سے پہلے پورے ملک کی مردم شماری کرائی اور پورے پورے علاقوں کی پیمائش کرائی اور اس کے مطابق حکمت عملی ترتیب دی، وہ عمرؓ جنہوں نے سب سے پہلے امن وامان کے قیام کے لئے پولیس کا محکمہ قائم کیا، وہ عمرؓ کہ جنہوں نے احتساب کی ایسی مثال قائم کی کہ ایک عام شخص بھی برسرعام خلیفہ سے پوچھ سکتا تھا کہ یہ آپ نے جو دو چادروں سے کرتہ بنا رکھا ہے یہ کہاں سے آپ کے پاس آئیں۔

وہ عمرؓ جنہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسے عظیم صحابی کی ڈیوڑھی اس لئے گرادی کہ یہ گورنر ہیں کہیں ان تک عام لوگوں کو رسائی میں یہ ڈیوڑھی حائل نہ ہو جائے۔

وہ عمرؓ جنہوں نے نہر ابی موسیٰ' نہر سعد' اور نہر معقل جیسی نہریں کھدوا کر مملکت اسلامیہ کو زراعت کے معاملے میں خود کفیل کر دیا۔

وہ عمرؓ جنہوں نے جرائم کی سرکوبی کے لئے سب سے پہلے جزیرۃ العرب میں مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر اسے جیل خانہ قرار دیا، وہ عمرؓ جن کے حسن اسلوبی سے ایسی وسیع مملکت کے نظام کو چلانے کے بارے میں آج بھی یورپ کے قانون ساز ادارے ریسرچ کرتے نظر آتے ہیں۔

وہ عمرؓ جنہوں نے دنیا میں سب سے پہلے سلطنت کے تحت ایک منظم فوجی ادارہ

قائم کیا جس کے تمام جرنیل مرکز کے تابع اور تنخواہ دار ہوتے تھے۔

حضرات! میں ایک بات ذرا تفصیل سے کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ یوں تو دنیا میں بڑے بڑے فاتح اور کشور کشا گذرے ہیں آپ مجھے سکندر اعظم اور تیمور کی مثال دے سکتے ہیں، آپ نپولین بونا پارٹ کا نام لے سکتے ہیں، آپ چنگیز خان اور ہلاکو کا تذکرہ کر سکتے ہیں، آپ ایڈلف ہٹلر، مسولینی اور ڈیگال کی بات کر سکتے ہیں مگر میرا دعویٰ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں عمر بن خطابؓ جیسا فاتح اور کشور کشا نہیں گذرا، دوسرے فاتحین نے صرف شہروں کو فتح کیا، صرف دیہاتوں کو فتح کیا، صرف میدانوں اور محلوں کو فتح کیا مگر عمر بن خطابؓ نے صرف شہروں اور دیہاتوں کو، صرف جسموں اور سروں کو نہیں بلکہ دلوں اور روحوں کو بھی فتح کیا، افکار کے رخ بدل ڈالے سوچوں کے دھارے بدل دیئے، عقائد اور خیالات میں انقلاب پیدا کر دیا پھر دوسرے فاتحین میں سے کسی کا نام بھی لے لیجئے وہ سب کے سب ظالم اور سفاک تھے نپولین، تیمور، چنگیز خان، بخت نصر، نادر شاہ، ہٹلر، مسولینی اور ڈیگال، ان میں سے ہر ایک خونخوار درندہ تھا۔

سکندر کا یہ حال تھا کہ اس نے شہر صور کے ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی فصیل پر لٹکا دیئے اور تیس ہزار باشندوں کو غلام لونڈی بنا کر بیچ ڈالا اور وہاں کے قدیم باشندوں میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا لیکن حضرت عمرؓ کی فتوحات میں انصاف تھا رحمدلی تھی عفو و درگذر تھا احتیاط تھی انسانیت تھی، شرافت تھی آدمیوں کا قتل عام تو ایک طرف درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مذہبی رہنماؤں پر ہاتھ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔

پھر دوسرے فاتحین کے اندر یہ کمزوری تھی کہ وہ تیس تیس ہزار فوج لے کر نکلتے تھے تب ان کا رعب و دبدبہ قائم ہوتا تھا مگر میرے آقا ﷺ کے غلام حضرت عمر فاروقؓ کو دیکھئے جن کی معاشرت یہ تھی کہ قمیض میں دس دس پیوند تھے، کاندھے پر مشکیزہ رکھ کر غریب عورتوں کا پانی بھر لیتے تھے، زمین کے ننگے فرش پر لیٹ کر آرام کر لیتے تھے، بیت المال کے اونٹوں کے بدن پر تیل کی مالش بھی کر لیتے تھے دربار، نقیب و چاؤش اور حشم وخدم سے بالکل آشنا نہ تھے، جہاں جاتے اکیلے نکل جاتے تھے لیکن رعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ جس طرف

کا رخ کرتے تھے زمین ہل جاتی تھی، عرب وعجم میں تہلکہ مچ جاتا تھا، شام کے سفر میں ایک غلام کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر نکلے تھے لیکن مشرق ومغرب میں غلغلہ تھا کہ مرکز اسلام جنبش میں آگیا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے فاتحین کے درمیان ایک اور واضح فرق یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو مختلف صفات اور اعلیٰ اخلاق کا جامع ہو مثلاً سکندر سب سے بڑا فاتح تھا لیکن حکیم نہ تھا، ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستاں نہ تھا، تیمور بہادر اور جنگجو تھا مگر عالم نہ تھا، چنگیز خان دلیر اور جفاکش تھا لیکن اعلیٰ انسانی اخلاق سے عاری تھا آپ اگر حضرت عمرؓ کے حالات پر نظر ڈالیں تو صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی وہ مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی، وہ تیمور بھی تھے اور نوشیرواں بھی وہ امام ابو حنیفہؒ بھی تھے اور ابراہیم ادھمؒ بھی اور ان حضرات کا نام بھی میں نے اس لئے لیا کہ یہ اپنے اپنے شعبے میں مشہور ہیں وہ گرنہ کشور کشائی میں سکندر کا حکمت میں ارسطو کا، شجاعت میں تیمور کا، عدل وانصاف میں نوشیرواں کا، فقاہت میں امام ابو حنیفہؒ کا اور تصوف میں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا حضرت عمر فاروقؓ سے کوئی مقابلہ ممکن ہی نہیں۔

محترم حاضرین کرام! حضرت عمرؓ کی سیرت مبارکہ میں بحیثیت امت مسلمہ ہمارے لئے کئی اسباق ہیں' وہ باوجود ایک عظیم فاتح عالم ہونے کے ہمیں خدمت خلق میں بذات خود مصروف کار دکھائی دیتے ہیں اگر امت مسلمہ حضرت عمرؓ کی روشن سیرت کو اپناتے ہوئے خدمت خلق، عبادت الٰہی اور آخرت کی فکر کو ہر چیز پر مقدم کردے تو کوئی ایسی بات نہیں کہ امت مسلمہ کی عظمت رفتہ واپس نہ آجائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقوش پا پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(پچاس تقریریں ج ۱)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

حضرت ذوالنورینؓ

آج میں ایک ایسی شخصیت کے تذکرہ کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جنہیں ذوالنورین بھی کہا جاتا ہے، جنہیں شہید مظلوم کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے جنہیں کامل الحیاء والایمان بھی کہا گیا ہے جنہیں جامع القرآن ہونے کا بھی شرف حاصل ہے میری مراد خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفانؓ سے ہے۔

وہ عثمان جو دور جاہلیت میں بھی عفیف اور پارسا تھے، دیانتدار اور راست باز تھے، رحم دل اور باحیا تھے، فیاض اور کنبہ پرور تھے۔ آپ خود سوچئے کہ دنیا میں ہر بیٹی کا باپ اپنی دامادی کے لئے بہتر سے بہتر داماد تلاش کرتا ہے تو جس انسان کو رسول ﷺ نے اپنی دو بیٹیوں کے لئے منتخب کیا ہوگا وہ بہترین انسان نہیں ہوگا؟ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ ہمارے انتخاب میں غلطی کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن حبیب کبریا ﷺ کا انتخاب نرالا ہوتا ہے اور جب ہم سیرت و کردار کے ترازو میں سیدنا عثمان بن عفانؓ کو تولتے ہیں تو ہمیں رقیہؓ اور ام کلثومؓ کے پیارے ابا کے انتخاب پر رشک آجاتا ہے وہ کونسا خلق اور کونسی صفت ہے جو حضرت عثمانؓ میں نہیں تھی۔

خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ اکثر خوف خداوندی سے آبدیدہ رہتے، موت، قبر اور آخرت کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہتا، سامنے سے جنازہ گذرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے، مقبروں سے گذرتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی، لوگ کہتے کہ دوزخ اور جنت کے تذکروں سے تو آپؓ پر اس قدر رقت طاری نہیں ہوتی، آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہوتی ہے کہ انہیں دیکھ کر آپؓ بے قرار ہو جاتے ہیں؟ فرماتے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے، اگر یہ معاملہ

آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں، اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو تمام مراحل دشوار ہوں گے، حب رسول ﷺ کی حالت یہ تھی کہ تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہے اور آپ ﷺ پر فدویت اور جانثاری کا حق ادا کیا، آپؓ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ اتنی محبت اور شیفتگی تھی کہ اپنے محبوب آقا کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی دیکھ کر بے قرار رہتے تھے، اور جب موقعہ ملتا آپ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے، ایک دفعہ چار دن تک آل رسول ﷺ نے فقر و فاقہ سے بسر کیے، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اسی وقت سامان خورد و نوش اور تین سو درہم لا کر بطونذرانہ پیش کیے۔

احترام رسول ﷺ اس قدر تھا کہ جس ہاتھ سے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی پھر اس کو نجاست یا محل نجاست سے مس نہ ہونے دیا، اتباع سنت کی کیفیت یہ تھی کہ اپنے ہر قول و فعل یہاں تک کہ حرکات و سکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی محبوب آقا ﷺ کی اتباع کو پیش نظر رکھتے ایک مرتبہ وضو کرنے کے بعد مسکرائے لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کو اسی طرح وضوء کر کے ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

حیاء کی انتہاء یہ تھی کہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں حضرت ذوالنورین کی حیا کا یہ عالم تھا کہ تنہائی اور بند کمرے میں بھی وہ برہنہ نہ ہوتے تھے، زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ باوجود غیر معمولی دولت و ثروت کے کبھی امیرانہ زندگی اختیار نہیں فرمائی اور نہ کبھی زیب و زینت کی چیزیں استعمال کیں۔ تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ گھر میں بیسیوں لونڈی اور غلام موجود تھے لیکن اپنا کام آپ ہی کر لیتے تھے، رات کو تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہوتے تو خود ہی وضوء کا سامان کرتے، ایثار آپؓ کا اس قدر تھا کہ اپنے زمانہ خلافت میں ذاتی مصارف کے لئے بیت المال سے ایک پیسہ نہیں لیا، فیاضی اور سخاوت تو آپؓ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی آپؓ تمام عرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے اور اپنے مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر نہ تھا، غزوہ تبوک میں ہزاروں دینار مجاہدین پر صرف کئے، مدینہ کا میٹھے پانی کا کنواں یہودیوں سے منہ مانگی قیمت پر خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا، اور ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے۔

صبر و تحمل آپؓ کا بے مثال تھا شہادت کے موقع پر چالیس دن تک جس بردباری، ضبط و تحمل کا اظہار آپ کی ذات سے ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہے سینکڑوں وفا شعار غلام اور ہزاروں معاون و انصار سرفروشی کے لئے تیار تھے مگر اس ایوب وقت نے خونریزی کی اجازت نہ دی اور اپنے اخلاق کریمانہ کا آخری منظر دکھا کر ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

عبادت کی کیفیت یہ تھی کہ دن کے وقت مہمات خلافت میں مصروف رہتے اور رات کا اکثر حصہ عبادت و ریاضت میں بسر کرتے، کبھی کبھی رات بھر جاگتے اور ایک ہیر کعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعاء ہے کہ وہ ہمیں حضرت ذوالنورین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (پچاس تقریریں ج ۱)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

الحمدلله وحده ...... اما بعد

میرے ہم سفر ساتھیو! اسلام پر ایک دور ایسا بھی گذرا ہے جو حقیقت میں اسلام کی غربت کا دور تھا، مظلومیت کا دور تھا کسمپرسی کا دور تھا۔ پیغمبر اسلام کا ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا، ہر طرف سے مخالفت ہوتی تھی، ہر جانب سے گالیاں سنائی دیتی تھیں، عرب کا ذرہ ذرہ دشمنی پر تلا ہوا تھا تمام سرداروں نے گٹھ جوڑ کر لیا تھا، ایمان کی روشنی پھیلنے کا ہر دروازہ بند کر دیا گیا تھا لیکن اس کٹھن اور مشکل دور میں بھی چند خوش نصیب ایسے تھے جنہوں نے سرداروں کو ٹھکراتے ہوئے طوفانوں سے ٹکراتے ہوئے اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے ایمان کے نور سے اپنے سینوں کو روشن کر لیا ان خوش نصیبوں میں سے ام المومنین حضرت خدیجہؓ عورتوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ مردوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ، غلاموں میں، اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے حضرت علیؓ کی عمر اس وقت صرف دس

سال تھی، دس سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے کھیل کود کا زمانہ ہوتا ہے لا ابالی پن کا وقت ہوتا ہے، کھانے پینے اور سونے کا دور ہوتا ہے مگر زندگی کے اس دور میں حضرت علیؓ نے انقلاب کا راستہ اختیار کیا زمانے کی مخالفت کو مول لیا، سرداروں کو ناراض کیا، اپنوں کو بے گناہ بنالیا، لوگ کہتے تھے اس بچے کو دیکھو محمد ﷺ نے اس کو اپنا دیوانہ بنالیا ہے۔

نبوت کے چوتھے سال جب حضور ﷺ کو حکم ہوا "وانذر عشر تک الاقرین" تو آپ ﷺ نے پہلے تو کوہ صفا پر چڑھ کر دعوت دی جب اس کا اثر نہ ہوا تو حضرت علیؓ کو دعوت کا انتظام کرنے کا حکم دیا دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد 40 تھی، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ ابولہب اور ابو طالب بھی شرکاء میں تھے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو حضور ﷺ نے اٹھ کر فرمایا یا نبی عبدالمطلب! خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں بولو تم میں سے کون شخص اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون ومددگار ہوگا؟ اس کے جواب میں سب چپ رہے صرف شیر خدا علیؓ مرتضیٰ کی آواز بلند ہوئی کہ گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوب چشم کا عارضہ بھی لاحق ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں تاہم میں آپ کا یاور اور دست و بازو بنوں گا! آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اچھا تم بیٹھ جاؤ اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا، لیکن کسی نے جواب نہیں دیا، حضرت علیؓ پھر اٹھے، آنحضرت ﷺ نے پھر انہیں بٹھا دیا، یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بار گراں کا اٹھانا، کسی نے قبول نہیں کیا تو اس مرتبہ حضرت علیؓ نے جاں بازی کے اس لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا بیٹھ جاؤ تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔

حضرت علیؓ کی جانثاری کا ایک اور واقعہ سنئے جب حضور ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا تو وہ ایک، سیاہ رات تھی، مشرکین ننگی تلواریں لئے ہوئے آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ سرور کائنات ﷺ نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو حضرت علی مرتضیٰؓ کو اپنے فرش اطہر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

حضرت علیؓ کو بہت سے علوم میں مہارت حاصل تھی، انہیں قرآن پاک سے اجتہاد اور استنباط کرنے میں ید طولیٰ حاصل تھا ناسخ اور منسوخ کے علم میں کمال رکھتے تھے۔

تفسیر و تاویل میں آپ کا کوئی جواب نہ تھا، حضور ﷺ کی ادائیں، دُعائیں اور انداز ان کو یاد تھے فقہ میں وہ کامل دستگاہ رکھتے تھے مسائل میں ان کی نگاہ بہت وسیع تھی حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''اقضانا علی واقرأنا ابی'' ہم میں سب سے بڑے مقدمات کے فیصلے کے لئے علی ہیں اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں۔ اور شریعت کے اسرار پر بھی عبور رکھتے تھے تقریر و خطابت میں ان کو خداداد ملکہ حاصل تھا ان کی تقریریں مدلل اور مؤثر ہوتی تھیں علم نحو کی بنیاد حضرت علیؓ نے رکھی امانت و دیانت کا یہ حال تھا کہ جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو قریش کی امانتوں کی واپسی کی خدمت حضرت علیؓ کے ہی سپرد فرمائی، ایک مرتبہ بیت المال کے لئے کچھ نارنگیاں آئیں ایک نارنگی حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ نے اٹھالی۔ جب آپؓ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم فرمادی، زہد و تقویٰ کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شادی ہوئی تو علیحدہ مکان میں رہنے لگے اس نئی زندگی کے ساز و سامان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سیدہ جنت جو ساز و سامان اپنے ساتھ میکے سے لائی تھیں ان میں روکھا پھیکا کھانا ان کے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی۔

عبات کا یہ عالم تھا کہ حضرت زبیر بن سعید قریشیؒ کہتے ہیں میں نے کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ عبادت گذار ہو، سخاوت میں آپؓ دریا تھے کبھی کوئی سائل آپؓ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا، تواضع اور سادگی آپؓ کی دستار فضیلت کا خوشنما طرہ تھی، شجاعت اور بسالت حضرت علیؓ کا مخصوص وصف تھا بڑے بڑے پہلوانوں کا کام ایک ہی وار میں تمام کر دیا کرتے تھے، حسن سلوک آپؓ کا بے مثل تھا ایک دفعہ لڑائی میں جب ان کا حریف گر کر برہنہ ہو گیا تو اس کو چھوڑ کر الگ ہو گئے کہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانا پڑے، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں حضرت علیؓ کے ان مبارک نقوش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

(پچاس تقریریں ج۱)

پیشہ ور قرآن فروش

مسلمان بھائیو! میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن حکیم دنیا کی عظیم ترین کتاب بھی ہے اور مظلوم ترین کتاب بھی ہے۔ دنیا کی کسی شخصیت پر، کسی قوم پر اور کسی کتاب پر اتنا ظلم نہیں ہوا ہوگا جتنا ظالم خود مسلمانوں نے قرآن حکیم پر کیا ہے۔ ہم قرآن کے نام پر تقریبات تو منعقد کرتے ہیں، ہم اپنے جلسوں کی رونق کیلئے تو اسے پڑھتے ہیں، ہم جھوٹی سچی قسمیں کھانے کے لئے تو اسے سر پر رکھتے ہیں، ہم بیماروں کی شفاء کے لئے اس سے تعویذ تو بناتے ہیں۔ ہم اسے خوبصورت غلافوں میں بند کر کے طاقوں پر تو سجاتے ہیں، ہم اپنے مردوں کے ایصال ثواب کے لیے تو اسے پڑھتے پڑھواتے ہیں لیکن اس پر عمل کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

افسوس تو یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو مردوں کی کتاب بنالیا، حالانکہ یہ تو زندہ اور جیتے جاگتے مردوں کی کتاب تھی، ہم اپنی زندگی میں تو اس کو اپنے گھر میں داخل ہونے نہیں دیتے، ہاں مرنے کے بعد یہ ہمارے گھر میں داخل ہو سکتا ہے معاوضہ دے کر چند قرآن خوانوں کو لے آتے ہیں اور قرآن خوانی کروا کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے مرنے والے کی بخشش کا سامان کر دیا، خواہ مرنے والا زندگی بھر قرآن مجید کے قریب بھی نہ گیا ہو، خواہ اس نے اپنی زندگی میں قرآن کے کسی حکم پر عمل نہ کیا۔

خواہ اس نے ساری زندگی جہنم کا ایندھن ہی جمع کیا ہو، وہ شراب نوش ہو، وہ سود خور ہو، وہ غریبوں کے حقوق سلب کرنے والا ہو، وہ ظالم ہو، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا عقیدہ ہی صحیح نہ ہو، وہ یورپ کا مقلد ہو، وہ ملحد ہو، وہ مشرک ہو، خواہ وہ کچھ بھی ہو لیکن مسلمان خاندان سے اس کا تعلق ہو تو ہم قرآن خوانی کروا کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس کو جنت کا حقدار

بنادیا۔حالانکہ جولوگ معاوضہ طے کر کے قرآن خوانی کرتے ہیں خودان کوتو ثواب نہیں ملتا دوسرے کیلئے کیسے ایصال ثواب کریں گے مگر ہمارے ہاں تو جناب یہ قرآن خوانی کا کاروبار زوروں پر ہے بڑی منظم قرآن خوان پارٹیاں ہیں جولوگوں کے مرنے کا انتظار کرتی ہیں۔ کسی کے مرنے سے ان کے ہاں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ یہ بغلیں بجاتے ہیں کہ اب چالیسویں تک ہم گھر میں کھانا پکانا سے بے نیاز ہو گئے،اور ایک کا چالیسواں ہونے سے کسی دوسرے کے گھر میں عزرائیل کی آمد ہو جاتی ہے یوں ان کا کاروبار چلتا رہتا ہے اور یہ کاروبار ایسا ہے کہ ایک پیسہ خرچ کئے بغیر شروع ہوسکتا ہے۔اسی لئے اس میں بعض اوقات مسابقت اور مقابلے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

سچی محبت بمقابلہ جھوٹی محبت

محرم کی حقیقت بھی پروپیگنڈا کے گردوغبار میں چھپ کر رہ گئی ہے اور بڑے بڑے لوگ اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو گئے لکھنو کے مرثیہ نگاروں اور ایران کے تیار کردہ ذاکروں نے مجلسوں، رسالوں، اخباروں، ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ بہت سی کمزور باتیں ہمارے ذہنوں میں اس طرح بٹھادی ہیں کہ اب اگر کوئی اللہ کا بندہ کتنے ہی خلوص کے ساتھ سہی ہماری معلومات اور ذہنی مفروضات کے خلاف بات کرتا ہے تو ہم ہکا بکا رہ جاتے ہیں اور اس اللہ کے بندے کو فرقہ واریت کے طعنے دینے لگتے ہیں اور بعض اوقات تو ہم اسے رسول اکرم ﷺ اور اہل بیت کے دشمن ہونے کا طعنہ دینے سے بھی نہیں چوکتے۔ہم چاہتے یہ ہیں کہ ہر خطیب ہماری گھسی پٹی معلومات کے مطابق بات کرے، چاہے اس کو جھوٹ بولنا پڑے، گپ بازی کرنی پڑے، ثقاہت و دیانت کا خون کرنا پڑے، منبر رسول کے تقدس کو پامال کرنا پڑے، ہم نے کبھی یہ سوچنا بھی گوارا نہیں کیا کہ ان مفروضات اور ''ذاکرانہ حکایات اور اصطلاحات'' کو استعمال کرنے سے ہمارا اہل سنت ہونا ہی مشکوک ہو جاتا ہے اور ہم شیعیت کے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔

لیکن گرامی قدر حاضرین! میں آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بولوں گا، میں آپ کو خواہ مخواہ رلانے کی کوشش نہیں کروں گا، میں بات کا بتنگڑ اور رائی کا پربت نہیں بناؤں گا، میں اپنی تقریر کا غازہ گپ بازی سے تیار نہیں کروں گا، میرے دین نے مجھے یہ تعلیم نہیں دی

کہ میں قرآن وسنت اور تاریخ کو عوامی خواہشات اور جذبات کے مطابق بیان کروں بلکہ اس کی تعلیم تو یہ ہے کہ زمانے کا رخ حقائق کے مطابق پھیر دوں ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی، بلکہ ہمیں تو حکم یہ ہے کہ چلاؤ تم ادھر کو حق ہو جدھر کو۔

محبت کا فرق اور جب ہم حقائق کو برسر منبر بیان کرتے ہیں تو ہمیں آل رسول کا دشمن ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے حالانکہ ہم تو آل رسول کے دلدادہ اور نام لیوا ہیں، ہمیں اہل بیت سے محبت ہے۔ ہمیں حضرات حسنینؓ سے محبت ہے، ہمیں کربلا کے مظلوموں سے محبت ہے۔

لیکن ہماری اور تمہاری محبت میں آسمان' زمین کا فرق ہے۔

تمہاری محبت تمہیں جھوٹ بولنے پر آمادہ کرتی ہے ہماری محبت ہمیں سچ بولنے پر مجبور کرتی ہے۔

تمہاری محبت تمہیں خنجر زنی اور سینہ کوبی کا سبق دیتی ہے ہماری محبت ہمیں صبر وشکر اور دُعائے مغفرت کا درس دیتی ہے۔

تمہاری محبت تمہیں مجلس آرائی اور دکانداری کا راستہ دکھاتی ہے۔ ہماری محبت ہمیں کفر سے معرکہ آرائی اور جان نثاری کی راہ دکھاتی ہے تمہاری محبت تعزیہ داری اور گھوڑوں کی پرستش کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے ہماری محبت، دینداری اور رب کی عبادت کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

تمہاری محبت تمہیں دوسرے صحابہؓ کا بغض سکھاتی ہے ہماری محبت' جانثاران نبوت کے قلبی تعلق کو بڑھاتی ہے۔

تمہاری محبت چوراہوں بازاروں میں خونین منظر دکھاتی ہے ہماری محبت کشمیر اور افغانستان کے لالہ زاروں میں شہادت کے پھول کھلاتی ہے۔

ہم نے تہیہ کرلیا ہے کہ ہم جھوٹ کا پردہ چاک کر کے رہیں گے اور پروپیگنڈا کی دیوار کو ڈھا کر دم لیں گے۔ (ندائے منبر ومحراب ج ۱۴۷)

سانحۂ کربلا پر تبصرہ

یزید کی ولی عہدی سبائی ٹولہ اور کوفہ کے ہرجائی جس کمزور پہلو اور موقعہ کی تلاش میں تھے وہ ان کو اس وقت ہاتھ آگیا جب حضرت معاویہؓ نے مختلف صحابہؓ اور اصحاب رائے

سے مشورہ کے بعد یزید کو اپنا جانشین بنانے کا فیصلہ کرلیا میں اس موقع پر یزید کی طرفداری ہرگز نہیں کرنا چاہتا لیکن چند پہلوؤں کی نشاندہی ضرور کردینا چاہتا ہوں نمبر 1 یہ کہ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں ہے۔

قال النبی ﷺ اول جیش من امتی یغزون سلینہ قیصر مغفورلهم

نبی ﷺ نے فرمایا میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گی ان کے لئے مغفرت ہے۔ (۲۷)

مغفرت کی اسی بشارت کے پیش نظر قسطنطنیہ کے جہاد کے لئے تیار ہونے والے لشکر میں بڑے بڑے صحابہ کرام نے شرکت کی تھی یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسین بن علیؓ۔

اور شاید آپ کو یہ سن کر تعجب ہو کہ اس لشکر کی قیادت یزید کے ہاتھ میں تھی۔

نمبر۲: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو اصحاب شجرہ میں سے ہیں اور جو حضرت علیؓ کے کٹر حامیوں میں سے تھے اور جو مسلمانوں کی خانہ جنگی کو بہت قریب سے دیکھ چکے تھے انہوں نے حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ یزید کو ولی عہد مقرر کردیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کا مشورہ انتہائی اخلاص اور دیانت پر مبنی ہوگا انہوں نے سوچا ہوگا کہ امت جو کہ پہلے ہی باہمی تصادم کے نتیجے میں اپنی بہت ساری توانائی ضائع کرچکی ہے کہیں دوبارہ برسرپیکار نہ ہوجائے ابن خلدون کے بقول حضرت معاویہؓ نے ان کی رائے کو قبول کرکے یزید کو ولی عہد کے لئے ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس کے زیادہ مستحق سمجھے جاسکتے تھے، افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا تاکہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق رہے جس کی شارع کے نزدیک بے حد اہمیت ہے۔

پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ اس وقت تک دوسو صحابہ سے زائد زندہ تھے لیکن چند ایک کے سوا کسی نے بھی یزید کی ولی عہدی کی مخالفت نہیں کی، کیا آپ ایک لمحے کے لئے سوچ بھی سکتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے یہ مشورہ کسی لالچ کی بناء پر دیا تھا یا اتنے سارے صحابہ کی زبان پر حضرت معاویہؓ کے خزانے یا شمشیر نے تالے لگادیئے تھے؟ حاشا وکلا ہمیں تو اس سوچ سے بھی نفرت ہے کہ عرب وعجم سے ٹکرانے والے قیصر وکسریٰ کے

جاہ وجلال کو پیوند خاک کرنے والے، رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ وہ مثالی انسان کسی حرص یا خوف کی بناء پر کتمان حق کر لیتے تھے۔

نمبر۳: حضرت حسینؓ کی انتہائی مخلصانہ رائے یہ تھی کہ باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی یہ اسلام کے شورائی نظام کے خلاف ہے یہی رائے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ کی تھی اور حضرت ابن عمر نے کہا تھا کہ کیا تم اور خلفاء راشدین کی سنت کے بجائے قیصر و کسریٰ کی سنت رائج کرنا چاہتے ہو کہ باپ کے بعد بیٹا جانشین ہو"

ہم اہل سنت والجماعت کے لئے مشکل یہ ہے کہ ہم صحابہ میں سے کسی کو بھی تنقید کا ہدف بنانا جائز نہیں سمجھتے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ "الصحابۃ کلھم عدول" اس مسئلہ میں اگر ہم حضرت معاویہؓ، حضرت مغیرہ بھی شعبہؓ اور خاموش رہنے والے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو بھی ہمارے لئے ایمان کی حفاظت مشکل ہوگی اور اگر حضرت حسینؓ اور ان کے ہم خیال صحابہ پر تنقید کرتے ہیں تو بھی مشکل ہے لہٰذا ہمارے لئے انتہائی محفوظ راستہ یہ ہے کہ ہم اس مسئلہ میں سکوت اختیار کریں اور اگر ہمیں کچھ کہنا ہی ہے تو ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ہم خیال صحابہ سے اجتہادی غلطی ہوگئی تھی اور اجتہادی غلطی تو ایسی چیز ہے جو نبی سے بھی سرزد ہو سکتی ہے۔

چھاج اور چھلنی یاد رکھیں! اگر اس مسئلے کی آڑ میں آپ حضرت معاویہؓ ہی کے کردار کو مجروح کر دیتے ہیں تو پھر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے کیونکہ انہوں نے ہی تو حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اس طرح ان کے اقتدار کو استحکام بخشا تھا پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ باپ کے بعد بیٹے والی رسم پر اگر اہل سنت لب کشائی کریں تو ان کو اس کا حق بھی پہنچتا ہے اس لئے کہ وہ عام حالات میں اس کو ہرگز مناسب نہیں سمجھتے لیکن اہل تشیع کو تو اس مسئلے پر لب کشائی کا ہرگز حق نہیں اس لئے کہ ان کے تو مذہب کی بنیاد ہی اسی پر ہے حضرت علیؓ کو وہ خلافت کا اولین حقدار اس لئے سمجھتے ہیں کہ وہ اہل بیت میں سے تھے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بھی اسی بنیاد پر وہ خلافت کا حقدار گردانتے ہیں اس لئے تو ہم انہیں بڑے ادب سے کہتے ہیں کہ "چھاج تو بولے چھلنی کیوں بولے"۔

بے وفا کوفی

اس میں شک نہیں کہ سیدنا علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کے لخت جگر اور نواسۂ رسول حضرت حسینؓ کو یزید بن معاویہؒ کے مقابلہ میں صرف نسبی فضیلت نہیں بلکہ دینی فضیلت بھی حاصل تھی کیونکہ نسبی فضیلت کی ہمارے دین میں کچھ زیادہ اہمیت نہیں ہے مگر سبائی گروہ نے عجمیوں اور بالخصوص کوفیوں کے ذہنوں میں ان کی صرف نسبی عظمت بٹھا رکھی تھی اور ان کے پیش نظر جو مقصد تھا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو انتشار میں مبتلا کیا جائے اور اسلام کو نقصان پہنچایا جائے اگر بالفرض حضرت حسینؓ بھی خلافت پر فائز ہوتے تو یہ بدبخت ان سے بھی وفا نہ کرتے ان کے مزاج اور سرشت میں بے وفائی رچی بسی تھی، ان سبائی کوفیوں نے حضرت علیؓ سے بھی بے وفائی کی تھی اس لئے وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں ان سے اظہار نفرت کرتے ہوئے فرماتے تھے کاش میں تمہارا منہ نہ دیکھتا تم نے میرے قلب کو رنج وغم سے بھر دیا اے کاش میں اب سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ ان سے عاجز تھے۔

حضرت حسنؓ پر انہوں نے مدائن کے مقام پر حملہ کر دیا ان کے کپڑے پھاڑ ڈالے انہیں زخمی کر دیا یہاں تک کہ حضرت حسن کو جان بچانے کے لئے کسری کے محل میں پناہ لینی پڑی ان بدبختوں نے انہیں یامذل المومنین اور یاعار المومنین کے طعنے دیئے۔

تو بے وفائی اور بے مروتی ان کی فطرت میں شامل تھی اور ساتھ ساتھ کمینہ پن اور بزدلی بھی ان کے مزاج میں داخل تھی۔

ہم نے زمانہ طالب علمی میں کوفیوں کے بارے میں پڑھا تھا کہ ان پر جو بھی گورنر بنا کر بھیجا جاتا جب وہ اپنے تقرر کی اطلاع اور خطبہ دینے کے لئے جامع مسجد کوفہ کے منبر پر کھڑا ہوتا یہ اس پر کنکریاں برساتے اور اس کا مذاق اڑاتے اگر وہ جہاد میں جانے کے لئے کہتا تو صاف انکار کر دیتے یہاں تک کہ حجاج بن یوسف کو گورنر بنا کر بھیجا گیا اسے خطابت پر کمال عبور حاصل تھا زبان میں فصاحت اور طلاقت تھی جب وہ خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوا تو کوفی حسب عادت مٹھیوں میں کنکریاں دبا کر بیٹھ گئے اس نے انتہائی خوفناک خطبہ دیا جس میں اس قسم کے الفاظ تھے میں سروں کی کھیتی کو پکتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اب اس کے کٹنے کا وقت

آ گیا ہے میں سینے اور ٹھوڑی کے درمیان بہتے ہوئے خون کو دیکھ رہا ہوں وغیرہ۔

کوفیوں نے کنکریاں تو اسی وقت خاموشی کے ساتھ مسجد کے فرش پر رکھ دیں اور خطبہ ختم ہونے کے فوراً بعد گھروں میں جانے کے بجائے میدان جہاد کی طرف چل پڑے، جانے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ شہر سے نکلنے کے لئے نہر پر جو پل بنایا گیا تھا اس پر کثرت اژدہام کی وجہ سے کئی لوگ نہر میں جا گرے۔ (ندائے منبر و محراب ج ۲ ص ۱۶۲ تا ۱۶۵)

یزید کی آڑ میں حضرت معاویہؓ یا خلفاء ثلاثہؓ پر سب و شتم کرنا تو بہر حال اتنا بڑا ظلم ہے جسے کسی صورت برداشت نہیں کیا جا سکتا، آخر اس قتل کا الزام ہم ان لوگوں پر کیسے دھر سکتے ہیں جن میں سے کوئی تو اس سانحہ کے وقوع پذیر ہونے سے ایک سال پہلے (امیر معاویہؓ) کوئی ۳۶ سال پہلے (حضرت عثمانؓ) کوئی ۳۸ سال پہلے (عمر فاروقؓ) اور کوئی ۴۸ سال پہلے (حضرت صدیق اکبرؓ) فوت ہو چکے ہیں۔

پھر سب و شتم بھی کیسا، ذرا ان بدبختوں کا انداز تو ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ مجلسی کی کتاب حق الیقین میں ہے کہ ابو بکر و عمرؓ، فرعون و ہامان ہیں۔

امام جعفر صادق کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابو بکر و عمرؓ عثمان و معاویہ جہنم کے صندوق میں ہوں گے (ص ۵۲۲) مزید لکھا ہے کہ امام مہدی دوبارہ آنے کے بعد ابو بکر و عمر کو سولی پر لٹکائیں گے (۴۶۔۴۵۔۳۴۷) وغیرہ وغیرہ۔

بعض لوگ سنی ہونے کے دعویدار ہیں لیکن پھر بھی اور کچھ نہیں تو حضرت معاویہ پر تنقید کرتے ہیں حالانکہ صحابہؓ کا معاملہ بڑا نازک ہے ان کے بارے میں بات کرتے ہوئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کا مقام بھی بڑے بڑے اولیاء محدثین اور اقطاب سے افضل اور اعلیٰ ہے۔

حضرت حسن بصری سے کسی نے سوال کیا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا امیر معاویہؓ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ "عمر بن عبدالعزیز" سے تو وہ گرد و غبار بھی افضل ہے جو نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کے نتھنوں میں گئی ہے" حالانکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز وہ شخصیت ہیں جن کے دور حکومت کو بعض علماء نے خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے۔

کیا یہ کفر و ایمان کی جنگ تھی؟ اکثر خطباء شعراء اور ذاکرین اس جنگ کو کفر و ایمان کی جنگ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس جنگ سے مردہ دین زندہ ہو گیا تھا حالانکہ یہ قطعاً مبالغہ آرائی ہے ایسے لوگوں سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر یہ کفر و ایمان کی جنگ تھی تو جب حضرت حسینؓ نے تین صورتیں پیش کی تھیں تو کیا وہ کفر و ایمان کی جنگ سے پہلوتہی کر رہے تھے؟ اگر حضرت حسینؓ اور ان کے اہل و عیال زندہ سلامت واپس آ جاتے تو کیا دین دنیا سے مٹ جاتا؟

حضرت حسینؓ کے پندرہ بھائیوں میں سے صرف چار نے ان کا ساتھ دیا تو بقیہ گیارہ کے بارے میں تمہارا کیا فتویٰ ہے؟

اس وقت تک دو سو صحابہ سے زائد زندہ تھے انہوں نے بدر و احد کا سبق کیوں فراموش کر دیا؟

اس جنگ کے بارے میں ہماری سوچی سمجھی رائے یہی ہے کہ یہ اسی سبائی ٹولے کی زیر زمین سازشوں کا شاخسانہ تھی جس نے حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت سے لے کر کربلا تک ہر جگہ ایسی صورت پیدا کر دی کہ مسلمان باہم دست و گریباں ہو گئے اور مصالحت کی کوئی بھی صورت کارگر ثابت نہ ہو سکی۔

تیسرا پروپیگنڈا میں پچھلے تین جمعوں سے محرم کے حوالے سے بات کر رہا ہوں اور بحمداللہ میں نے پچھلی تین نشستوں میں دو پروپیگنڈوں کا پول کسی قدر تفصیل کے ساتھ کھول دیا ہے آج کی نشست میں شیعہ حضرات کی پھیلائی ہوئی بقیہ خرافات کی وضاحت کروں گا جن میں ہمارے سنی بھائی بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر ملوث ہو چکے ہیں اور بعض احباب ایسے ہیں کہ وہ اپنی ذات میں سنت اور شیعیت دونوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں گویا۔

حج بھی کعبہ کا کیا اور گنگا کا اشنان بھی
خوش رہے رحمٰن بھی، راضی رہے شیطان بھی

حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی ہے دونوں کو راضی کرنے سے شیطان تو راضی ہو جائے گا مگر رحمٰن راضی نہیں ہوگا وہ تو اسی وقت راضی ہوگا جب اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے محترم سامعین! شیعہ حضرات کا تیسرا پروپیگنڈا جس سے ہم بھی متاثر نظر آتے ہیں

وہ یہ ہے کہ حضرت حسین کو امام کہا جاتا ہے۔

اہل سنت کے نزدیک امام کا معنی ہے پیشوا، مقتدا' رہنما' اسی طرح اس شخص کو بھی امام کہا جاسکتا ہے جسے کسی علم و ہنر یا فن میں دوسروں سے زیادہ کمال حاصل ہو جب ہم امام ابو حنیفہؒ، امام بخاریؒ، امام غزالیؒ یا امام رازیؒ کہتے ہیں تو اس کا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا کہ یہ حضرات اپنے اپنے فن فقہ' حدیث' تصوف اور تفسیر وغیرہ میں کمال رکھتے ہیں اور دوسرے لوگ اس بارے میں ان کی اقتدا کرتے ہیں یہ امامتیں ایسی ہیں کہ جن پر ایمان لانا مسلمان ہونے کے لئے شرط نہیں ان ائمہ نے نہ تو امامت کا کبھی دعویٰ کیا اور نہ ہی اپنی امامت قبول کرنے کو کسی کی دعوت دی ان کی مہارت اور ان کے کارنامے ہی ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ خود بخود انہیں امام فن مان لیتے ہیں اس معنی کے اعتبار سے تمام صحابہ امام تھے لیکن آپ نے کبھی کسی سنی کو امام عبداللہ بن عمر کہتے ہوئے نہیں سنا ہوگا پھر صرف حضرت علی یا حضرت حسن اور حضرت حسین ہی کی کیا خصوصیت ہے کہ ان کو امام کہا جاتا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ سبائی ٹولہ ان حضرات کو پیشوا اور مقتدا ہونے کے اعتبار سے امام نہیں کہتا بلکہ اپنی خاص اصطلاح کے اعتبار سے امام کہتا ہے ان کے نزدیک امام، نبی کی طرح مرسل من اللہ ہوتا ہے۔

امام حجۃ اللہ ہے (حوالہ مذکور) اس پر ایمان لانا ضروری ہے (مذکور) پیغمبر کی طرح امام کی اطاعت بھی فرض ہے (مذکور) امام اللہ کا نور ہوتا ہے (مذکور) تمام ائمہ عالم الغیب ہیں (مذکور) وہ مستقل آسمانی کتابوں والے ہیں (مذکور) وہ حلال وحرام میں مختار ہیں (مذکور) ائمہ کا منکر و مخالف کافر و مرتد ہے (حیات القلوب) پوری سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا امامت کا یہ تصور قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہے، اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے۔

سر رشتہ توحید جو ہم سے چھوٹا
آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کی عظمت کو مٹانے کے لئے
ہر سمت سے راویوں کا لشکر ٹوٹا

اور اللہ معاف فرمائے ان بارہ اماموں میں سے ''ایک تو ایسا نکلا کہ پیدا ہونے

کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ساری امت کو چھوڑ کر اصلی قرآن بغل میں دبایا اور ہمیشہ کے لئے غار سامرہ میں غائب ہو گیا، کم وبیش ہزار سال سے دنیا اس کا انتظار کر رہی ہے، دنیا تباہ ہو رہی ہے امت بڑی بڑی آفات میں گرفتار ہے مگر وہ ہیں کہ باہر نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے یہ دیو مالائی عقیدہ بھی خوش اعتقادی کا عجیب وغریب نمونہ ہے۔

علیہ السلام جس طرح ان حضرات کے ناموں کے شروع میں امام کا لفظ بولا جاتا ہے اسی طرح ان کے آخر میں ''علیہ السلام'' بھی کہا جاتا ہے اگر چہ اس کا معنی تو صرف یہ ہے کہ اس پر سلامتی ہو اور سلامتی کی دُعا تو ہر مومن کے لئے کی جاسکتی ہے مگر ہماری کچھ مخصوص اصطلاحات ہیں جن سے مراتب کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور کسی نے خوب کہا ہے گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی' اگر تم مراتب میں فرق نہیں کرو گے تو زندیق بن جاؤ گے۔

اس لئے جب ہم حضور کا نام نامی لیتے ہیں تو ﷺ کہتے ہیں بقیہ انبیاء کے ساتھ علیہ السلام کہتے ہیں، صحابہ کے اسماء گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور امت کے عام بزرگوں اور اہل ایمان کے ساتھ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اور ان اصطلاحات میں ہم اتنا اہتمام کرتے ہیں کہ کسی زندہ کے نام کے ساتھ ''رحمہ اللہ تعالیٰ'' نہیں لکھتے آپ لکھ کر دیکھیں پھر دیکھیں آپ کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے حالانکہ اس کا معنی تو صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے' چلیں ہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیتے ہیں کہ ان حضرات کے ساتھ ''علیہ السلام'' صرف تعظیم وتکریم کے لئے بولا جاتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ اور بقیہ صحابہ کے ساتھ ''علیہ السلام'' نہیں بولا جاتا' اصل وجہ یہی ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک ائمہ کا مقام انبیاء کے برابر بلکہ بعض اوقات ان سے بھی زیادہ ہوتا ہے اس لئے ان کے ناموں کے ساتھ وہی دُعائیہ کلمہ بولتے اور لکھتے ہیں جو حضرات انبیاء السلام کے ساتھ لکھے اور بولے جاتے ہیں۔

چوتھا پروپیگنڈا دسویں محرم کو پروپیگنڈے کے زور پر حلیم اور کھچڑے پکانے شربت پینے پلانے اور جلوس نکالنے کا دن بنا دیا گیا ہے یہاں تک کہ اب سنی لوگ بھی دسویں محرم کو یہی کچھ کرتے ہیں۔

میں اس وقت تعزیہ اور جلوس کی لمبی چوڑی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا ہوں لیکن

آپ کی معلومات کے لئے یہ بتادوں کہ شیعوں کے نزدیک تعزیوں کی آٹھ قسمیں ہیں۔ نمبرا تعزیہ۔۲۔ضریح۔۳۔مہندی ۴۔ذوالجناح ۵۔تابوت۔۶۔براق۔۷۔تخت۔۸۔علم

ہمارے سنی بھائی ذوالجناح کے گھوڑے کو بوسے دیتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں حالانکہ یہ عام طور پر مانگے تانگے کے ٹٹو ہوتے ہیں اور محرم گزرنے کے بعد ان کو دوبارہ تانگوں میں جوت لیا جاتا ہے اور وہی باواجی سواریاں اٹھاتے پھرتے ہیں جو چند روز قبل مقدس شخصیت بنے ہوئے تھے بعض لوگ، تعزیوں کے ساتھ ایسی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں کہ شرک تک نوبت پہنچ جاتی ہے، سنیوں میں سے جو لوگ خود یہ رسمیں نہیں کرتے وہ ماتمی جلوسوں میں تو شرکت کر ہی لیتے ہیں حالانکہ حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث تو یہ ہے کہ "من تشبہ بقوم فھو منھم" اور دوسری حدیث یہ ہے کہ "من کثر سواد قوم فھو منھم" ان دونوں حدیثوں کے اعتبار سے ماتمی جلوسوں میں شرکت کر کے ان کی شان کو بڑھانے والے انہی میں سے شمار ہوں گے اور یہ بات سوچ لیں کہ صحابہ کے دشمنوں پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اگر آپ بھی ان کے ساتھ ہوں گے تو آپ پر بھی اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوسکتا ہے ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا گزر ایسی بستیوں کے کھنڈرات پر ہوا جن پر عذاب آیا تھا، حضور ﷺ نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور سواری کو بہت تیز چلا کر اس مقام سے جلدی سے گذر گئے، کیوں؟ صرف عذاب الٰہی کے ڈر سے!

(ندائے منبر ومحراب ج ۲ ص ۱۷۵)

"اگر اس آسمان کے نیچے کہیں بھی ایک مسلم پیرو توحید کی لاش تڑپ رہی ہے تو لعنت ہے ان کروڑوں زندگیوں پر جن کے دلوں میں اس کی تڑپ نہ ہو اگر افغانستان میں مساجد اور مصاحف کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ تو ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے منہ سے دل و جگر کے ٹکڑے نہیں گرتے کشمیر میں اگر ان سینوں کو گولیوں اور سنگینوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ جن سے نزع کے عالم میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کی آواز نکل رہی تھی تو ہم پر اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو اگر اپنی گردنوں پر اس کے نشان محسوس نہ کریں اگر عرب کے ریگزاروں میں کلمہ توحید کے محافظوں کے بدن صلیب پرستوں کی گولیوں سے چھدر رہے ہیں تو ہم اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے ملعون ہیں اگر اپنے پہلوؤں

کے اندر ایک لمحہ کے لئے بھی راحت اور سکون محسوس کریں مجھ کو تو یہ بھی کہنا چاہئے کہ اگر میدان جہاد میں کسی بھی مسلمان کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ جائے تو قسم ہے خدائے اسلام کی کہ کوئی مسلمان، مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اس کی چبھن کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے اگر ایک نادار ماں صرف اس لئے کانٹوں پر رات گزار دیتی ہے کہ اس کے بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں تو تف ہے، ہماری زندگیوں پر اگر ہم خواب خرگوش کے مزے لیتے رہے اگر ایک فاقہ زدہ باپ صرف اس لئے خودکشی کر لیتا ہے کہ اس سے اس کے بھوکے بچوں کی چیخیں سنی نہیں جاتی تھیں تو اس نادان باپ کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی اپنی گردنوں کو آخرت کے پھندے کے لئے تیار رکھنا چاہیے اگر ایک سہاگن صرف اس لئے بیوہ ہو جاتی ہے کہ ہسپتال میں آخری ہچکیاں لیتے ہوئے اس کے شوہر کو کوئی مسلمان خون دینے کے لئے تیار نہیں تھا تو تعجب ہوتا ہے رب کائنات کی شان رحیمی اور کریمی پر کہ اب تک ہماری رگوں میں خون کی گردش کیسے جاری ہے"۔ (ماخوذ از خطبات)

انصار کا حق

ایک دن حضرت ابوبکر اور حضرت عباسؓ انصار کی ایک محفل سے گزرے، دیکھا کہ وہ لوگ رو رہے ہیں، انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو انصار نے کہا رسول اللہ ﷺ کی مجلسیں یاد آرہی ہیں۔

یہ تو وہ لوگ تھے جنہیں آقا کے چہرے کی زیارت کے بغیر سکون ہی نہیں آتا تھا اور آقا ﷺ کی صحبتوں اور ارشادات سے انہیں روحانی غذا میسر آتی تھی اور اب وہ کئی دنوں سے اس غذا سے محروم تھے، انصار وہ لوگ تھے جنہوں نے اس وقت آقا کو عزت دی تھی جب مکہ اور طائف کے سردار توہین پر تلے ہوئے تھے۔

اس وقت اسلام کو سینے سے لگایا تھا جب دنیا والوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس وقت مسلمانوں کو ٹھکانہ دیا تھا جب ان کے خون کے رشتوں نے بھی ان سے منہ موڑ لیا تھا اور انہیں مکان، سامان اور تن بدن کے کپڑوں تک سے محروم کر دیا تھا۔

جب حضور اکرم ﷺ کو انصار کے رونے کی خبر پہنچی تو آپ تڑپ گئے ہائے

میرے انصار، اسلام کے انصار، مسلمانوں کے انصار میری جدائی پر آنسو بہا رہے ہیں۔ آپ ﷺ تکلیف کے باوجود سر مبارک کو چادر سے لپیٹے ہوئے باہر تشریف لائے اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا ''لوگو! میں تمہیں انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں، انصار میرے جسم اور جان کی طرح ہیں وہ میرے راز دار ہیں، ان کے ذمے جو حقوق تھے وہ انہوں نے ادا کر دیئے ہیں لیکن ان کے حقوق ادا نہیں کیے جا سکے۔

سنو! ان کے اچھے لوگوں کی بات قبول کرنا اور ان میں سے اگر کسی سے غلطی ہو جائے تو درگذر کرنا۔ (ندائے منبر ومحراب ج ۶ ص ۲۶۵)

صدیقہ کائنات

برادران محترم! ام المومنین سیدہ عائشہؓ کو صدیقہ کا لقب بھی دیا گیا، طاہرہ بھی کہا گیا، طیبہ بھی پکارا گیا، حمیرا سے بھی موسوم کیا گیا اور حقیقت یہ ہے کہ آپ صدیقہ بھی تھیں کیونکہ آپؓ کی ذات میں صدیقیت پائی جاتی تھی آپ طاہرہ اور طیبہ بھی تھیں کیونکہ آپؓ کا ظاہر بھی پاک تھا اور باطن بھی پاک۔ آپ حمیرا بھی تھیں کیونکہ آپ صوری حسن و جمال میں بھی یکتائے روزگار تھیں آپؓ کو جتنی فضیلتیں اور جتنے شرف حاصل تھے وہ ازواج مطہرات میں سے کسی اور کو حاصل نہ تھے۔

آپؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپؓ کی زندگی کا ایک دن بھی کفر وشرک میں نہیں گذرا، آپؓ نے آنکھیں کھولیں تو اپنے والدین کو مسلمان پایا۔ آپ صبح اٹھتی تھیں تو ذکر و تلاوت کی آوازیں کانوں میں پڑتی تھیں رات کو بستر پر لیٹتی تھیں تو عبادت واطاعت کا نظارہ دیکھتی تھیں یہ شرف بھی آپ کو حاصل ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دل کی تسکین کے لئے پہلے حضرت سودہؓ کو اور پھر آپؓ کو منتخب فرمایا اور

آپؓ کے عقد کی بشارت جبرئیل نے خواب میں دی یہ شرف بھی آپؓ کو منتخب فرمایا اور آپؓ کے عقد کی بشارت جبرئیل نے خواب میں دی یہ شرف بھی آپؓ کو حاصل ہے کہ تمام ازواج مطہرات میں سے سب سے زیادہ محبت حضور ﷺ کو آپؓ سے تھی، یہ شرف بھی آپؓ کو حاصل ہے کہ جب منافقین نے آپؓ کے دامن کو داغ دار کرنا چاہا تو آپؓ کی برأت کی گواہی رب کائنات نے دی اور آپؓ کی تطہیر بیان کرنے کے لئے سترہ آیات نازل فرمائیں حالانکہ آپ کو معلوم ہوگا کہ موسیٰؑ پر تہمت لگی تو برأت کا اعلان عورت نے کیا، مریمؑ پر تہمت لگی تو صفائی حضرت عیسیٰؑ نے پیش کی، یوسفؑ پر تہمت لگی تو طہارت کی گواہی ایک بچے نے دی لیکن اماں عائشہؓ کا مقام دیکھئے کہ ان پر تہمت لگی تو برأت کا اعلان رب العالمین نے کیا۔

یہ شرف بھی آپؓ کو حاصل ہے کہ آپؓ کی چار پشتوں کو صحابیت کا شرف حاصل تھا۔ آپؓ کے دادا صحابی آپ کے والد صحابی آپ کے بھائی صحابی اور آپ کے بھتیجے بھی صحابی تھے۔ یہ شرف بھی آپؓ کو حاصل ہے کہ غزوہ بدر میں جس جھنڈے کے نیچے صحابہؓ اور ملائکہ مشرکین سے جنگ کر رہے تھے وہ جھنڈا آپؓ کی اوڑھنی سے بنایا گیا تھا اور یہ جھنڈا حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے دست مبارک میں تھا گویا صدیقہ کائنات اور حیدر کرار کے درمیان منافرت کی باتیں کرنے والوں کے منہ پر قیامت تک کے لئے طمانچہ جڑ دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ حضرت علیؓ صدیقہ کے دوپٹے کو گرانے والے نہیں تھے بلکہ بلند کرنے والے تھے۔

یہ شرف بھی آپؓ کو حاصل ہے کہ کائنات کے سردار نے زندگی کے آخری آٹھ دن آپؓ کے حجرہ میں گذارے اور جب حضور ﷺ نے زندگی کے آخری سانس لئے تو سر مبارک سیدہ کی گود میں تھا اور حضور ﷺ کے منہ میں جو آخری چیز گئی وہ سیدہ کا لعاب دہن تھا کیونکہ سیدہ نے مسواک منہ سے چبا کر پیش کی تھی۔ یہ شرف بھی آپؓ کو حاصل ہے کہ آپؓ کے حجرہ کو قیامت تک کے لئے حضور ﷺ کا روضہ بننے کا شرف حاصل ہے جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جس جگہ حضور ﷺ آرام فرما ہوں گے وہ جگہ عرش بریں سے بھی افضل ہوگی گویا سیدہ کا حجرہ عرش بریں سے بھی افضل ہے۔

یہ شرف بھی آپؓ کو حاصل ہے کہ بڑے بڑے صحابہؓ آپؓ کی شاگردی میں فخر

محسوس کرتے تھے۔ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بڑے بڑے صحابہؓ کو دیکھا کہ وہ حضرت عائشہؓ سے میراث کے مسائل پوچھا کرتے تھے ان کے شاگردوں کی تعداد دوسو سے زاید ہے حضرت عائشہؓ سے دوہزار دوسو دس حدیثیں منقول ہیں۔

یہ شرف بھی سیدہؓ ہی کو حاصل ہے کہ جنس نسوانی پر آپ کے بے شمار احسانات ہیں ان کا سب سے بڑا احسان جنس نسوانی پر یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کو بتا دیا کہ ایک مسلمان عورت پردے میں رہ کر بھی تعلیم وتدریس اور اصلاح وارشاد کا فریضہ نبھا سکتی ہے انہوں نے بتا دیا کہ عورت تیسرے درجے کی مخلوق نہیں بلکہ وہ مردوں سے بھی آگے بڑھ سکتی ہے۔

دنیا میں اور بھی باکمال اور مشہور عورتیں گزری ہیں کوئی حسن میں یکتا تھی، کوئی بہادر تھی کوئی وفا کی مثال قائم کر گئی، کوئی عقل ودانش میں ممتاز تھی لیکن آپ ان سب عورتوں کے بیچ میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو کھڑا کر دیں تو وہ سب آپؓ کے مقابلے میں کمزور اور چھوٹی دکھائیں دیں گی۔ آپ کو ایسی عورت شاید ہی ملے جو ایک طرف اخلاق واوصاف کا اعلیٰ نمونہ ہو دوسری طرف حسن وجمال میں یکتا ہو تیسری طرف مذہبی، سیاسی، تعلیمی اور معاشرتی ذمہ داریاں بھی پوری کر رہی میری مائیں بہنیں اماں عائشہ صدیقہؓ کو اپنا آئیڈیل قرار دے لیں اور ان کے سیرت اپنا لیں تو معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے حالات بدل سکتے ہیں، نئی نسل اسلام کے راستے پر گامزن ہو سکتی ہے۔ خاندانی نظام درست ہو سکتا ہے، سچائی عام ہو سکتی ہے، دیانت وشرافت کا چلن ہو سکتا ہے۔ عفت وحیاء کی خوشبو پھیل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں صدیقہ کائنات کی سچی غلامی کا شرف عطا فرمائے۔ (پچاس تقریریں ج ۱)

طبقات الارض کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ جو موجودہ عالم ہے یہ ابتداء ہی سے موجودہ صورت میں نہ تھا بلکہ ہزاروں سال میں اس پر ہزاروں تغیرات آئے ہیں تب جا کر اسے موجودہ خوبصورت شکل حاصل ہوئی ہے۔ گویا اس کا موجودہ حسن وجمال ہزاروں سال کی تربیت اور کانٹ چھانٹ کا نتیجہ ہے۔ بالکل اسی طرح ہم پورے یقین سے دعویٰ کرتے ہیں کہ مذہب کا تصور تو بہت پرانا ہے، جب پہلا انسان دنیا میں آیا تھا تو اکیلا نہیں آیا تھا بلکہ مذہب بھی اس کے ساتھ آیا تھا۔ یوں کہہ دیجئے کہ اس دنیا میں انسان نے اپنی زندگی کا آغاز جہالت اور لامذہبیت کی تاریکی میں نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اپنے سفر کی ابتدا علم اور مذہب کی

روشنی میں کی تھی اس مذہب میں کچھ چیزیں ایسی تھیں جو بنیاد کی حیثیت رکھتی تھیں اور کچھ چیزیں ایسی تھیں جو دیواروں اور چھت وغیرہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ایمانیات اور عقائد بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے اور عبادات اور معاملات وغیرہ کی حیثیت دیواروں اور چھت وغیرہ کی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ ہر دور میں دین کی بنیاد تو ایک ہی رہی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن دین کی عمارت کے جو دوسرے اجزاء ہیں ان میں تبدیلی آتی رہی ہے اور اس عمارت کے کسی معمار نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اب اس میں ہوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس دعویٰ کی سعادت حاصل ہوئی عرب وعجم کے آقا حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ یہ اعلان کروادیا کہ لوگو! آج جبکہ ہجرت کا دسواں سال ہے، ذوالحجہ کا مہینہ ہے، عرفات کا میدان ہے، وقوف عرفہ کا دن ہے "الیوم" آج میں رب العالمین اعلان کرتا ہوں کہ میں نے انسانوں کے لیے دین کی نعمت کو مکمل کر دیا ہے اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، اب اس کا کوئی دوسرا ایڈیشن نہیں آئے گا، جو پیغام دوسرے انبیاء لیکر آئے وہ خاص زمانہ کے لیے تھے، خاص قوم کے لیے تھے، خاص وقت کے لیے تھے ان میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ ہر زمانے، ہر قوم اور ہر علاقے کے لوگوں کے مسائل حل کر سکیں، یہ حق صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ دعویٰ کرے کہ میں کامل ترین دین ہوں، میں کالوں اور گوروں، عربوں اور عجموں، مردوں اور عورتوں، امیروں اور غریبوں، جاہلوں اور عالموں، شہریوں اور دیہاتیوں سب کے مسائل حل کر سکتا ہوں۔

یہ دعویٰ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کر سکتے ہیں کہ میری سیرت میں تاجروں اور مزدوروں، معلموں اور خطیبوں، شوہروں اور باپوں، جوانوں اور بوڑھوں، حاکموں اور محکوموں، عابدوں اور مجاہدوں سب کے لیے نمونہ ہے۔ (ندائے منبر ومحراب ج۶ ص ۲۴۳)

یعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله

اے میرے گنہگار بندو! تمہیں میری رحمت سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، تم خطا کار ہو، گناہوں میں زندگی کے قیمتی ماہ وسال بسر کر چکے ہو مگر ہو تو میرے ہی، دنیا والے ممکن ہے تم سے نفرت کریں، وہ تمہیں دیکھ کر نفرت سے منہ موڑیں گے، حقارت سے کہیں گے یہ چور ہے، ڈاکو ہے، زانی ہے، شرابی ہے، بے نماز ہے، مگر میرے در پر ندامت

کے ساتھ توبہ کے لئے آؤ گے تو میں تمہیں طعنے نہیں دوں گا تمہاری حکم عدولیاں نہیں جتلاؤں گا بلکہ تمہیں آغوش رحمت میں ڈھانپ لوں گا۔

نوے سال کا وہ بوڑھا انسان جس نے زندگی میں اپنے مولیٰ کے سامنے ایک سجدہ نہ کیا ہو، اس کی زندگی کا ہر لمحہ اپنے مالک کی نافرمانیوں میں گذرا ہو، اس کے نامہ اعمال میں ایک بھی نیکی نہ ہو، اور پھر وہ وقت آجائے کہ پیری سے کمر میں خم آجائے۔ سر پر سفیدی چھا جائے، ہاتھوں میں دم نہ رہے، بینائی کمزور پڑ جائے، شنوائی میں ثقل آجائے، ٹانگوں میں لڑکھڑاہٹ آجائے، زبان بھاری ہو جائے، دماغ کام کرنا چھوڑ دے۔

محبت کا دم بھرنے والی بیوی داغ مفارقت دے جائے، دوست احباب بے وفا ہو جائیں، اپنے بچے بوڑھے ابا جان کو عضو فضول سمجھنے لگیں۔

یہ لُٹا پٹا اور ٹھکرایا ہوا بوڑھا جب ہر ایک سے کٹ کر ہر طرف سے مایوس ہو کر دل میں خوف خدا لئے ہوئے، گناہوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے، ندامت کے جذبات دل میں لئے ہوئے، توبہ کا عزم مصمم کئے ہوئے، جھکی ہوئی کمر کے ساتھ لاٹھی ٹیکتے ہوئے اللہ کے گھر کی طرف آتا اور وہاں سر نیاز جھکا کر اپنے مالک کو پکارتا ہے۔

اے خالق و مالک میں زندگی کی قیمتی نوے بہاریں گنوا کر، لُٹ لُٹا کر تیرے در پر حاضر ہوا ہوں، میرے پاس سوائے گناہوں کے کچھ نہیں، مجھے سب نے ٹھکرا دیا ہے، مگر اے مالک تو نہ ٹھکرانا، خاموش جواب آتا ہے۔

”اے گنہگار بوڑھے! تو نے آنے میں ضرور دیر کر دی ہے مگر میری مغفرت میں دیر نہیں ہو گی، اس در پر آنے والوں کو ٹھکرایا نہیں جاتا، گناہوں کی غلاظت میں آلودہ انسانوں کو دُھتکارا نہیں جاتا، ان سے نفرت نہیں کی جاتی، ان کی غلطیوں کو گنوایا نہیں جاتا۔

تیرے گناہ بہت سہی، مگر میری رحمت کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں، مجھے تو یوں بھی سفید بالوں سے حیا آتی ہے، جا میں نے تجھے معاف کر دیا، بلکہ میں نے تیری سچی توبہ کی وجہ سے تیرے نوے سال کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔

وہ دل شکستہ بوڑھا جو گناہوں کا انبار لے کر آیا تھا اب نیکیوں کا بار گراں لے کر واپس پلٹتا ہے۔ (ندائے منبر و محراب ج ۴ ص ۱۲۴ تا ۱۲۶)

حماقت یا وقاحت

جو شخص غلطی سے یا جان بوجھ کر زہر کھا بیٹھے یا جس کے گھر میں آگ لگ گئی ہو جس میں اس کی زندگی بھر کی متاع کے جلنے کا اندیشہ ہو مگر وہ قہقہے لگا رہا ہو تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ عقل مند یا بے وقوف؟ ذی شعور یا بے شعور؟ گناہ بھی ایک زہر ہے اور جو شخص یہ زہر کھا بیٹھا اسے اپنی روحانی زندگی کے بارے میں فکر مند ہونا چاہئے۔

جو شخص زہر کھا لیتا ہے، ڈاکٹر اسے قے آور دوا دیتا ہے تاکہ بار بار کی قے سے اس کا معدہ صاف ہو جائے، اور زہر کے اثرات ختم ہو جائیں۔

اسی طرح جو شخص گناہ کر بیٹھے اسے بار بار توبہ واستغفار کرنا چاہیے تاکہ گناہ کے زہریلے اثرات سے نجات مل جائے، افسوس یہ ہے جسمانی زندگی بچانے کے لئے ایک عام ڈاکٹر کے کہنے پر ہم قے جیسا تکلیف دہ عمل بار بار کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن معالج حقیقی نے روحانی شفا کے لئے ہمیں توبہ واستغفار کا جو آسان نسخہ بتایا ہے ہم اسے برتنے اور استعمال کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

جس شخص کے گھر میں آگ لگ جائے وہ آگ بجھانے کے لئے فائر بریگیڈ والوں کو بلاتا ہے، اڑوس پڑوس کو مدد کے لئے پکارتا ہے، خود بالٹی لے کر دوڑتا ہے اور مقدور بھر آگ کو بجھانے کی کوشش کرتا ہے۔

گناہ بھی تو ایک آگ ہے، صغیرہ گناہ چھوٹی چنگاری ہے اور کبیرہ گناہ بڑا انگارہ ہے مگر ہیں دونوں آگ! اور آگ مسجد میں لگے یا مندر میں اپنا کام کر کے رہتی ہے۔ اور گناہ ایک ایسی متعدی آگ ہے کہ افراد سے قوموں تک سرایت کر جاتی ہے اور گھر سے نکل کر محلوں، بستیوں، شہروں اور ملکوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

مگر اس آگ کو بجھانے کے لئے اڑوس پڑوس کو پکارنے کی ضرورت نہیں، فائر بریگیڈ اسٹیشن پر فون کرنے کی ضرورت نہیں، اس کے لئے تو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ جو کچھ کیا ہے اس پر ندامت کے جذبات دل میں لیکر اور آئندہ کے لئے گناہ سے بچنے کا عزم کر کے یوں کہدے۔

استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم واتوب الیه. (ترمذی)

میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ زندہ اور قائم رکھنے والا ہے اور میں اس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔

سچے دل سے اگر یہ الفاظ کہے جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ گناہوں کی بھڑکتی ہوئی آگ یکایک راکھ بن جاتی ہے۔ اور اس راکھ میں سے نیکیوں کے گل ولالہ پیدا ہوتے ہیں اور یہ بھی جان لیں کہ ظاہری آگ پانی سے، گیس سے یا کسی کیمیکل وغیرہ سے بجھ سکتی ہے مگر گناہ کی آگ بجھانے اور اس کے زہریلے اور تباہ کن اثرات مٹانے کے لئے سوائے توبہ اور استغفار کے کوئی علاج نہیں۔ (ج۴ص۱۴۰)

حجۃ الوداع کا پیغام

میری ناقص سوچ کے مطابق حجۃ الوداع کا سب سے بڑا پیغام اور سب سے بڑا سبق یہی ہے کہ اللہ نے انسانوں کے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند فرمالیا ہے اور یہ مکمل ترین دین ہے۔ اس میں اب کسی ترمیم اور کسی پیوندکاری کی گنجائش نہیں ہے وہ نام نہاد مسلمان جو دین اسلام میں بدعات کا پیوند لگاتے ہیں، سوشلزم کا پیوند لگاتے ہیں، کمیوزم کا پیوند لگاتے ہیں، جمہوریت کا پیوند لگاتے ہیں۔ خواہشات کا پیوند لگاتے ہیں وہ سب غلطی پر ہیں اور وہ اپنے لیے اور پوری امت کے لیے ضلالت کا گڑھا کھود رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حجۃ الوداع کے سبق پر عمل کرنے اور ایسے نام نہاد لیڈروں اور دانشوروں سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

پندرہ نکتے

مذکورہ آیت کریمہ اور واقعہ ہجرت کے حوالے سے چند نکتے ذہن میں آتے ہیں۔

(۱) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے شکایات کی ہے کہ تم میرے نبی کی مدد نہیں کرتے اور اگر کسی سے شکایت نہیں کی تو وہ

حضرت ابو بکرؓ ہیں۔

(۲) بعض بدبختوں نے ''لاتحزن'' سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ دشمن کو دیکھ کر اپنی جان کے بارے میں پریشان ہو گئے تھے، حالانکہ ان کی یہ پریشانی اپنے بارے میں نہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی ذات کے حوالے سے تھی جیسے حضرت یعقوب علیہ السّلام نے فرمایا کہ

انی لیحزننی ان تذهبوا به واخاف ان یاکله الذئب وانتم عنه غافلون

مجھ کو یہ بات غم میں ڈالتی ہے کہ اس کو تم لے جاؤ اور میں یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ اس کو کوئی بھیڑیا کھا جاوے اور تم اس سے بے خبر رہو۔ (سورہ یوسف)

حضرت یعقوب علیہ السّلام کو اپنی ذات کا کوئی غم نہیں تھا بلکہ ان کو اگر غم اور پریشانی تھی تو وہ حضرت یوسف علیہ السّلام کے حوالے سے تھی۔

(۳) شب ہجرت حضور ﷺ پنجوں کے بل چل رہے تھے تاکہ قدموں کے نشان نہ پڑ جائیں تو حضرت ابو بکرؓ نے بار نبوت کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا، لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب آپ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضرت علیؓ سے کہا کہ میرے کندھوں پر سوار ہو کر بتوں کی تصویریں مٹا ڈالو۔ حضرت علیؓ نے ازراہ ادب عرض کیا نہیں بلکہ آپ میرے کندھوں پر سوار ہو جائیں تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ **انک لا تستطمع حمل ثقل النبوة** (تم نبوت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے)

(۴) جب دونوں مقدس مسافر پیدل چل رہے تھے تو اگر حضرت ابو بکرؓ کو دشمنوں کے تعاقب کا خوف ہوتا تو حضور ﷺ کے پیچھے چلنے لگتے اور جب یہ اندیشہ ہوتا کہ دشمن کہیں گھات لگائے نہ بیٹھا ہو، تو آپ ﷺ کے آگے چلنے لگتے۔ (واقعی عشق والوں کو کل چین نہیں آتا)

(۵) معراج کی شب جو حضور ﷺ کا رفیق بنا وہ بھی ملائکہ کا سردار تھا اور ہجرت کی رات، جسے شرف رفاقت نصیب ہوا، وہ بھی صحابہؓ کا سردار ٹھہرا، راتیں دو ہیں ایک معراج کی رات دوسری ہجرت کی رات، معراج کی رات رفیق نبوت نے صاحب نبوت کو بلایا اور ہجرت کی شب صاحب نبوت نے رفیق نبوت کو بلایا۔

(۶) معراج کا فیق منزل مقصود تک نہ جاسکا، راستے میں ٹھہر گیا، لیکن ہجرت کے رفیق نے نہ غار میں چھوڑا نہ مزار میں اور نہ خلد بریں میں۔

(۷) شب ہجرت جو بستر پر سوئے تھے، وہ امانت خلق کے محافظ تھے، لیکن جو حبیب کبریا ﷺ کے ساتھ گئے وہ امانت خالق کے پہرے دار تھے۔

(۸) شب ہجرت کسی کو نصف شب بستر میں سونا نصیب ہوا، اور کسی کو غار و مزار میں صاحب بستر کی معیت نصیب ہوئی۔

(۹) ایام طفولیت میں جس طرح حضور ﷺ جس سواری پر سوار ہوئے وہ سب سواریوں سے آگے نکل گئی، اسی طرح ہجرت کی شب سرور کائنات نے صدیق اکبرؓ کے کندھوں پر قدم رکھے تو رتبے میں تمام صحابہؓ سے آگے نکل گئے۔

(۱۰) خیبر کو بھیجتے وقت حبیب کبریا ﷺ نے سیدنا علیؓ کی آنکھ پر لعاب دہن لگایا، تو شفا ہوئی اور ہجرت کے موقع پر لعاب دہن سیدنا صدیق کے پاؤں پر لگایا، تو شفا ہوئی۔

(۱۱) شب معراج خادم، مخدوم کے دروازے پر گیا اور شب ہجرت مخدوم، خادم کے دروازے پر گیا۔

(۱۲) اس آیت کریمہ میں حضرت ابوبکرؓ کو ''ثانی اثنین'' فرمایا گیا ہے اس سے یہ نکتہ بھی نکالا جاسکتا ہے کہ جہاں جہاں حضور اکرم ﷺ اول ہیں وہیں وہیں حضرت ابوبکرؓ (دوسرے نمبر پر) ہیں۔

ایمان میں حضور ﷺ اول ہیں ابوبکرؓ ثانی ہیں۔
تبلیغ ودعوت میں حضور ﷺ اول ہیں ابوبکرؓ ثانی ہیں۔
نصرت للذین میں حضور ﷺ اول ہیں ابوبکرؓ ثانی ہیں۔
امامت وخلافت میں حضور ﷺ اول ہیں ابوبکرؓ ثانی ہیں۔
روضہ میں حضور ﷺ اول ہیں ابوبکرؓ ثانی ہیں۔
حشر میں حضور ﷺ اول ہیں ابوبکرؓ ثانی ہیں۔
جنت میں حضور ﷺ اول ہیں ابوبکرؓ ثانی ہیں۔

(۱۳) غار حرا میں حضرت ابوبکرؓ کو انوار نبوت کے بے پناہ قرب اور خلوت کی وجہ سے

مستفید ہونے کا خوب خوب موقع ملا۔

(۱۴) حضرت موسیٰؑ کی قوم نے جب فرعون کے تعاقب سے گھبرا کر کہا تھا انـــــا لمدر کون (ہم تو پکڑے گئے)۔

تو حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا۔

قال کلا ان معی ربی سیھدین

(کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھ کو راہ بتائے گا)

لیکن جب حضرت ابوبکرؓ کو گھبراہٹ ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ **(لا تحزن ان اللہ معنا)** بتانا یہ چاہتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ''معی'' کہا تھا مگر سرورِ عالم ﷺ نے ابوبکرؓ کو بھی ساتھ ملا لیا اور فرمایا ''معنا''

(۱۵) شب ہجرت کی قبولیت اور فضیلت و عظمت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسا انسان مبادلہ اعمال کے لئے بے چین ہو گیا۔ ایک دن انہوں نے عرض کیا کہ اے ابوبکرؓ آؤ ہم تم اپنے اپنے اعمال کا مبادلہ کرلیں، میری ساری عمر کی نیکیاں تم لے لو اور مجھے صرف شب ہجرت کی وہ نیکی دے دو جب کہ تم رسول ﷺ کا مرکب بن کر اپنے زخمی پاؤں کے ساتھ غار ثور کے دھانے پر پہنچے تھے اور غار میں تمہارے سوا کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں نہ تھا۔ (ندائے منبر و محراب ج ۲ ص ۱۲۴ تا ۱۲۶)

ابوبکرؓ آئینہ احادیث میں

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانیؒ نے اپنی کتاب ''سیرت الصدیق'' میں لکھا ہے کہ خاص حضرت ابوبکرؓ کے فضائل میں ایک سو اکیاسی (۱۸۱) حدیثیں مروی ہیں ۔اٹھاسی (۸۸) حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی فضیلت کا بیان ہے، سترہ (۱۷) حدیثیں ایسی ہیں جن میں مجموعی طور پر خلفاء ثلاثہ کے فضائل ہیں چودہ (۱۴) حدیثوں میں خلفائے اربعہ کے ساتھ اور صحابہ کرام بھی شریک فضائل ہیں۔ رضی اللہ عنھم اجمعی، اس طرح (۱۸۱+۸۸+۱۷+۱۴+۱۶=۳۱۶) تین سو سولہ حدیثیں حضرت ابوبکرؓ کے فضائل میں روایت کی گئی ہیں۔ یہ تعداد تو ان حدیثوں کی ہے جو مخصوص نام کے ساتھ ہیں، جن ہزاروں حدیثوں میں مہاجرین، مومنین وغیرہ، اہل ایمان و صلاح کے

فضائل مذکور ہیں وہ بھی حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں صادق آتی ہیں۔

ایک نکتہ

امام ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ:

''اجماع امت اس پر ہے کہ آیت و **سیجنبها الاتقی** 'حضرت ابو بکرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکرؓ کو ''اتقی'' (سب سے زیادہ پرہیزگار) فرمایا ہے، ایک دوسری آیت ہے۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم

اللہ کے نزدیک بالتحقیق تم میں وہ سب سے زیادہ بزرگ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

ان دونوں آیتوں کے مفہوم سے منطق کی شکل اول بنی 'ابو بکر اتقکم کل اتقکم اکرمکم' فابو بکر اکرمکم

(ابو بکرؓ سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں' سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ بزرگ ہے، لہٰذا ابو بکر سب سے زیادہ بزرگ ہیں)

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ

''احادیث سے حضرت ابو بکرؓ کی افضیلت کی چار وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول: امت میں مرتبہ علیا پانا' صدیقیت اسی سے مراد ہے

دوم: ابتدائے اسلام میں حضرت سرور عالم ﷺ کی اعانت

سوم: نبوت کے کاموں کو انجام تک پہنچانا۔

چہارم: آخرت میں علو مرتبہ

یہ بھی لکھا ہے کہ ''حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی عملی قوت اور عقلی قوت حضرات انبیاء علیہم السلام کی عملی و عقلی قوت سے مشابہ تھی''

(ندائے منبر و محراب ج ۲)

غار والے نوجوان

میرے ساتھیو! میں آپ کو ان نوجوانوں کا قصہ سنانا چاہتا ہوں جنہوں نے اپنا ایمان بچانے کے لیے غار میں پناہ لے لی تھی۔

وہ نوجوان یونان کے رہنے والے تھے، وقت کے حکمران ظالم بھی تھے اور بت پرست بھی تھے اور وہاں کے باشندوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتے تھے، ظلم اور بت پرستی کی اس فضا میں چند نوجوانوں نے ایمان پر قائم رہنے کا فیصلہ کر لیا، انہیں ڈرایا بھی گیا دھمکایا بھی گیا، سبز باغ بھی دکھائے گئے لیکن انہوں نے ایمان کو سینے سے لگائے رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

حکومت بت پرستی تھی اور بت پرستی کے سوا کچھ بھی ماننے کے لیے تیار نہ تھی، سوسائٹی گندی تھی اور گندگی کے سوا کسی اور چیز پر راضی نہیں تھے، ان نوجوانوں کے ایمان کو بڑے سخت امتحان کا سامنا کرنا پڑا ایک طرف حکومت تھی، عہدے اور منصب تھے، مال و دولت کی چمک تھی، عیش وعشرت تھی، عافیت اور سلامتی تھی، دوسری طرف ایمان تھا ایمان کے تقاضے تھے امتحان تھے، آزمائشیں تھیں، حکمرانوں کی ناراضگی تھی۔

یا اللہ کیا کریں ایماں کو چھوڑتے ہیں تو آخرت تباہ ہوتی ہے۔

ایمان پر قائم رہتے ہیں تو دنیا تباہ ہوتی ہے۔

ایمان کو چھوڑتے ہیں تو اللہ ناراض ہوتا ہے۔

ایمان پر قائم رہتے ہیں تو حکمران ناراض ہوتے ہیں۔

ایمان کو چھوڑتے ہیں تو جہنم اور اس کے عذابوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایمان پر قائم رہتے ہیں تو فقر و فاقہ اور قید و بند کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایمان کو چھوڑتے ہیں تو تیرا تعلق چھوٹتا ہے۔

ایمان پر قائم رہتے ہیں تو خاندان اور قوم سے تعلق چھوٹتا ہے۔

بڑی کشمکش میں پڑ گئے لیکن جب انہوں نے عزم کرلیا تو ایمان مادیت پر غالب آ گیا، ایمانی منطق نے برہانی منطق کو شکست دے دی، دل نے عقل کو چاروں شانے چت کر دیا۔

اللہ کہتا ہے کہ میں جو دلوں کا مالک ہوں میں نے جب ان کے عزم کو دیکھا ان کے جذبے کو دیکھا ان کے یقین کو دیکھا تو انہیں ہدایت میں اور زیادہ مضبوط کر دیا اور ان کے دلوں کو صبر اور استقامت عطا فرمادی۔

وزدنا هم هدی و ربطنا علی قلوبهم

جب اللہ کسی کو ہدایت دے دے اور جب اللہ کسی کو صبر اور حوصلہ عطا فرمادے تو ایسا شخص پہاڑوں سے ٹکرا جاتا ہے، فرعونوں اور نمرودوں سے بھڑ جاتا ہے، اس کے دل سے ماسویٰ اللہ کا خوف نکل جاتا ہے، ان نوجوانوں نے بھی وقت کے نمرودوں کی ساری ترغیبوں اور ساری تحریصوں کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا اور کہا:

ربنا رب السموت والارض لن ندعو امن دونه الها لقد قلنا اذا شططا.

ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان وزمین کا پروردگار ہے ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں اگر ہم ایسا کریں تو یہ بڑی بے جابات ہوگی۔

اب ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ جب ساری آبادی بھی ہمارے خلاف، حکومت بھی مخالف تو ہم اپنے ایمان کی حفاظت کیسے کریں، اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ان کی دست گری کی اور ان کے دل میں یہ یقین ڈال دیا کہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، یہاں نہیں تو کہیں اور سہی۔

انہوں نے اپنے رشتہ داروں پر اپنے گھر بار پر اور اپنے شہر پر آخری نظر ڈالی اور چل پڑے ایک کتا بھی ان کے ساتھ چل پڑا،

اللہ نے جب قرآن میں ان مومن نوجوانوں کا ذکر کیا تو اس کتے کا بھی ذکر کیا۔

کتنا خوش قسمت کتا تھا جسے ان مومنوں کی صحبت میسر آ گئی۔

ہاں میرے دوستو! نیکوں کی صحبت بڑی نعمت ہے اور بروں کی صحبت بڑا عذاب ہے، کنعان اللہ کے نبی کا بیٹا تھا مگر وہ بروں کی صحبت میں بیٹھا تو برا بن گیا جو عذاب دوسرے

کافروں اور مشرکوں پر آیا وہ کنعان پر بھی آیا۔

دوسری طرف اس کتے کو دیکھیے جسے اللہ نے اپنے اولیاء کی دربانی کا شرف بخش دیا۔

شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے

پسر نوح بابداں لشت
خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کھف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو دربانی کے لیے غار کے دہانے پر کتا بیٹھ گیا اور غار میں بھی وہ بیکار نہیں بیٹھے جب تک اللہ کو منظور تھا وہ بعض صحیفوں کا مطالعہ کرتے رہے اور اللہ کی عبادت کرتے رہے جب اکل وشرب کا سارا ذخیرہ ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو میٹھی اور طویل نیند سلا دیا اور وہ تین سو نو سال تک اسی غار میں سوتے رہے جب تین سو نو سال کے بعد بیدار ہوئے تو ملک کے حالات بدل چکے تھے، بت پرستوں کے اقتدار کا سورج ڈوب چکا تھا اور اب اقتدار پر خدا پرست چھائے ہوئے تھے، کل کے جلا وطن آج کے ہیرو بنے ہوئے تھے لوگ ان نوجوانوں کی تلاش میں تھے لیکن بیداری کے کچھ ہی عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا۔

میرے نوجوان ساتھیو! ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اس واقعہ میں ہمارے لیے عبرت کا کیا سامان ہے؟ اس قصے میں ایمان اور مادیت کی کشمکش کو بیان کیا گیا ہے، ان نوجوانوں نے مادیت پر ایمان کو ترجیح دی۔

آخرت کو دنیا پر ترجیح دی۔

ایمان کے ساتھ غربت کی زندگی کو پسند کر لیا لیکن کفر کے ساتھ عیاشی کی زندگی کو پسند نہیں کیا۔

انہوں نے اپنے شہر اپنے خاندان اور اپنے عزیزوں کی جدائی کو گوارا کر لیا لیکن ایمان کی جدائی گوارا نہیں کی۔

انہوں نے اسباب سے خالق اسباب کی طرف راہ فرار اختیار کی وہ بڑے صبر اور

حوصلے سے ایمان پر جمے رہے۔

اور پھر آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ ان کا فیصلہ ہی صحیح تھا۔

انہیں مٹانے کی کوشش کرنے والے مٹ گئے لیکن ان کا ذکر خیر آج بھی باقی ہے کل بھی باقی رہے گا۔

میرے دوستو! آج ہم ایمان اور مادیت کی کشمکش سے دوچار ہیں ایک طرف ایمان اور اس کے تقاضے ہیں دوسری طرف مادی ترغیبات ہیں، لذتیں ہیں، عیاشیاں ہیں، کھیل کود ہے، فحاشی اور عریانیت ہے، فلمیں اور گانے بجانے کے پروگرام ہیں، دل بہلانے کے غلیظ سامان ہیں۔

ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہم مادیت کو سینے سے لگالیں یا روحانیت کو اپنے دلوں میں سجالیں۔

ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہم کس کو ترجیح دیں مادیت کو یا روحانیت کو؟

دنیا کو یا دین کو؟

آیئے ہم عہد کریں کہ کہ ہم اصحاب کھف کی طرح ساری ترغیبات کو ٹھکرا دیں گے اور غلاظت و بے حیائی کے سیلاب میں بھی ایمان کو سینے سے لگائے رکھیں گے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

(پچاس تقریریں ج۲)

مدرسہ

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش
مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوت کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

محترم اساتذہ کرام اور میرے ہم سفر دوستو! میں آج کی نشست میں ''مدرسہ'' کے حوالہ سے اپنے ٹوٹے پھوٹے خیالات وجذبات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

لوگوں کا عام خیال یہ ہے کہ مدرسہ ایک مخصوص چار دیواری کا نام ہے، مدرسہ شاندار عمارت کا نام ہے، مدرسہ پرشکوہ ہاسٹل اور پرکشش درسگاہوں کا نام ہے اور اسی لیے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر مدرسہ کی عمارت کو گرا دیا جائے تو مدرسہ ختم ہو جائے گا لیکن میں اس خیال کی پرزور تردید کرتا ہوں۔ مدرسہ سنگ وخشت کے ڈھیر کا نام نہیں ہے۔ مدرسہ فلک بوس عمارت کا نام نہیں ہے، مدرسہ مزین اور مکیف کمروں کا نام نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم اس کی گود کو اولین مکتب اور مدرسہ نہ کہہ سکتے جہاں بچہ شعور کی آنکھیں کھولتا ہے اور زندگی کے ابتدائی آداب سیکھتا ہے۔

اگر ایسا ہوتا تو ہم دیوبند میں واقع انار کے اس درخت کے سائے کو مدرسہ نہ کہہ سکتے جہاں محمود نامی استاد نے محمود نامی شاگرد کو تعلیم دے کر ہزاروں مدرسوں کی بنیاد رکھی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم اس سادہ سے چبوترے کو مدرسہ نہ کہہ سکتے جہاں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنے والوں کو اصحاب صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو پھر آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں کہ اگر ان چیزوں کا نام مدرسہ نہیں ہے تو پھر مدرسہ کیا ہے؟

تو میں عرض کرتا ہوں کہ مدرسہ وہ ہے جہاں انسان کو انسان بننے کی تعلیم دی جاتی ہے، جہاں انسان کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا جاتا ہے، جہاں علم کی شمع اس کے سینے میں روشن کی جاتی ہے، جہاں اسے اعلیٰ اخلاق اور زندگی کے آداب سکھائے جاتے ہیں۔

یہ مقاصد اگر ماں کی گود میں حاصل ہوں تو مدرسہ ہے، خس و خاشاک سے بنے ہوئے جھونپڑے میں حاصل ہوں تو مدرسہ ہے، مسجد کے حجرہ میں حاصل ہوں تو مدرسہ ہے، صحرا کے سناٹے میں حاصل ہوں تو مدرسہ ہے، شہر کے ہنگاموں میں حاصل ہوں تو مدرسہ ہے اور اگر یہ مقاصد ان شاندار عمارتوں میں حاصل نہ ہوں تو مدرسہ نہیں ہے دھوکا ہے فریب ہے تصنّع ہے ریاکاری ہے جھوٹ کی نمائش ہے۔

للہ! حقائق کو نہ جھٹلایئے گا، سمجھنے کی کوشش کیجیے گا۔ ناراض نہ ہو جایئے گا، آج ہماری یونیورسٹیوں کی عمارتیں میلوں میں پھیلی ہوئی ہیں وسیع و عریض سکول اور کالج ہیں ہر آسائش مہیا کی گئی ہے ہر سہولت دی گئی ہے لیکن آج ہماری یونیورسٹیوں، کالجوں اور مکاتب کی کوکھ بانجھ ہو گئی ہے وہاں سے زمانے کا رخ بدلنے والے انقلابی، ریسرچ کا حق ادا کرنے والے محققین، انسانیت کا درد رکھنے والے لیڈر، دین کی تڑپ رکھنے والے مسلمان اور اخلاق کا جھنڈا بلند کرنے والے انسان پیدا نہیں ہو رہے بلکہ میں کس زبان سے کہوں، کس حوصلے سے کہوں، کہ یہاں سے فلموں کے ایکٹر، ہیروئن کے تاجر، جھوٹے وعدے کرنے والے سیاستدان، خون کے پیاسے قاتل اور حرص و ہوس کے پجاری پیدا ہو رہے ہیں۔

میرے دوستو! جب تک تعلیم و تعلم کا صحیح جذبہ پیدا نہیں ہوگا، جب تک ہماری سوچ کا رخ تبدیل نہیں ہوگا اس وقت تک یہ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ کسی کام نہیں آئے گا۔ جب دل میں علم کی تڑپ ہوتی ہے، جب فکر کا قبلہ صحیح ہوتا ہے، جب علم کو علم کے لیے سیکھا جاتا ہے، جب استاد اور شاگرد کا رشتہ صحیح نہج پر استوار ہوتا ہے، جب طالب علم اپنے آپ کو طالب علم ہی سمجھتا ہے تو پھر ظاہری کروفر نہ ہونے کے باوجود مدرسہ، مدرسہ بنتا ہے، علم کا نور پھیلتا ہے، زمانہ انگڑائیاں لیتا ہے، ہواؤں کا رخ بدلتا ہے، انقلاب کی فضا سازگار ہوتی ہے، افکار سے اعمال تک تبدیلی آتی ہے، ایسے انسان پیدا ہوتے ہیں جن کی مثال لانے سے زمانہ قاصر رہتا ہے۔

اپنے عظیم نبی کی اس بے مثال درسگاہ کو یاد کیجئے جس کی کوئی شاندار عمارت نہ تھی ظاہری کروفر و نہ تھا لیکن اس درسگاہ کی تعلیم یافتہ مقدس جماعت پر ایک نظر ڈالیں تو آپ ان کے علمی اور عملی کمالات اور رنگارنگی کو دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے کہ ایک طرف ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ ہیں، عثمان غنیؓ ہیں، علی مرتضیٰؓ ہیں جو دنیا کے جانباز اور ملکوں کے فرمانروا تھے جنہوں نے مشرق سے مغرب تک اور افریقہ سے انڈیا تک ایسی کامیاب حکومت کی جو بڑے سے بڑے حکمران کی سیاست کو منسوخ کر دیتی ہے ان کے عدل وانصاف اور سیاسی نظم ونسق کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

دوسری طرف خالد بن ولیدؓ سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن الجراح اور عمرو بن العاصؓ جیسے سپہ سالار اور فاتح ہیں جنہوں نے چند ہی سالوں میں مشرق ومغرب کی ظالم سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے اور اپنی فتوحات اور جنگی صلاحیتوں کی دھاک بٹھا دی، سعدؓ نے عراق وایران کا تاج شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا، خالد اور ابو عبیدہؓ نے رومیوں کو شام سے نکال کر زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کر دی، عمرو بن العاصؓ فرعون کی سرزمین رومن شہنشاہی کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لی، عبداللہ بن زبیر اور ابن ابی سرحؓ نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے جیت لیا۔

تیسری طرف باذان بن سامان، خالد بن سعید، عمرو بن حزم اور یزید بن سفیانؓ وغیرہ بیسیوں صحابہ ہیں جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی۔ چوتھی طرف علماء اور فقہا کی صف ہے جنہوں نے اسلامی فقہ اور قانون کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے عظیم قائدین شمار ہوئے۔ ان میں عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہؓ وغیرہ ہیں۔

پانچویں صف احکام ومسائل کے راویوں کی ہے جن میں ابو ہریرہ، ابو موسیٰ اشعری، انس بن مالک، عبادہ بن صامتؓ جیسے سینکڑوں صحابہ ہیں۔ پھر اس درسگاہ کے طلباء میں حضرت ابوذرؓ جیسے حق گو اور متوکل، سلمان فارسیؓ جیسے زاہد وپارسا، عبداللہ بن عمرؓ جیسے عابد واطاعت گزار، طلحہ وزبیرؓ جیسے بہادر اور جانثار، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن زبیرؓ جیسے تاجر اور بیوپاری شامل ہیں۔

یہ سب جرنیل اور سپہ سالار، حکمرانا اور جہانبان، فقہاء اور عقلاء، زہاد اور صوفیاء اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے جس کے پاس شاندار عمارت نہ تھی، کلاسوں کی قطاریں نہ تھی، کتابوں کا انبار نہ تھا، تحقیق کے مراکز نہ تھے، رصدگاہیں نہ تھیں لیکن حصول علم کا جذبہ تھا، اشاعت علم کی تڑپ تھی، تربیت کا مضبوط نظام تھا، استاد کے دل میں شفقت و محبت تھی، تلامذہ کے دل میں عقیدت و عظمت تھی اگر آج یہ چیزیں ہمارے اندر بھی آجائیں تو یقین جانیے کہ پھر ماں کی گود مدرسے ہوگی، مسجد کا حجرہ مدرسہ ہوگا، خانقاہ کا ماحول مدرسہ ہوگا جہاں کوئی صاحب علم بیٹھ جائے گا وہیں مدرسہ ہوگا، جہاں ساقی ہوگا وہیں میخانہ ہوگا، جہاں شمع ہو گی وہیں پروانہ ہوگا، اگر یہ نہیں تو پھر یہ بلند و بالا عمارتیں بھی ویرانہ ہیں، وقت ضائع کرنے کا بہانہ ہیں، کار طفلاں ہیں، فکر دیوبند ہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

(پچاس تقریریں ج۱)

قرآن کریم کی حفاظت اللہ نے خود کرنی ہے

جب قرآن کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ لے لی تو اب اگر اس میں معمولی سی تبدیلی بھی ہو جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہیں کیا۔ حالانکہ زمین و آسمان زیروزبر ہو سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں کبھی بھی تخلف نہیں ہو سکتا، دوسری کتابوں کا ذمہ چونکہ اللہ نے نہیں لیا تھا بلکہ ان قوموں کو ان کی حفاظت کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا جن پر وہ کتابیں نازل کی گئی تھیں اس لئے ان کتابوں کا جو حشر ہوا وہ ساری دنیا کے سامنے ہے۔

عیسائی آج کمزور ایمان والوں اور غریب مسلمانوں اور دوسری قوموں کو انجیل پر ایمان لانے کی دعوت دیتے پھر رہے ہیں حالانکہ اس انجیل کا حال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی وفات کے بعد عیسائیوں میں ایک سو تینتیس نسخے رواج پا چکے تھے۔ جن میں بالآخر ایک سو انتیس نسخوں کو رد کر کے باقی چار کو صحیح تسلیم کر لیا گیا اور آج بھی انجیل یوحنا، انجیل مرقس، انجیل لوقا اور انجیل متی کے نام سے چار بالکل مختلف نسخے موجود ہیں اور پوری عیسائی دنیا کبھی بھی ان میں سے کسی ایک پر متفق نہ ہو سکی۔ لیکن قرآن کل بھی ایک تھا آج بھی ایک ہے، مشرق و

مغرب میں بھی وہی قرآن ہے، شمال وجنوب میں بھی وہی قرآن ہے، لوح محفوظ میں بھی وہی قرآن ہے، صحابہ بھی وہی قرآن پڑھتے تھے جو آج ہم گنہگار پڑھتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں آباد ایک ارب تیس کروڑ مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا مسلمان نہیں جو قرآن کے متن میں اختلاف رکھتا ہو اور اگر کوئی ایسا بدبخت ہے تو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ بعض مدعیان نبوت نے قرآن میں تحریف کی جسارت کی مگر وہ خائب وخاسر رہے، انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

علم کی فضیلت

علم کی اس سے زیادہ اہمیت وفضیلت کیا ہوگی کہ جب لگ بھگ چھ سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پکارا اور سید الرسل ﷺ پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا تو سب سے پہلا اعلان جو عالم انسانی کے سامنے کیا گیا وہ پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے ہی کے بارے میں تھا حالانکہ عرب کے حالات کے پیش نظر پہلا اعلان توحید کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ بُت پرستی اور شرک عام تھا، پہلا اعلان رسالت کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ خالق اور مخلوق کا ٹوٹا ہوا رشتہ رسول ہی کے ذریعہ جُڑ سکتا تھا، پہلا اعلان بعث بعد الموت اور قیامت کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ یوم آخرت پر یقین آجانے کے بعد عقائد واعمال کو اپنانا آسان ہوجاتا ہے، پہلا اعلان انسانی حقوق کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ قتل وقتال اور جور وتعدی کا دور تھا، پہلا اعلان عورت کے حقوق کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ اس کے حقوق پائمال ہو رہے تھے، پہلا حکم اخلاق کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا کیونکہ ان سے متصف ہونے کے بعد ہی کامل انسان بنا جاسکتا ہے، پہلا اعلان اُعبدوا اللہ بھی ہوسکتا تھا، اُذکروا اللہ بھی ہوسکتا تھا، اُشکروا اللہ بھی ہوسکتا تھا، اصبروا وصابروا بھی ہوسکتا تھا، بلغوا وجاھدوا بھی ہوسکتا تھا۔

مگر سننے والے سُن لیں اور جاننے والے جان لیں کہ جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں اور اُمیت کے لق ودق صحراء میں قرآن کا سب سے پہلا اعلان علم کی عظمت اور اہمیت کا اعلان تھا، قرآن کا سب سے پہلا حکم پڑھنے کا تھا۔

(ندائے منبر ومحراب ج ۲ ص ۱۱۸)

بزرگی کا معیار

عام لوگوں کے ہاں بزرگی کا معیار کرامت ہے وہ بزرگ ایسے شخص کو مانتے ہیں جس سے کوئی کرامت ظاہر ہو جس سے زیادہ کرامتیں ظاہر ہوں وہ بڑا بزرگ اور جس سے کم کرامتیں ظاہر ہوں وہ چھوٹا بزرگ اور جس سے کوئی کرامت بھی ظاہر نہ ہو وہ بزرگی سے خارج!

ہماری اس غلط سوچ کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایسے ایسے لوگ بھی بزرگ بنے پھرتے ہیں جو زندگی بھر نماز کے قریب نہیں جاتے اور بعض تو ایسے ہوائی بزرگ بھی ہیں جن کی پاکستان کی کسی مسجد میں نماز ہی نہیں ہوتی وہ مدینے جا کر نماز ادا کرتے ہیں۔

کھاتے یہاں ہیں پیتے یہاں ہیں، پیٹ یہیں سے بھرتے ہیں البتہ نماز مدینے میں جا کر پڑھتے ہیں۔

کوئی اللہ کا بندہ ان بہروپیوں سے پوچھے ظالمو! جب نماز وہاں جا کر پڑھتے ہو تو تمہیں کھانا وہاں کا اچھا نہیں لگتا؟ پانی مدینے کا اچھا نہیں لگتا؟ روٹیاں مدینے کی اچھی نہیں لگتیں۔

اور کچھ تو ایسے بھی ہیں جو دل میں پڑھتے ہیں، خورد و نوش منہ مبارک سے مگر نماز دل میں!

شیطان نے بے عملی کا کیا خوبصورت طریقہ اور حیلہ سمجھایا ہے کہ تمہیں نہ وضو کی ضرورت، نہ غسل کی ضرورت، نہ علی الصباح اٹھنے کی ضرورت، نہ مسجد میں جانے کی ضرورت، نہ رکوع سجود کی ضرورت۔ چونکہ تم پہنچے ہوئے ہو اس لئے تم دل کی نماز پڑھ لیا کرو۔

پتہ نہیں یہ کہاں پہنچے ہوئے ہیں، اس نماز کا نسخہ نہ حضور علیہ السّلام کو معلوم، نہ صحابہ کو معلوم، نہ اولیاء اور صلحاء کو معلوم، نہ علماء اور مشائخ کو معلوم۔

سینہ بسینہ منتقل ہونے والا یہ نسخہ تو صرف ان نام نہاد ملنگوں کو معلوم ہے۔ اور دیدہ دلیری دیکھئے کہ حیلوں بہانوں سے نمازیں ہضم کر جانے والے یہ ملنگ اور ان کے بھولے بھالے بے علم عقیدت مندان کو تو اولیاء اور عشاق رسول ﷺ کہتے ہیں اور وہ جن کی بائیس سال تک تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو اور زندگی قال اللہ وقال الرسول ﷺ کا درس دینے میں گذر جائے وہ معاذ اللہ گستاخ رسول!

میرے بزرگو! یہ سب جہالت کے کرشمے میں ورنہ وہ شخص عشق رسول کا دعویٰ ہی کیسے کرسکتا ہے جونماز کے قریب بھی نہ پھٹکتا ہو۔ (ندائے منبر ومحراب ج ۴ص ۱۸۲تا ۱۸۵)

آج ہر شخص نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ عدل قائم کرنا تو صرف حکومت کا کام ہے یا صرف عدالت کی ذمہ داری ہے، ہماری ذمہ داری نہیں ہے، اس غلط تصور کی وجہ سے ہر جگہ نا انصافی ہورہی ہے، ہر جگہ عدل کے تقاضے پائمال ہورہے ہیں، ہر طرف سے فریادیں اُٹھ رہی ہیں کہ عدل نہیں ہورہا۔

مدرسین کو شکایت ہے مہتمم عدل نہیں کرتا، مزدوروں کو شکایت ہے مالک عدل نہیں کرتا، بیوی کو شکایت ہے شوہر عدل نہیں کرتا، شاگردوں کو شکایت ہے اُستاد عدل نہیں کرتا، بچوں کو شکایت ہے والد عدل نہیں کرتا، غریب کو شکایت ہے امیر عدل نہیں کرتا، رعایا کو شکایت ہے حکمراں عدل نہیں کرتا، کارکنوں کو شکایت ہے لیڈر عدل نہیں کرتا، فریادیوں کو شکایت ہے جج عدل نہیں کرتا۔

نظام عدل یوں قائم ہوگا

ہم میں سے ہر شخص کو عدل کے نہ ہونے کی شکایت ہے مگر اپنے دائرہ عمل میں کوئی بھی عدل کرنے کے لئے تیار نہیں، جب کسی کو اختیارات ملتے ہیں تو ظالم درندہ بن جاتا ہے، وہ بھول جاتا ہے کہ کل میں خود اس ظلم کا شکار تھا اور عدل کے نہ ہونے سے پریشان تھا، کل میں خود ظلم کے خلاف تقریریں کرتا اور نعرے لگاتا تھا آج مجھے اللہ نے موقع دیا ہے تو میں کیوں نہ عدل کی پاسداری کروں۔

یاد رکھئے یوں کبھی بھی عدل کا نظام نہیں آئے گا کہ آپ خود تو ظلم کرتے رہیں اور توقع یہ رکھیں کہ پورا معاشر نظام عدل کا محافظ بن جائے، خود تو ظلم کرتے رہیں اور اُمید یہ رکھیں کہ ہم پر حکمران عمر بن عبدالعزیزؒ بلکہ عمر بن خطابؓ جیسے عادل ومنصف آئیں۔ واہ واہ کیسی نرالی سوچ ہے ہماری!

یاد رکھو! جیسے ہم ہوں گے ویسے ہی ہمارے حکمران ہوں گے۔ نبی ﷺ کا سچا فرمان ہے: اعمالکم عمالکم جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی تمہارے حکمراں

ہوں گے۔ جیسی روح ویسے فرشتے جیسا منہ ویسا تھپڑ۔ (ندائے منبرومحراب ج ۴ ص ۲۱۱)

جہاد بالعلم

جہاد بالعلم یہ ہے کہ کتاب وسنت کا ہتھیار ہاتھ میں لے کر جہالت کے خلاف جہاد کرے کیونکہ جہالت تمام برائیوں اور فسادات کی جڑ ہے۔ جاہلیت جدیدہ ہو یا جاہلیت قدیمہ ہو، مشرق کی جہالت ہو یا مغرب کی جہالت ہو بہرصورت جہالت انسانیت کے لئے سم قاتل ہے۔

جہالت سب سے بڑی ظلمت اور سب سے بڑی تاریخی ہے، شب دیجور کی تاریکی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور یہ تاریکی نہ تلوار کی دھار سے دور ہو سکتی ہے اور نہ کلاشنکوف کی گولی سے بلکہ ایٹم بم بھی گرا دیا جائے تو یہ تاریکی دور نہیں ہو سکتی۔ آپ ایٹم بم سے بستیوں کو مسمار کر سکتے ہیں، محلات کو زمین بوس کر سکتے ہیں، انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں، بچوں کو یتیم اور سہاگنوں کو بیوہ کر سکتے ہیں، روئے زمین پر سے نباتات کا نشان تک مٹا سکتے ہیں۔

لیکن آپ ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم سے جہالت کی تاریکی ختم نہیں کر سکتے لوہے کی تلوار سے دشمن کی گردن تو اڑائی جا سکتی ہے مگر اس کے تاریک سینے کو روشن نہیں کیا جا سکتا، تلوار کی دلیل سے دل میں وہ اطمینان پیدا ہو ہی نہیں سکتا جو علمی دلیل سے پیدا ہوتا ہے۔

حضور علیہ السّلام کے واسطے سے ساری انسانیت کو جو پہلا حکم دیا گیا تھا وہ پڑھنے کا حکم تھا جو کہ حصول علم کا پہلا زینہ ہے۔

حضور علیہ السّلام کی تیرہ سالہ مکی زندگی گواہ ہے کہ آپ تیرہ سال تک علمی جہاد کرتے رہے اس وقت تک جہاد بالسیف کی اجازت ہی نہیں تھی اور اس علمی جہاد میں آپ کا سب سے بڑا ہتھیار قرآن کریم تھا کیونکہ رب کریم نے کفر وشرک اور جہالت کی چھائی ہوئی تاریکیوں کے خلاف آپ کو قرآن کی تلوار سے جہاد کرنے کا حکم دیا تھا، فرمایا گیا

فلا تطع الكفرين و جهد هم به جهادا كبيرا

تو کافروں کا کہنا مان اور بذریعہ قرآن کے توان سے جہاد کر، بڑا جہاد۔

اس قرآنی جہاد کو اللہ تعالیٰ نے ''جہاد کبیر'' یعنی بڑا جہاد قرار دیا اور واقعی یہ جہاد کبیر تھا اس جہاد کے مقابلہ میں کفار اور منافقین کی فوجیں نہ ٹھہر سکیں اور وہ شکست پر شکست کھاتے چلے گئے۔

اس میں شک نہیں کہ کشمکش ہوئی، ٹکراؤ ہوا، ابوجہل اور اس کی ذریت نے اپنے لغو پروپیگنڈا سے حق کو دبانا چاہا اور اس کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا مگر انہیں اس محاذ پر منہ کی کھانی پڑی کیونکہ ان کا پروپیگنڈا دلائل و براہین کی قوت سے خالی تھا اور ان کی باتیں بے جان تھیں۔ ایک معمولی عقل و فہم رکھنے والا شخص بھی جب حضور ﷺ کی دعوت اور ان کے پروپیگنڈا کے درمیان ہوا زنہ کرتا تھا تو فوراً جان لیتا تھا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے، حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ صنادید کفار گلی گلی جا کر اور ایک ایک فرد کو پکڑ پکڑ کر سمجھاتے تھے کہ اس مدعی نبوت کی باتوں میں نہ آؤ، یہ تمہیں لڑانے کے لئے آیا ہے، اس کا کلام ایسا ہے کہ جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر اور بیوی میں جدائی ہو جاتی ہے لیکن جب اُن سے توحید و رسالت اور عقیدۂ آخرت کے بارے میں حضور ﷺ کے پیش کردہ ٹھوس دلائل کا جواب مانگا جاتا تھا تو وہ آئیں بائیں شائیں کر کے راہ فرار اختیار کر جاتے تھے۔

رب کریم نے ان کے لغو پروپیگنڈا اور جھوٹی افواہوں کا اپنے کلام مجید میں یوں تذکرہ فرمایا ہے:

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بُجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا اگرچہ کافروں کو کیسا ہی گراں گزرے۔

قرآن کریم میں جو دعوت و تبلیغ پر زور دیا گیا ہے اور موعظۂ حسنہ اور جدال احسن کا جو حکم دیا گیا ہے تو یہ سب جہاد علمی ہی میں داخل ہے، ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ علمی میدان میں حق کی فتح اور باطل کی شکست کے لئے علم حاصل کرے اور اسے اس راستے میں صرف کرے۔ وہ تمام علوم اور وہ تمام زبانیں جن سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہو ان سب حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

ہمارے بزرگوں نے یونانی فلسفہ اور حکمت اسی لیے سیکھے تھے تا کہ ان لوگوں کو شکست دی جاسکے جو حکمت و فلسفہ کے راستے سے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے اور ان پر اپنی علمیت کا رعب جماتے تھے۔

جس طرح اسلحہ و بارود کی جنگ میں یہ ضروری ہے کہ جدید اسلحہ اور جدید ٹریننگ حاصل کی جائے تا کہ اس میدان میں مسلمان، کفار سے پیچھے نہ رہیں اسی طرح ان تمام جدید علوم پر بھی عبور حاصل کرنا ضروری ہے جن کے ذریعے دشمنان اسلام کو علمی میدان میں شکست دی جاسکتی ہے۔ (ندائے منبر و محراب ج ۴ ص ۲۳۹)

ماڈرن اور اونچی سوسائٹی کے لوگ کہلوانے کیلئے ان بیچاروں کو کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور ایمانی غیرت اور بہو بیٹیوں کی عزت و ناموس کا کیسے نیلام کرنا پڑتا ہے حالانکہ ان کو عریانیت اور فحاشی نے دیا کچھ نہیں ہے بلکہ ان سے بہت کچھ لے لیا ہے خاندانی نظام تباہ ہو کر رہ گئے ہیں گھر کا سکون غارت ہو گیا ہے ازدواجی زندگی تلخ ہو گئی ہے، میاں بیوی کا باہمی اعتماد ختم ہو گیا ہے مگر شہوت کے بندوں کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں سوجھ بوجھ رکھنے کے باوجود سوچتے نہیں ہیں سمجھتے نہیں ہیں عمل نہیں کرتے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے بار بار سمجھایا ہے اور پردے کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرے رضاعی باپ ابوالقعیس کے بھائی افلح نامی نے پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد میرے پاس آنے کی اجازت چاہی میں نے کہا کہ جب تک نبی ﷺ سے اس بارے میں شرعی اجازت کا پتہ نہ لگا لوں گی ان کو اندر آنے کی اجازت نہ دونگی جب نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے واقعہ عرض کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں اس بات سے کیا چیز روکتی ہے کہ اپنے (دودھ کے رشتہ کے) چچا کو اپنے پاس آنے دو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے مرد نے دودھ نہیں پلایا ہے (جو اس کے بھائی کے سامنے آجاؤں) بلکہ مجھے ابوالقعیس کی بیوی نے دودھ پلایا ہے (جس کا افلح سے کچھ بھی رشتہ نہیں کیونکہ وہ اس عورت کا دیور ہے) یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ افلح کو اپنے پاس آنے کی اجازت دو کیونکہ وہ تمہارا چچا ہے تیرا بھلا ہو حضرت عروہ بن زبیرؓ نے فرمایا (جو حضرت عائشہؓ کی بہن کے لڑکے تھے) کہ اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ نسب کی وجہ سے جن رشتوں کو

حرام سمجھتے ہو دودھ کی وجہ سے بھی ان کو حرام سمجھو۔

ابوالقعیس کی بیوی نے حضرت عائشہؓ کو بچپن میں دودھ پلایا تھا لہٰذا ابوالقعیس انکے باپ ہو گئے اور دودھ کے رشتے سے انکے بھائی افلح حضرت عائشہؓ کے چچا ہو گئے لیکن جب افلح نے انکے پاس جانا چاہا تو انہوں نے روک دیا اور چونکہ پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا اس لئے ان کے سامنے آنے کو بے پردگی سمجھا۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ ان عورتوں پر رحم کرے جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں (مکہ سے مدینے کو) ہجرت کی جب اللہ پاک نے ویضر بن بخمرھن علی جیو بھن نازل فرمایا تو انہوں نے اپنی موٹی چادروں کو کاٹ کر دوپٹے بنا لئے۔

زمانہ جاہلیت میں عورتوں کا دستور تھا کہ دوپٹوں سے اپنے سروں کو ڈھانک کر باقی دوپٹہ کمر پر ڈال لیتی تھیں مسلمان عورتوں کو حکم ہوا کہ اپنے دوپٹوں سے سر بھی ڈھانکیں اور گلے اور سینے پر ڈالے رہا کریں چونکہ صحابیات کے پاس مال و دولت کی اس قدر فراوانی نہ تھی کہ وہ نئے دوپٹے خریدتیں اس لئے انہوں نے اس حکم کو سن کر موٹی موٹی چادروں کے دوپٹے بنا لئے اور ان سے اپنے گلوں اور سینوں کو بھی ڈھانکنے لگیں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ (نامحرم) عورتوں کے پاس مت جایا کرو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ عورت کی سسرال کے مردوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ سسرالی رشتہ دار تو موت ہیں۔

بگڑی ہوئی اولاد

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ والدین جس اولاد سے بڑی بڑی توقعات لگائے ہوئے ہوتے ہیں وہ ان کی زندگی کو اجیرن بنا دیتی ہے ان کے دن کا سکون اور رات کی نیند حرام کر دیتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات والدین تنگ آ کر کہہ دیتے ہیں اے کاش تو نے جنم ہی نہ لیا ہوتا اور کبھی تو وہ ایسے دلبرداشتہ ہوتے ہیں کہ بددعا کر بیٹھتے ہیں کہ "اللہ تمہیں اٹھا لے تم پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو" لیکن بددعا کرنے سے پہلے کبھی والدین نے یہ سوچنے کی بھی زحمت گوارا کی کہ اولاد کا بگاڑ کہیں ہماری غلط تربیت کا نتیجہ تو نہیں اگر تم نے اولاد کی صحیح تربیت کی ہوتی تو تمہیں یہ روز بد دیکھنا نہ پڑتا تم ان کا لاڈ پیار اور نخرے دیکھتے ہے تم تو بس

یہی سمجھتے رہے کہ ابھی تو بچے ہیں ابھی تو ان کے کھیلنے کودنے کا وقت ہے تم تو ان کو گالیوں پر شاباش دیتے رہے تم تو مہمانوں کے سامنے ان سے ڈانس کرواتے رہے یہ ماں جو آج اپنی بگڑی ہوئی اولاد سے پریشان ہے اس وقت کتنے فخر سے سینہ پھلا کر کہتی تھی ''اے ہے دیکھو ماشاء اللہ میری بیٹی صرف سات برس کی ہے مگر کتنی مہارت ہے ڈسکو ڈانس کرتی ہے اور منے کو دیکھو ابھی چھ برس کا ہے مگر فلاں فلاں گانا اس کو پورا یاد ہے'' یاد رکھو! تم اپنی ہی بوئی فصل کو کاٹ رہے ہو اگر تم ببولوں کے بیج بو کر گل و لالہ کے اگنے کی توقع رکھتے ہو تو یہ نری حماقت اور سراسر نادانی ہے۔ (ندائے منبر و محراب ج ۲ ص ۳۳۶)

شریک جرم

حقیقی یتیم وہ بچہ ہے جو ماں باپ کی شفقت سے ان کی توجہ سے اور ان کی تربیت سے محروم رہتا ہے یہ بچہ بڑا ہو کر جب جرائم کی دنیا میں قدم رکھتا ہے اور چوری، ڈکیتی اور قتل و غارت گری کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے والدین بھی اس صورت میں اس کے جرم میں برابر کے شریک ہونگے جب انہوں نے بچپن میں اسے اسلامی اخلاق نہ سکھائے ہوں اور اس کی تعلیم و تربیت پر کماحقہ توجہ نہ دی ہو وہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک نوجوان قتل کرنے کے جرم میں گرفتار ہوا، جج نے اسے پھانسی کی سزا سنائی تو اس نے درخواست کی میرے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈالنے سے پہلے مجھے اپنی والدہ سے ملنے کا موقع دیا جائے والدہ کو لایا گیا تو اس نے کہا کہ میں تمہارے کان میں کچھ ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ ماں نے کان قریب کیا تو اس نے ماں کے کان کو کاٹ کھایا، جج نے کہا کہ یہ تم نے کیا ظلم کیا، تمہیں اپنی والدہ کا کام کاٹتے ہوئے شرم نہیں آئی، مجرم نے جواب دیا فی الوقت میں اسے یہی سزا دے سکتا ہوں اگر موقع ہوتا تو شاید میں اسے اس سے بھی بڑی سزا دیتا یہ وہ عورت ہے جس نے مجھے جن تو لیا لیکن میری تعلیم و تربیت کی طرف کوئی توجہ نہ دی بلکہ یہ میرے چھوٹے موٹے جرائم پر میری حوصلہ افزائی کرتی رہی، میں لوگوں سے جھگڑتا تھا تو یہ میری پیٹھ ٹھونکتی تھی مجھے شاباش دیتی تھی اگر یہ ابتداء ہی میں مجھے روکتی ٹوکتی اور سمجھاتی رہتی تو آج میرے ہاتھوں قتل ناحق نہ ہوتا، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بے شمار مجرم ایسے ہیں جو ابتداء میں ننھے منے جرائم کرتے

ہیں اور پھر ہوتے ہوتے سینئر قسم کے مجرم بن جاتے ہیں اور بلا خوف وخطر بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ (ندائے منبر ومحراب ج۲ص ۳۳۸)

کسی چیز کی ابتداء تو بسا اوقات بہت معمولی اور معصوم ہوتی ہے لیکن وہ آگے چل کر بہت بڑی بن جاتی ہے۔

قطروں کو جمع کیا جاتا ہے تو دریا بن جاتا ہے، ذرے مل جاتے ہیں تو پربت بن جاتا ہے، بنولے پر محنت کی جاتی ہے تو شاہانہ لباس بن جاتا ہے، بچوں کی نگہداشت کی جاتی ہے تو وہ پھول بن کر گلشن کو معطر کر دیتے ہیں، موتی پروئے جاتے ہیں تو حسینوں کے گلے کی مالا تیار ہو جاتی ہے، ستارے مجتمع ہو جائیں تو کہکشاں بن جاتی ہے، مجاہدین کو منظم کیا جائے تو وہ بنیان مرصوص بن جاتے ہیں، افراد پر محنت کی جاتی ہے تو وہ محدث بنتے ہیں مفسر بنتے ہیں، مجاہد بنتے ہیں زمانے کے امام اور پیشوا بنتے ہیں زاہد اور پارسا بنتے ہیں۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ چنگاری کو نہ بجھایا جائے تو وہ شعلہ بن کر خرمن کو بھسم کر دیتی ہے، خودرو جھاڑیوں کو نہ کاٹا جائے تو جھاڑ جھنکار کا ایک خوفناک جنگل تیار ہو جاتا ہے، دریا سے رسنے والے پانی کو بند نہ کیا جائے تو وہ سیلاب بلا بن جاتا ہے۔

سوسائٹی میں پائی جانے والی غلاظتوں کا سد باب نہ کیا جائے تو عذاب خدا بن جاتا ہے، بچوں کی تربیت نہ کی جائے تو وہ ڈاکو اور لٹیرے بن جاتے ہیں، ہیروئنچی اور چرسی بن جاتے ہیں قاتل اور غارت گر بن جاتے ہیں۔

جو والدین بچپن ہی سے بچوں کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کا نام بٹھا دیتے ہیں اور ان کی تربیت پر پوری توجہ دیتے ہیں تو ان کے بچے اکثر وبیشتر بڑے ہو کر صراط مستقیم پر جمے رہتے ہیں۔ تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

(ندائے منبر ومحراب ج۲ص ۳۳۹)

کرکٹ

میرے ساتھیو! اسلام دین فطرت ہے، فطرت کے جتنے تقاضے ہیں ان کی جائز طریقے سے تکمیل کی اسلام نے اجازت دی ہے۔

اسلام رہبانیت کا مذہب نہیں، اسلام یہ نہیں کہتا کہ فطرت کو دبا دو اور پہاڑوں اور جنگلوں میں عبادت وریاضت میں لگے رہو دنیا میں ایسے مذہب بھی تھے جن کی تعلیم یہ تھی کہ اللہ اس وقت راضی ہوتا ہے جب دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔

اللہ اس وقت راضی ہوتا ہے جب عزیز واقارب اور بیوی بچوں سے دور رہا جائے۔

اللہ اس وقت راضی ہوتا ہے جب اچھا لباس اور اچھا کھانا چھوڑ دیا جائے، چنانچہ ان مذاہب میں اللہ والے وہ کہلاتے تھے جو دنیا سے دور رہتے تھے، جن کے چہروں پر بھولے سے بھی کبھی مسکراہٹ نہیں آتی تھی۔

وہ خوشی کی کسی تقریب میں شرکت نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ نفس کا ہر وہ تقاضا جو جائز ہو اگر شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے پورا کیا جائے تو اس کی تکمیل عبادت ہے۔

اس نظریے کے مطابق کھانا پینا بھی عبادت بن سکتا ہے محنت اور ملازمت بھی عبادت بن سکتی ہے۔ شادی بیاہ بھی عبادت بن سکتا ہے، ازدواجی حقوق کی ادائیگی بھی عبادت بن سکتی ہے، مخلوق خدا کی خدمت بھی عبادت بن سکتی ہے یہاں تک کہ کھیل کود بھی عبادت بن سکتا ہے۔

کیونکہ کھیل کود اور ہنسی مذاق انسانی فطرت کا ایک جائز تقاضا ہے۔ ہمارے آقا

ہنسی مذاق بھی کرتے تھے، کشتیاں بھی لڑتے تھے، دوڑ بھی لگاتے تھے، تیراندازی بھی کرتے تھے، گھوڑوں کے مقابلے میں بھی حصہ لیتے تھے لیکن اسلام نے ہر چیز کی کچھ حدود متعین کی ہیں یہاں تک کہ عبادت کی بھی کچھ حدود ہیں جو ان حدود سے تجاوز کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔

مثلاً ظہر کی چار رکعتیں فرض میں اگر کوئی پانچ پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔ عصر کی نماز میں خاموشی سے قرأت کرنا ضروری ہے اگر کوئی بلند آواز سے کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز جائز نہیں اگر کوئی پڑھے گا تو گنہگار ہو گا۔ نماز میں مسجد حرام کی طرف رخ ضروری ہے اگر کوئی مسجد اقصیٰ کی طرف کرے گا تو گنہگار ہوگا حالانکہ مسجد اقصیٰ ہمارا قبلہ اول ہے۔ تو نماز کی بھی حدود ہیں، روزے کی بھی حدود ہیں، حج کی بھی حدود ہیں، جہاد کی بھی حدود ہیں، جب ان عظیم عبادات کی حدود ہیں تو آخر کھیل کود کی حدود کیوں نہ ہوں۔

ہاں میں مانتا ہوں کہ کافروں اور مشرکوں کے ہاں کھیل کود کی کوئی حد نہیں جیسے چاہو اور جو چاہو کھیلو سب جائز ہے لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں اسلامی حدود کو سامنے رکھ کر کھیلنا ہوگا۔

آج ہمارے ہاں جو کھیل کھیلے جا رہے ہیں ان میں سب سے زیادہ مقبول کھیل کرکٹ ہے، لوگوں کے دل ودماغ پر کرکٹ چھا گیا ہے کیا مرد اور کیا عورتیں سب اس کھیل کے شیدائی ہیں حد تو یہ کہ اب دینی مدارس کے طلبا اور بعض علماء بھی اس کھیل کے دیوانے نظر آتے ہیں لیکن میری ناقص سوچ اور تجربے کے مطابق یہی وہ کھیل ہے جس میں اسلامی حدود کو کھلم کھلا پائمال کیا جا رہا ہے۔

کوئی ایک خرابی ہو تو اس کا ذکر کیا جائے اب تو یہ کھیل دن بدن نئی نئی خرابیوں کو جنم دے رہا ہے۔ پہلی خرابی تو کرکٹ میں یہ ہے کہ اس میں انہماک کی وجہ سے نمازیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ جن دنوں جمعہ کی چھٹی ہوتی تھی ان دنوں میچ بھی جمعہ کے دن ہوتے تھے جن کی وجہ سے ہزاروں لوگ میچ نہیں چھوڑتے تھے البتہ نماز جمعہ چھوڑ دیتے تھے۔

کھلاڑیوں کو تو چھوڑیئے تماشائیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب تک میچ ختم نہ ہو جائے ان کا نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہتا اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو اتنی بے توجہی کے ساتھ کہ

ہونٹ ہل رہے ہوتے ہیں ورنہ دل، کہیں اور ہوتا ہے۔ پھر کچھ تماشائی تو وہ ہوتے ہیں جو گراؤنڈ میں جا کر میچ دیکھتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو ٹی وی پر میچ دیکھتے ہیں یا ریڈیو پر کمنٹری سنتے ہیں ان کا حال بھی گراؤنڈ والوں کی طرح بہت برا ہوتا ہے۔

صبح سے جو ٹی وی کے سامنے بیٹھتے ہیں تو شام تک اٹھنے کا نام نہیں لیتے۔ جسے دیکھو کان کے ساتھ ریڈیو لگائے لگائے پھرتا ہے۔ موٹر سائیکل چلا رہے ہوں تو بھی کان کے ساتھ ریڈیو لگائے رکھتے ہیں کتنے ہی لوگ ہیں جن کا اسی وجہ سے ایکسڈنٹ ہو گیا۔

تو کرکٹ میں پہلی خرابی یہ ہے کہ اللہ کا عظیم حق جو نماز ہے وہ ضائع ہو جاتا ہے کرکٹ میں دوسری خرابی یہ ہے کہ اس کی وجہ سے حقوق العباد ضائع ہوتے ہیں میچ ہو رہا ہو تو ڈاکٹر مریضوں کو بھول جاتے ہیں۔ شوہر بیویوں کو بھول جاتے ہیں، بیویاں گھر کا کام کاج بھول جاتی ہیں، ملازمین اپنی ذمہ داریاں بھول جاتے ہیں، لیڈر رعایا کو بھول جاتے ہیں، والدین بچوں کو بھول جاتے ہیں، بچے والدین کو بھول جاتے ہیں، اساتذہ شاگردوں کو بھول جاتے ہیں، شاگرد، اساتذہ کو بھول جاتے ہیں۔

پوری قوم کو بخار چڑھ جاتا ہے، آپ نے انفرادی بخار تو چڑھتے دیکھا ہو گا مگر اجتماعی بخار دیکھنا ہو تو اس وقت دیکھیں جب کرکٹ میچ ہو رہا ہو، مالک سے مزدور تک، لیڈروں سے عوام تک اور عوام سے خواص تک اس بخار میں مبتلا نظر آتا ہے۔

کرکٹ میں تیسری خرابی یہ ہے کہ اب یہ کھیل فحاشی اور بے حیائی کا سلوگن بن گیا ہے۔ کرکٹ کے میدان میں ہماری مائیں بہنیں جس بے باکی کے ساتھ اچھلتی کودتی اور تالیاں بجاتی ہیں وہ منظر شرم و حیا کی موت کا منظر ہوتا ہے۔

اب تو چشم بدور خواتین کی بھی کرکٹ ٹیم بن گئی ہے۔ اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ماڈرن امیر المومنین صاحب اس ٹیم کی بڑی حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔

کرکٹ میں چوتھی خرابی یہ ہے کہ اس میں بے پناہ وقت ضائع ہوتا ہے بعض اوقات پورا پورا مہینہ میچ جاری رہتے ہیں اور یوں پورا پورا مہینہ فیکٹریاں، مدرسے، دفتر اور اسکول متاثر ہوتے ہیں نہ کام ہوتا ہے نہ پڑھائی ہوتی ہے۔

کتنے ہی بچے اور نوجوان ہیں جو گھر سے پڑھنے کے لیے نکلتے ہیں لیکن کھیل کے

گراؤنڈ پہنچ جاتے ہیں اور یوں ان کا پورا دن اس فضول کھیل میں ضائع ہو جاتا ہے۔اب تو نائٹ میچوں کی رسم چل نکلی ہے، بجلی کے تیز قمقمے جلا کر رات بھر نوجوان میچ کھیلتے ہیں اور صبح سو رہتے ہیں، رات بھر کھیلتے گذر گئی اور دن سونے میں گذر گیا، نہ نماز پڑھی نہ گھر کا کام کیا نہ کتابیں اٹھا کر دیکھیں، بتلائیے یہ وقت کا ضیاع نہیں تو اور کیا ہے، بلکہ صرف وقت کا ضیاع نہیں شخصیت کا بھی ضیاع ہے جس نوجوان کے دن رات یوں بسر ہوتے ہوں اس کی شخصیت کی تعمیر کیسے ہوگی۔

میرے دوستو! اسلام کھیلنے سے منع نہیں کرتا مگر کھیل ایسا ہو جس میں شرم و حیا کے تقاضے ملحوظ رکھے جائیں۔ کھیل ایسا ہو جس کی وجہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ضائع نہ ہوں۔ کھیل ایسا ہو جس سے جسمانی ورزش ہو تا کہ ہم اس جسم کو جہاد میں لگا سکیں، حصول علم میں لگا سکیں، عبادات کی ادائیگی میں لگا سکیں، کسب معاش میں لگا سکیں انسانیت کی خدمت میں لگا سکیں۔

لیکن وہ کھیل جو ہمیں عبادت سے، علم سے، عمل سے، کسب معاش سے، حیا سے اور اخلاق سے محروم کر دے ایسے کھیل کو دفن کر دینا چاہیے اور حقیقت یہی ہے کہ کرکٹ کا کھیل کچھ ایسا ہی کھیل بن گیا ہے۔اس کھیل نے نوجوانوں سے جذبۂ جہاد چھین لیا ہے، اچھے اخلاق سے انہیں محروم کر دیا ہے، شرم و حیا سے انہیں عاری کر دیا ہے اولاد کو والدین سے باغی کر دیا ہے۔

طلباء کو درسگاہ سے متنفر کر دیا ہے، اب تو اس کھیل میں جوا بھی ہے جب بڑے میچ ہوتے ہیں تو کروڑوں روپے کا جوا کھیلا جاتا ہے اور افسوس یہ کہ سب سے زیادہ جوا مسلمان ملکوں میں کھیلا جاتا ہے۔

میرے دوستو!

ہمیں اس کھیل کے خلاف آواز اٹھانی ہوگی، ہمیں اس میں پیدا ہو جانے والی خرابیوں کو دوٹوک انداز میں بتانا ہوگا۔اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات کہنے کی اور حق پر قائم رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (پچاس تقریریں ج۲)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟

اندازہ فرمائیے کہ خطاب ہے نبی اکرم ﷺ کی پاکدامنی اور باحیا بیویوں کو اور اُن سے بات کرنے والے اکثر و بیشتر تھے صحابہ کرامؓ جن کی وہ روحانی مائیں تھیں اور جن کے دل میں اُن کا بے حد ادب واحترام تھا اور اُن سے بات بھی وہ پردے کے پیچھے کرتی تھیں اور بات بھی اکثر دینی مسائل اور حضور ﷺ کے معمولات کے بارے میں ہوتی تھی، لیکن اس کے باوجود حکم دیا گیا کہ کسی کے ساتھ لوچ دار لہجے میں بات نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے دل میں بُرا خیال آئے، جب ازواج مطہرات کو اپنے روحانی بیٹوں کے ساتھ نزاکت کے لہجے میں بات کرنیکی اجازت نہیں تو چودھویں اور پندرھویں صدی کے کسی رقاصہ اور گلوکارہ کو بن سنور کر بھوکے بھیڑیوں کے سامنے ٹھمکہ لگانے اور شہوت انگیز گانا گانے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

کسی ایئر ہوسٹس کو مسافروں کا دل بہلانے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے، کسی خاتون سیکرٹری کو ملاقاتیوں کو ویلکم کہنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے، کسی نوجوان عورت کو غیر محرم مردوں کے ساتھ میل ملاپ کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے، کسی بھی خاتون کو صدر اور وزیر اعظم بننے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

بہت سے خوف خدا سے عاری لوگ بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ جناب موسیقی تو روح کی غذا ہے مگر یہ کیسی غذا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ملعون قرار دیا، جس سے شہوانیت غالب آتی ہے اور روحانیت مغلوب ہو جاتی ہے، جس سے نفاق اور قساوت پیدا ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ذکر وتلاوت اور عبادت واطاعت کی لذت ختم ہو جاتی ہے، جو مسلمان بیٹیوں کو بے حجاب اور بے حیا بنا دیتی ہے، جو انسان کو دینی اور دنیوی ذمہ داریوں

سے غافل کردیتی ہے، یہ تو میرے دوست! نشہ ہے جسے تو غذا سمجھ بیٹھا ہے۔

یہ تو افیون، بھنگ، چرس، شراب اور ہیروئن کی طرح ایک نشہ ہے جو انسان کو وقتی طور پر لذت دیتا ہے اور اسے دنیا و مافیہا سے غافل کردیتا ہے پھر یہ بھی تو سوچو کہ بہتسارے بگڑے ہوئے نوجوان ہیروئن اور بھنگ چرس کو بھی تو غذا جانتے ہیں تو کیا ہم بھی ان کو غذا مان لیں۔

اگر بالفرض موسیقی غذا ہے تو جان لو کہ یہ شیطان اور شیطان کے چیلے چانٹوں کی غذا ہے۔ یہ حیوانوں اور موذیوں کی غذا ہے اسی لئے اونٹ اور سانپ موسیقی سُن کر طرب میں آجاتے ہیں۔

یہ قیصر و کسریٰ اور یہود و نہود کی غذا ہے، مسلمان کی روح کی غذا قرآن کی تلاوت ہے، مسلمان کی روح کی غذا خدا اور اس کے رسول کی حمد وثنا ہے، مسلمان کی روح کی غذا نماز اور ذکر واستغفار ہے۔

حکایت بھنگی کی

جس مسلمان کی روح کی غذا موسیقی ہے، اس کی روح اصل میں زنگ آلود ہو چکی ہے اور اُس کی حس لطیف فاسد ہوگئی ہے اور اس کی مثال گندگی صاف کرنے والے اُس بھنگی کی سی ہے جو ایک دن عطر کی دکان کے سامنے سے گذرا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا، لوگوں نے اُسے ہوش میں لانے کی بہت کوشش کر دیکھی مگر وہ ہوش میں نہیں آیا، اتفاق سے وہاں سے اُس کی برادری کے ایک آدمی کا گذر ہوا، اُس نے سارا ماجرا دیکھا تو لوگوں سے کہا آپ حضرات پریشان نہ ہوں، اس کا علاج میں جانتا ہوں، وہ بھاگا ہوا گیا اور تھوڑی سی غلاظت کہیں سے لے آیا اور اپنے بیہوش بھائی کی ناک کے قریب اُس گندگی کو رکھ دیا، تو وہ فوراً ہوش میں آگیا، لوگ حیران رہ گئے کہ یہ کیسے ہوگیا، اُس معالج بھنگی نے لوگوں کو سمجھایا کہ بھائیو، ہر وقت گندگی میں رہنے کی وجہ سے اب گندگی کی بدبو اس کے مزاج میں رچ بس گئی ہے اب یہ خوشبو سونگھتا ہے تو اس کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔

یہی حال اُس مسلمان کا ہے جو مسلمان ہونے کے باوجود قرآن پڑھتا ہے تو اسے وحشت ہوتی ہے، اور موسیقی سُنتا ہے تو اُسے لذت محسوس ہوتی ہے۔

قوم کا مزاج

دراصل بات یہ ہے کہ قوم کا مزاج بدل گیا ہے، یہ قوم جس کی، کبھی حالت یہ تھی کہ اُسے قرآن سننے سے وجد آتا تھا اب اسے قوالیوں میں وجد آتا ہے کبھی اس کے دل کو تلاوت سے سکون ملتا تھا اب میوزک سے اُسے راحت ملتی ہے کبھی اس کی روح کی غذا اللہ کا ذکر ہوتا تھا اب اس کی روح کی غذا موسیقی ہے، کبھی اس کی بیٹی اور بہن کا اجنبیوں کے سامنے جانا ناقابل برداشت تھا آج وہ تھرکتی ناچتی بیٹی پر فخر کرتی ہے۔

پہلے جن کو ڈوم، بھانڈا اور کنجر کہا جاتا تھا اب اُنہیں فنکار ایکٹر اور گلوکار کہا جاتا ہے۔ اب تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ دیندار طبقہ تقریر بھی بغیر سُر اور خوش الحانی کے پسند نہیں کرتا، چنانچہ کامیاب اور عوامی خطیب کے لئے آدھا گویا ہونا بھی ضروری ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایسے جاہل اور کم علم بلکہ بے علم خطیبوں نے میدان خطابت پر قبضہ جما رکھا ہے، جن کے پاس سوائے خوش الحانی اور گپ بازی کے کوئی کمال نہیں، تو لوگوں کا گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اپنا مزاج تو بدل ہی گیا ہے، اب وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا مزاج بھی بدل ڈالیں لیکن اسلام کے احکام ہماری نفسانی خواہشات کی بناء پر نہیں بدل سکتے۔ لہٰذا میں آپ سے درخواست کروں گا کہ خدارا اسلام کو بدلنے کے بجائے اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کریں اور ان نقصانات کو محسوس کریں جو موسیقی اور غنا اور رقص وسرود جیسے عظیم گناہ میں جراثیم کی طرح چھپے ہوئے ہیں۔

(ندائے منبر ومحراب ج ۱ ص ۲۴۹ تا ۲۵۱)

فلمیں اور ڈرامے

نحمده و نصلی علی سیدنا و رسولنا الکریم اما بعد فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم

بسم الله الرحمٰن الرحیم

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لهم عذاب الیم. صدق الله العظیم

غضب ہے یہ فلموں کی وبا بھی
ہر ایک مبتلا ہے بُرا بھی بھلا بھی
ترا اے نئی روشنی منہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے باہر اجالا

محترم سامعین! یہ دور حقیقت میں فتنوں کا دور ہے، ہر طرف فتنے ہی فتنے ہیں، شیطان نے اتنے جال بچھا رکھے ہیں کہ ان سے بچ کر نکلنا بڑا مشکل ہے، اس زمانے میں ایمان پر قائم رہنے والا واقعی بہت بڑا مجاہد ہوگا۔

آپ خود سوچیے جب ہر طرف عریانیت ہو، شاہراہوں پر فحاشی اور بے حیائی ہو، رسالوں اور اخبارات میں غلاظت اور گندگی ہو، ٹی وی اور وی سی آر پر فحش مناظر ہوں تو بے حیائی کے اس سیلاب میں اگر کوئی شخص اپنا ایمان بچالے تو اسے مجاہد نہیں تو اور کیا کہا جائے گا اسے تو قدم قدم پر لڑنا پڑے گا۔

معاشرتی برائیوں سے لڑنا پڑے گا، خاندان اور قبیلے سے لڑنا پڑے گا۔ اپنے نفس اور اپنی خواہشات سے لڑنا پڑے گا۔ فحاشی اور بے حیائی کو فروغ دینے میں سب سے مؤثر

کردار فلموں اور ڈراموں کا ہے۔ ٹی وی اور وی سی آر نے ہر گھر کو سینما گھر بنا دیا ہے، شرفاء کے گھرانے بھی اس لعنت سے محفوظ نہیں رہے۔

ان فلموں اور ڈراموں میں بے شمار مفاسد اور خرابیاں پائی جاتی ہیں میں وقت کی قلت کی وجہ سے چند خرابیاں عرض کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

پہلی خراب جو فلموں اور ڈراموں میں پائی جاتی ہے وہ وقت کا ضیاع ہے ممکن ہے بعض لوگوں کی نظر میں وقت کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو حالانکہ دنیا کی ہزاروں نعمتیں ایسی ہیں جو روپے پیسے سے خریدی جا سکتی ہیں لیکن وقت، روپے پیسے سے نہیں خریدا جا سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحة والفراغ

دو نعمتوں کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں پڑے ہیں ایک صحت اور دوسری فراغت۔

صحت اور فراغت کو اللہ کی عبادت کے بجائے فضول کاموں میں ضائع کیا جا رہا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو گھنٹوں ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر فلمیں اور ڈرامے دیکھتے رہتے ہیں سورہ فاطر میں ہے کہ قیامت کے دن اپنی زندگی کو فضول کاموں میں ضائع کرنے والے جب جہنم میں پڑے ہوں گے تو چیخ چیخ کر کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم کو جہنم سے نکال دے اب ہم اچھے کام کیا کریں گے تو ان سے کہا جائے گا۔

اولم نعمر کم ما یتذکر فیه من تذکر

کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا۔

تو پہلی چیز جوان فضولیات میں ضائع ہو رہی ہے وہ وقت ہے۔ دوسری چیز جو ناچ گانے اور فلموں کی کثرت کی وجہ سے ضائع ہو رہی ہے وہ نئی نسل ہے۔

چھوٹے چھوٹے بچے اور نوجوان جو کچھ فلموں میں دیکھتے ہیں وہی کچھ اسی انداز میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فلموں میں مار دھاڑ دیکھتے ہیں تو وہ مار دھاڑ کرنے لگتے ہیں۔ فلموں میں اسلحے کا بے تحاشا استعمال دیکھتے ہیں تو وہ حقیقی زندگی میں اسلحہ چلانے لگتے

ہیں۔ فلموں میں چوری چکاری کے مناظر دیکھتے ہیں تو اپنی اصلی زندگی میں وہ بھی وارداتیں شروع کر دیتے ہیں۔ معاشقے کی داستانیں دیکھتے ہیں تو وہ بھی عشق لڑانے لگتے ہیں۔

برطانیہ میں ایک سروے کیا گیا اور اس کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ برطانیہ میں ایک بچہ سولہ سال کی عمر تک مختلف پروگراموں میں قتل کی تقریباً پچاس ہزار وارداتیں دیکھ چکا ہوتا ہے، آپ خود سوچیے کہ جس بچے نے صرف سولہ سال کی عمر میں قتل کی پچاس ہزار وارداتیں دیکھ لی ہوں اس کے ذہن میں قتل اور مار دھاڑ کا تصور راسخ نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

کتنے ہی مجرم ہیں جنہوں نے گرفتار ہونے کے بعد اقرار کیا کہ ہم نے اس جرم کا منصوبہ فلاں دیکھنے کے بعد بنایا تھا۔ میرے دوستو! ہمارے مسلمان ملک میں جو قتل و غارتگری کا طوفان آیا ہوا ہے، بنکوں میں، گھروں میں، فیکٹریوں میں اور عام شاہراہوں پر ڈاکے پڑ رہے ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں ان نوجوانوں نے یہ سب کچھ کہاں سے سیکھا ہے۔

کسی کنجر خانے میں؟ کسی ڈاکو اور بدمعاش سے؟

نہیں ہر گز نہیں، معاف کیجئے گا انہوں نے یہ سب کچھ اپنے ابا، اور اپنی امی کے پہلو میں بیٹھ کر غلاظت بھرے پروگرام دیکھ کر سیکھا ہے۔ ان گندی فلموں اور ڈراموں سے نوجوان نسل کے صرف اخلاق ہی تباہ نہیں ہو رہے بلکہ اس کی صحت بھی تباہ ہو رہی ہے، ان کے دیکھنے سے بینائی کمزور پڑ جاتی ہے، دماغ متاثر ہوتا ہے اور زیادہ دیر بیٹھنے سے نظام ہضم بھی خراب پڑ جاتا ہے۔

عکسی تصویر کا مشہور ماہر ڈاکٹر ''آہل کروب'' ٹی وی کی شعاعوں سے کینسر جیسے مہلک مرض کا شکار ہو گیا، اس مرض سے نجات کے لئے چھیانوے دفع اس کا سرجری آپریشن کیا گیا مگر اسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس نے مرنے سے پہلے نہایت تلخی کے ساتھ کہا تھا ''گھروں میں ٹی وی کا وجود ایک جان لیوا کینسر کی مانند ہے جو بچوں کے جسموں میں رفتہ رفتہ سرایت کرتا ہے''۔

صحت کے علاوہ ان فلموں وغیرہ کے بنانے، چلانے اور دیکھنے دکھانے پر بے حساب دولت بھی ضائع کی جا رہی ہے، ایک ایک فلم کی تیاری پر لاکھوں ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔ غریب گھرانے بھی پیٹ کاٹ کر ٹی وی اور وی سی آر خریدتے ہیں جبکہ ہمیں ان سے

حاصل کیا ہو رہا ہے؟ بے حیائی اور بے دینی۔

آپ اپنے اردگرد کا جائزہ لے لیجئے جو نوجوان مسلسل فلمیں دیکھتے ہیں وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں وہ حیا سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان کے اندر دینداری والی شان باقی نہیں رہتی۔

میرے بزرگو اور دوستو! آپ نے سن لیا کہ ان فلموں اور ڈراموں سے ضائع تو بہت کچھ ہوتا ہے لیکن حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا۔

وقت ضائع ہوتا ہے، دولت ضائع ہوتی ہے، صحت ضائع ہوتی ہے، شرم و حیا ضائع ہوتی ہے، نئی نسل ضائع ہوتی ہے، دین ضائع ہوتا ہے اور آخرت کی زندگی ضائع ہوتی ہے۔ اگر اتنا کچھ ضائع ہونے کے باوجود بھی ہم ان چیزوں میں دلچسپی لیتے ہیں تو یہ بڑے خسارے کی بات ہے یہ دنیا کا بھی خسارہ ہے اور آخرت کا بھی خسارہ ہے۔ میں اپیل کرتا ہوں اپنے نوجوان ساتھیوں سے کہ خدارا ان غلیظ فلموں سے اپنا دامن بچائیں۔

میں درخواست کرتا ہوں معزز والدین سے کہ خدارا اپنی اولاد کی زندگی فلمیں دکھا دکھا کر تباہ نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا نفع اور نقصان سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العلمین

(پچاس تقریریں ج۲)

گداگری

یایها الذین امنو کلو من طیبت ما کسبتم صدق الله العظیم

تو نے اے مسلم کچھ اپنی قدر پہچانی بھی ہے
تو ہے انساں تجھ میں لیکن شان یزدانی بھی ہے
فرش پر ہیں پاؤں ترے، عرش پر ہے سر ترا
نصف تو خاکی ہے لیکن نصف نورانی بھی ہے

میرے ہم فکر اور ہم سفر ساتھیو! انسان اشرف المخلوقات ہے، انسانوں کے جدامجد حضرت آدم علیہ السّلام کے سامنے فرشتوں کو جھکا کر اللہ نے سمجھا دیا کہ انسان اگر واقع انسان ہو تو وہ فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے، انسان کو یہ تعظیم اور تکریم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

ولقد کرمنا بنی آدم و حملنهم فی البر والبحر ورزقنهیم من الطیبت وفضلنهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا

یعنی ہم نے بنی آدم کو فضیلت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ روزی دی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو فضیلت دی۔

سورہ تین میں اللہ تعالیٰ نے انجیر کی قسم، زیتوں کی قسم، طور سینا کی قسم اور امن والے شہر مکہ معظمہ کی قسم اٹھا کر فرمایا:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

''ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں تخلیق کیا ہے''

یہ انسان اگر واقعی انسان ہو تو یہ ساری مخلوق سے زیادہ مکرم محترم اور معزز مخلوق

ہے۔سب سے زیادہ حسین مخلوق ہے۔سورج سے بھی زیادہ حسین، چانداور ستاروں سے بھی زیادہ حسین، لیکن یہ مکرم اور محترم مخلوق، یہ حسین وجمیل مخلوق بعض اوقات ایسی حرکتیں کرتا ہے جن کی وجہ سے یہ درجۂ انسانیت سے نیچے گر جاتا ہے۔ان گھٹیا حرکتوں میں سے ایک حرکت گداگری بھی ہے۔

حضوراکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ایسے لوگ بھی تھے جوڈاکہ زنی سے اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے تھے اور ایسے لوگ بھی تھے جو بھیک مانگ کر اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے بلکہ بعض مذاہب میں تو گداگری کو ایک مقدس عمل کا درجہ حاصل تھا، کائنات کے آقا نے سب سے پہلا سبق ہی یہ دیا کہ صرف ایک ذات کے سامنے جھکنا ہے اور کسی کے سامنے نہیں جھکنا۔

دست سوال صرف اسی کے سامنے دراز کرنا ہے اور کسی کے سامنے دراز نہیں کرنا۔

امیدیں صرف اسی سے قائم کرنی ہیں اور کسی سے امیدیں قائم نہیں کرنیں۔آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو قوت بازو سے حلال روزی کمانے کا حکم دیا اور اسے اللہ کا فضل اور عبادت قرار دیا اور صرف اچھی اچھی باتیں کرنے پر اکتفا نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی اس نظریے کو قوت بخشی۔

آپ ﷺ نے بکریاں بھی چرائیں، پتھر بھی اٹھائے، کپڑا بھی بیچا یوں اپنے عمل سے اپنی امت کو سمجھا دیا کہ اگر میں انبیاء کا سردار ہو کر محنت مزدوری کر سکتا ہوں تو تم کیوں نہیں کر سکتے۔

آپ ﷺ پر ایسا وقت بھی آیا جب آپ کے گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا تھا، پورا پورا مہینہ چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی، فاقے پر فاقے ہوتے لیکن ایسے مشکل حالات میں بھی آپ ﷺ نے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔

بات کہہ دینا آسان ہوتا ہے لیکن کرنا مشکل ہوتا ہے۔میرے آقا ﷺ کا امتیازی وصف یہ تھا کہ آپ ﷺ جو کچھ کہتے تھے اس پر عمل بھی کر کے دکھاتے تھے۔جب آپ ﷺ نے اپنی امت کو صبر وقناعت کی تلقین کی اور بھیک مانگنے سے منع فرمایا تو خود آخری درجہ کی فاقہ کشی کے عالم میں بھی اللہ کے سوا کسی سے مانگنا گوارا نہیں کیا۔

صحابہ بعض اوقات آپ ﷺ کے چہرے کے تاثرات سے آپ ﷺ کی فاقہ کشی کا اندازہ لگا لیتے تھے لیکن آپ اپنی زبان سے کبھی اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے حالانکہ آپ

کے صحابہ میں بڑے متمول لوگ بھی تھے جن کا کاروبار شام تک پھیلا ہوا تھا اور جو آپ کے ایک اشارے پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے مگر ان سے سوال کرنا تو دور کی بات ہے آپ اشارۃً بھی ان کے سامنے اپنی تکلیف ظاہر نہیں فرماتے تھے۔

عبرت کا مقام ہے کہ جو نبی ایسا صابر، ایسا شاکر، ایسا قناعت پسند اور ایسا مستغنی تھا اس نبی کی امت آج انٹرنیشنل بھکاریوں کے ایک ٹولے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ سڑکوں پر دیکھو تو بھکاری، گلیوں میں دیکھو تو بھکاری، محلوں میں دیکھو تو بھکاری اور حد ہو گئی اللہ کے گھروں میں دیکھو تو بھکاری۔

افسوس کہ ہم نے اللہ کے گھر کا بھی احترام نہ کیا۔ حالانکہ مسجدیں تو ہیں ہی صرف اس لئے کہ وہاں جا کر صرف اللہ سے مانگا جائے مگر ہم مسجدوں میں بھی انسانوں سے مانگتے ہیں۔ جھوٹی جہانیاں سنا کر مانگتے ہیں، ظلم کی خودساختہ کہانیاں سنا کر مانگتے ہیں۔ کوئی کہہ رہا ہے میری جیب کٹ گئی ہے، کوئی کہہ رہا ہے تین دن سے بھوکا ہوں۔ کوئی کہہ رہا ہے میری بچیاں جوان ہیں، کوئی کہہ رہا ہے میرے والد کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔

اگر تحقیق کی جائے تو پچانوے فیصد جھوٹی کہانیاں ہونگی لیکن لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے اللہ کے گھر میں کھڑے ہو کر جھوٹ بولا جا رہا ہے۔ کئی بد بخت لوگ جعلی مدرسوں اور مسجدوں کے نام پر چندہ بٹورتے نظر آتے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ پوری قوم بھکاری بن گئی ہے۔

لیڈروں کو دیکھیں تو وہ امریکہ اور فرانس سے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ جتنا بڑا لیڈر ہے اتنا ہی بڑا کشکول اس کے ہاتھ میں ہے۔ ہم نے کبھی سوچا کہ ہم اس عظیم آقا کے ماننے والے ہیں جس نے اللہ کے سوا کسی سے بھی مانگنے سے منع فرمایا تھا۔ جس نے کئی کئی دن کی فاقہ کشی کے باوجود کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔

جس کا ارشاد ہے کہ جو شخص بلا ضرورت لوگوں سے مانگتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی بوٹی بھی نہ ہوگی۔

جس آقا ﷺ کے صحابہ میں ایک بھی گداگر نہ تھا آج اس کی امت میں ہر طرف گداگر ہی گداگر نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں تازندگی انسانوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچائے۔

(پچاس تقریریں ج۲)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

موت

موت ایک اٹل حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ آپ کو دنیا میں ایسے لوگ بھی مل جائیں گے جو قرآن کا انکار کرتے ہیں، انبیاء کا انکار کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو اللہ ہی کا انکار کرتے ہیں۔

لیکن ایسا کوئی نہیں ملے گا جو موت کا انکار کرتا ہو۔ موت کا انکار ہو ہی نہیں سکتا یہ تو ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہر انسان اپنی آنکھوں سے دن رات اپنے محلے اور گلی کوچوں میں کرتا رہتا ہے، جو لوگ قیامت اور آخرت کو نہیں مانتے قدرتی طور پر یہ چاہتے ہیں کہ اس دنیا ہی کو اپنی ابدی خوشیوں کا ذریعہ بنائیں۔ انہوں نے اس بات کی بہت تحقیق کی کہ موت کیوں آتی ہے تا کہ اس کے اسباب معلوم کر کے انکا کوئی توڑ نکال کر زندگی کو جاوداں بنایا جاسکے مگر انہیں اس سلسلے میں قطعی ناکامی ہوئی۔ ہر مطالعہ نے بالآخر یہی بتایا کہ موت یقینی ہے اس سے چھٹکارا ممکن نہیں۔

یورپ نے صحت اور زندگی کی حفاظت کے بے شمار طریقے اور علاج دریافت کئے اور اسے اپنی طبی تحقیقات اور علاج معالجے کے اسباب اور جدید وسائل پر ناز بھی بہت ہے مگر اس سب کے باوجود ایک بھی ڈاکٹر یا سائنسدان ایسا نہیں جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے موت کا علاج دریافت کر لیا۔

بلکہ ایسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ جس ڈاکٹر کو جس مرض کے علاج میں مہارت ہوتی ہے اسی مرض کی وجہ سے اسکا انتقال ہو جاتا ہے۔ ماہر امراض قلب کا ہارٹ اٹیک کی وجہ سے انتقال ہو جاتا ہے۔

بلڈ پریشر کے اسپیشلسٹ کی موت خون کے دباؤ کی وجہ سے ہو جاتی ہے۔

مرضِ سل سے ارسطالیس مرا، فالج سے افلاطون مرا، لقمان سرسام سے اور جالینوس اسہال سے مرا حالانکہ ان حکماء کو ان امراض میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ دھنتر وید کو سانپ پکڑنے میں انتہائی مہارت تھی مگر اسکی موت سانپ کے کاٹنے ہی سے ہوئی۔

غرض یہ کہ یہاں جو آیا ہے جانے کیلئے آیا ہے، رہنے کیلئے کوئی بھی نہیں آیا۔

پوچھو گے جو فلک سے تم سے یہی کہے گا
نہ رہ گیا وہ جو تھا جو ہے وہ کیوں رہے گا
ہونگے حباب ابھر کر یونہی فنا ہمیشہ
موجیں بڑھیں گھٹیں گی دریا یونہی بہے گا

غرض یہ کہ موت تو ہر ایک کو آئے گی مگر ہم دنیا کی طمع سازیوں سے فریب کھا کر موت کو بھول چکے ہیں۔ جبکہ موت ہر وقت اعلان کرتی رہتی ہے، مجھے بھول جانے والو! میں موت ہوں اور وہ موت جو ماؤں اور بیٹیوں میں جدائی ڈال دیتی ہے، میں وہ موت ہوں جو بھائیوں اور بہنوں میں جدائی ڈال دیتی ہے، میں وہ موت ہوں جو دوستوں اور محبوں میں جدائی ڈال دیتی ہے، میں وہ موت ہوں جو خاوند اور بیوی میں جدائی پیدا کرتی ہے، میں وہ موت ہوں جو گھروں اور محلوں کو برباد کرتی ہے، میں وہ موت ہوں جو تم کو ڈھونڈتی ہوں اور پالیتی ہوں خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو اور مخلوق میں کوئی ایسا نہ رہے گا جو میرا ذائقہ نہ چکھے۔

گرامی قدر سامعین!

ماہرین اعداد و شمار نے بہت پہلے اعلان کر دیا تھا کہ ہر ایک منٹ میں ساری دنیا کے اندر ایک سو انسان مر جاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک رات اور دن میں تقریباً پندرہ لاکھ انسان ہمیشہ کیلئے اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

ظاہر ہے اب ان اعداد و شمار میں اضافہ ہو چکا ہوگا کیونکہ دنیا میں شرح اموات میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان لاکھوں مرنے والے انسانوں کا انتخاب تابکار عناصر کے برقی ذرات کی طرح بلاکل نا معلوم طور پر ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگلے چوبیس گھنٹے کیلئے جن لاکھوں انسانوں کی موت کی فہرست تیار ہو رہی ہے اس میں اس کا نام بھی شامل ہے یا نہیں۔ ہر شخص ہر آن اسی خطرے

میں مبتلا ہے کہ قضاو قدر کا فیصلہ اس کے حق میں موت کا فرشتہ بن کر پہنچے۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ موت اچانک آجاتی ہے ہم روز اخبار میں پڑھتے ہیں کہ فلاں کا ناگہانی طور پر انتقال ہوگیا۔

حالانکہ یہ شکوہ بے جا ہے کیونکہ دو باتیں ہر شخص جانتا ہے ایک یہ کہ مجھے ہر حال میں مرنا ہے دوسرے یہ کہ مرنے کا وقت متعین نہیں۔ اگر یہ دونوں باتیں معلوم نہ ہوتیں تو شکایت بجا ہوتی جس موت کے اچانک آجانے کی ہم شکایت کرتے ہیں وہ تو ہر روز ہمیں ملتی ہے۔

وہ ہمارے دائیں بھی ہے بائیں بھی، اوپر بھی ہے نیچے بھی، صحرا کی ویرانیوں میں بھی ہے اور شہر کی محفلوں میں بھی، سمندر کی تلاطم خیز موجوں میں بھی اور خشکی کے سناٹوں میں بھی۔

موت تو ہر شخص کا تعاقب کر رہی ہے، ذکی اور عالم کا بھی، غبی اور جاہل کا بھی، صاحب ثروت کا بھی، مفلس اور قلاش کا بھی، موحد اور مسلم کا بھی، مشرک اور کافر کا بھی، وہ نہ فرعون جیسے متکبر کو چھوڑتی ہے نہ موسیٰ جیسے کلیم اور ایوب جیسے صابر کو، وہ نہ نمرود جیسے سرکش کو معاف کرتی ہے نہ ابراہیم جیسے خلیل اللہ اور اسماعیل جیسے ذبیح اللہ کو، اسکی نظر میں ارسطو اور افلاطون جیسے حکیم اور ابولہب اور ابوجہل جیسے نادان برابر ہیں، اس سے نہ ابوبکر و عمر محفوظ رہے نہ سرور کائنات ﷺ۔

اور آئندہ بھی کبھی کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو اس سے محفوظ رہ سکے اور ایسا وقت بھی آئے گا کہ انسانوں کے علاوہ فرشتے تک بھی اس سے محفوظ نہ رہیں گے۔ حتیٰ کہ موت لانے والا فرشتہ حضرت عزرائیلؑ بھی اللہ کے حکم سے مرجائے گا اور اللہ کے سوا کوئی بھی نہ ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ تین مرتبہ اعلان فرمائے گا، میں ہوں زبردست و غالب اور پھر وہ خود ہی یہ اعلان فرمائے گا "لمن الملک الیوم" آج کے دن کس کی حکومت ہے؟

کیا منظر ہوگا۔ اعلان ہوگا کہ کس کی حکومت ہے؟ مگر اس کا جواب تک دینے والا کوئی نہ ہوتا ہر طرف سناٹا ہوگا، خاموشی ہوگی، وہ انسان جس کو اپنی دولت پر، کاروبار پر، اپنی فیکٹری اور کوٹھی پر، اپنی صلاحیت و قابلیت پر بڑا ناز ہے، بہت غرور ہے، فخر ہے، تکبر ہے، وہ بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کے ڈھانچے کی شکل میں خاک میں پڑا ہوگا۔ اس کی زبان جو ٹر ٹر بولتی رہتی تھی آج جواب دینے کے قابل نہ ہوگی، آسمان اور زمین اس اعلان سے تھرا رہے

ہونگے مگر کوئی اس اعلان کا جواب نہ دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائے گا: للّٰہ الواحد القھار

اس اکیلے کی حکومت ہے جو غالب ہے، حقیقی حکومت اور ملکیت اسی کی ہے، باقی سب حکومتیں اور ملکیتیں عارضی اور فانی ہیں، حقیقی بادشاہ ہے تو وہی ہے، حقیقی مالک ہے تو وہی ہے، حقیقی رازق ہے تو وہی ہے، حقیقی خالق ہے تو وہی ہے۔

محترم سامعین! یہ تمام باتیں ہمارے سامنے ہیں ہمیں معلوم ہیں لیکن ہم نماز سے غافل رہتے ہیں، یتیموں اور غریبوں کا حق مارتے ہیں، نیکی کے کاموں سے پہلوتہی کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ دنیا کمانے کے چکر میں لگے رہتے ہیں کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ موت، قبر، جزاوسزا، قیامت اور جنت، دوزخ کے بارے میں ہمارا یقین کمزور ہو چکا ہے۔

اگر ہم ذرا یہ سوچ لیں ہمارا دنیا میں آنا کوئی انوکھی بات نہیں، ہمارے جیسے بے شمار لوگ اس دنیا میں آئے جو اکڑ اکڑ کر چلتے تھے، آج اندھیری کوٹھری میں پڑے زندگی کا حساب دے رہے ہیں، ان کے سر کبھی نیچے نہ ہوتے تھے، آج ان کی کھوپڑیاں پاؤں کی ٹھوکر بنی ہوئی ہیں، وہ جدھر سے گذرتے تھے فضا معطر ہو جاتی تھی آج ان لاشوں سے بدبو اور سڑاند اٹھ رہی ہے، ان کے جسموں پر ریشم، حریر اور کمخواب کا لباس ہوتا تھا آج بوسیدہ چیتھڑوں میں پڑے ہیں، جن کے پاس دنیا کی ہر آسائش تھی، دولت کی ریل پیل تھی، دوستوں پر بڑا ناز تھا، بیوی بچوں کی بھی کثرت تھی لیکن جب موت آئی تو ان کے کام کوئی نہ آیا۔

آیئے۔ ہم بھی موت آنے سے قبل سوچ لیں کہ ہوسکتا ہے اس سال، یا اس مہینے، یا اس ہفتے مرنے والوں میں ہمارا نام بھی شامل ہو، ہوسکتا ہے کہ ہماری زندگی کے دن پورے ہو چکے ہوں، ہمارا کفن بھی بازار میں آچکا ہو، موت دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ہماری دہلیز تک آپہنچی ہو اور ہماری مستی اور غفلت پر قہقہے لگا رہی ہو۔

اٹھ جایئے، غفلت کی نیند سے جاگ جایئے اپنا اسلامی تشخص بحال کرنے کیلئے نیک اعمال میں لگ جایئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو صحیح مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

(پچاس تقریریں ج ۱)

جہنّم کے دروازے پر

گرامی قدر حاضرین ! آئیے میں آپ کو اس مختصر وقت میں انتہائی اختصار کے ساتھ ان لوگوں کے بارے میں بتاؤں گا جو قیامت کے دن جہنّم کے دروازے پر کھڑے ہونگے ان کے چہرے سیاہ ہونگے، ان کی پیشانیوں پر ندامیت کی لکیریں ہونگی، انکے جسم پسینے میں شرابور ہونگے، ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہونگی، انہیں اپنے مظالم یاد آرہے ہوں گے، انہیں اپنا فسق و فجور اور حق تلفیاں یاد آرہی ہونگی، وہ بظاہر شرمندہ ہونگے لیکن آج کی شرمندگی کسی کام نہ آئے گی، وہ کسی سہارے کی تلاش میں ہوں گے مگر انہیں کوئی سہارا میسر نہیں آئے گا، وہ کسی سفارشی کے متلاشی ہوں گے لیکن وہاں کوئی سفارش کیلئے تیار نہیں ہوگا، ان کے وہ دوست انہیں چھوڑ جائیں گے جن کی دوستی نبھانے کے لیے وہ گناہ کرتے تھے، وہ بیوی بچے جنہیں خوش کرنے کے لئے وہ حرام کماتے تھے وہ ان سے نفرت کریں گے، وہ جماعتی لیڈر اور کارکن ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے جن کی خوشنودی کے لئے وہ اللہ اور رسول کے ہر حکم کو توڑنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے، وہ دولت وہ عہدہ وہ منصب جس پر یہ اتراتے تھے اس دن کسی کام نہ آئیں گے، وہاں نہ ڈالر اور پونڈ کام آئیں گے، نہ درہم و دینار کام آئیں گے وہاں نہ ریال کام آئیں گے، وہاں نہ ڈالر اور پونڈ کام آئیں گے، نہ درہم و دینار کام آئیں گے وہاں نہ ریال کام آئیں گے نہ ین اور روپیہ پیسہ کام آئے گا وہاں تو صرف اعمال صالحہ کی کرنسی کام آئے گی اور یہ کرنسی انکے پاس نہیں ہوگی۔

ہاں تو میرے دوستو! وہ لوگ جو جہنّم کے دروازے پر کھڑے ہونگے: ان میں قابیل بھی ہوگا جس نے اپنے بھائی کا خون بہا کر دنیا میں قتل کی بنیاد رکھی، ان میں کنعان بھی ہوگا جس نے عظیم القدر پیغمبر کے گھر میں پیدا ہونے کے باوجود کفر و شرک کا راستہ اختیار کیا۔

ان میں قیدار بھی ہوگا جس نے ایک بازاری عورت کی خاطر حضرت صالح علیہ السّلام کی اونٹنی کی ٹانگیں کاٹی تھیں، ان میں فرعون بھی ہوگا جس نے انا ربکم الاعلی کا دعویٰ کیا۔ ان میں قارون بھی ہوگا جسے اپنے خزانوں پر بڑا ناز تھا۔

ان میں شداد بھی ہوگا جس نے مصنوعی جنت بنا کر انسانوں کو گمراہی کے راستے پر ڈالا، ان میں بلعم بن باعورا بھی ہوگا جو علم وزہد کے باوجود حرص وہوس کا شکار ہوگیا۔ ان میں نمرود بھی ہوگا جو حماقت کی وجہ سے اپنے آپ کو موت وحیات کا مالک سمجھتا تھا۔

ان میں بخت نصر بھی ہوگا جسے اپنی بادشاہت پر بڑا ناز تھا، ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے وہ حواری بھی ہونگے جنہوں نے اقتدار کے بہکاوے میں آکر ان کے چہرہ اقدس پر تھوک دیا تھا، ان میں ابرہہ بھی ہوگا جس نے معاذاللہ بیت اللہ کی تخریب کیلئے مکہ پر چڑھائی کی تھی، ان میں ابوجہل بھی ہوگا جسے اس اُمت کے فرعون کا لقب دیا گیا ہے، ان میں ابولہب بھی ہوگا جس نے قرابت کے باوجود حضور ﷺ کو ستانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، ان میں اُمیہ بن خلف بھی ہوگا جس نے میرے آقا کے غلام حضرت بلال حبشیؓ پر بے پناہ مظالم ڈھائے تھے۔

ان میں اُم جمیلہ بھی ہوگی جو میرے آقا کی راہوں میں کانٹے بکھیرا کرتی تھی، ان میں عبداللہ بن اُبی بھی ہوگا جس نے اس اُمت میں منافقت کی بنیاد رکھی، ان میں عبداللہ بن سبا بھی ہوگا جس نے اصحاب رسول کو گالیاں دینا عبادت بنا دیا، ان میں ہلاکو خان اور چنگیز خان بھی ہونگے جنہوں نے کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کیے، ان میں نپولین بوناپاٹ، زارروس، ایڈوولف ہٹلر، مسولینی، ڈیگال، ہیروہیٹو اور چرچل بھی ہونگے جنہوں نے اپنے ہاتھ انسانی خون سے رنگین کیے۔

ان میں اسٹالن اور ماؤزے تنگ جیسے انسانیت کے جعلی غمخوار بھی ہونگے جنہوں نے انسان کو بے زبان حیوان بننے پر مجبور کیا۔ ان میں نکسن، جمی کارٹر، ریگن، بش، جان میجر متراں، گورباچوف، برزنیف جیسے درندے بھی ہونگے جنہوں نے ہمیشہ عالم اسلام کی تباہی کی تدبیریں سوچیں۔

یہ سب بدبخت اپنی تمام تر روسیاہیوں کے ساتھ جہنم کے دروازے پر کھڑے ہونگے، ان مشرکوں، کافروں، منافقوں اور کمیونسٹوں کے ساتھ ایسے مسلمان بھی کھڑے ہونگے جن کے اعمال نامے سیاہ ہونگے، جن کے دامن فسق وفجور سے داغ دار ہونگے،

جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کو اہمیت نہیں دی ہو گی، جنہوں نے وحی کے بجائے حرص و ہوس کی پیروی کی ہو گی، جنہوں نے ابدی راحتوں پر عارضی لذتوں کو ترجیح دی ہو گی، جنہوں نے آجلہ کے بجائے عاجلہ کو پسند کیا ہو گا۔ پھر ان میں وہ سرمایہ دار بھی ہونگے جو اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کے بندوں پر خرچ نہیں کرتے تھے، ان کے مال کو ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، ان کے جمع کردہ سونے چاندی کو آگ میں تپا کر ان کی پیشانیوں کو، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

ان میں اکڑ اکڑ کر چلنے والے وہ متکبر بھی ہونگے جو انسانوں کو حقیر اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ چیونٹیوں جیسے چھوٹے چھوٹے قد والا بنا کر ان پر ذلت اور رسوائی مسلط کر دیں گے۔

ان میں وہ اہل علم بھی ہونگے جو حق چھپاتے تھے اور سچ کا سودا کرتے تھے ان کے منہ میں آگ کی لگام ڈال دی جائے گی، ان میں وہ چور، لٹیرے اور ڈاکو بھی ہونگے جو ناحق دوسروں کا مال چھینتے اور اڑا لیتے تھے، یہ مال ان کی پیٹھ پر لا دیا جائے گا۔ ان میں وہ لوگ بھی ہونگے جنہوں نے کسی کی زمین ظلماً غصب کی ہو گی۔ ان کے گلے میں ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔

ان میں وہ لوگ بھی ہونگے جو دنیا میں لگائی بجھائی کر کے دوسروں کے لڑنے کا تماشہ دیکھتے تھے انکی زبانوں کو آگ کا بنا دیا جائے گا۔

ان میں وہ لوگ بھی ہونگے جن کے پاس گزارے کے لائق سامان ہوتا تھا لیکن وہ اسکے باوجود پیشے کے طور پر گداگری کرتے تھے، انکے چہروں کو بگاڑ کر بدہیئت اور دہشتناک بنا دیا جائے گا۔ ان میں وہ لوگ بھی ہونگے جو اپنے نفع کی خاطر جھوٹ بولتے تھے ، انکی زبانوں کو کاٹ دیا جائے گا اور ان کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جائے گا۔

ان میں وہ لوگ بھی ہونگے جو والدین کی نافرمانی کرتے تھے اور انہیں تکلیف پہنچاتے تھے سخت اذیت کے عالم میں یہ زبردست عذاب کے منتظر ہونگے۔ ان میں وہ حکمران بھی ہونگے جو اپنے عوام کو کیڑے مکوڑوں سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے تھے وہاں خود ان کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں ہو گی۔

ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جنہوں نے اپنی خواہشات کی عمارتیں دوسروں کے معاشرتی حقوق غصب کر کے تعمیر کی ہوں گی۔ ان کے پاس جو چند نیکیاں ہوں گی وہ بھی حقدار لے چکے ہوں گے اور جنہیں ان کی نیکیوں میں سے حصہ نہیں ملا ہوگا وہ اپنے گناہوں کا بوجھ ان پر ڈال چکے ہوں گے یہ ذلت کی پر چھائیاں لئے ہوئے بے آسرا و بے سہارا کھڑے ہوں گے۔

ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جنہوں نے مزدوروں سے کام تو پورا لیا ہوگا لیکن مزدوری پوری نہ دی ہوگی وہ بھی ہوں گے جو خود تو پیٹ بھر کر خواب خرگوش کے مزے لیتے تھے لیکن ان کا پڑوسی اور اس کے بچے بھوک کی وجہ سے کروٹیں بدل بدل کر رات گزار دیتے تھے، ان میں وہ لوگ بھی ہونگے جن کے نزلے کھانسی کا علاج یورپ کے ہسپتالوں میں ہوتا تھا لیکن ان کا دوسرا مسلمان بھائی غربت کی وجہ سے اپنے شہر کے ڈاکٹر کی دوا سے بھی محروم رہتا تھا۔ ان میں وہ لوگ بھی ہونگے جن کی تجوریاں سونے چاندی سے بھری رہتی تھیں لیکن انہیں اپنے نادار بھائیوں پر خرچ کرنے کی طاقت نہیں ہوتی تھی۔ ان کے سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپا کر ان کی پیشانیوں کو ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

ان میں وہ نام نہاد لیڈر بھی ہونگے جو عوام سے جھوٹے وعدے کرتے تھے جو اپنی لیڈری چمکانے کے لیے غریبوں کا خون بہاتے تھے جو سبز باغ دکھا کر لوگوں کو بے وقوف بناتے تھے جو پسے ہوئے انسانوں کے چندے سے عیاشیاں کرتے تھے جو جھوٹ بولنے کو سیاست کہتے تھے جو ضمیر فروشی کو وقت کی آواز کہتے تھے جو غداری اور ابن الوقتی کو مصلحت سمجھتے تھے جو منافقت کو حکمت اور تدبیر بتاتے تھے جو جلوت میں آتے تھے تو کچھ اور ہوتے تھے اور خلوت میں جاتے تھے تو کچھ اور ہوتے تھے۔

ہاں میرے بزرگو اور دوستو یہ سب لوگ جہنم کے دروازے پر کھڑے ہونگے مگر اس دن کی ندامت کسی کام نہیں آئے گی۔ آئیے ہم اپنی زندگی اس طرح گزار دیں اور اپنے کردار و عمل کی نوک پلک اس طرح سنواریں کہ ہمیں جہنم کے دروازے پر کھڑا نہ ہونا پڑے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

(پچاس تقریریں ج۱)

اسلام میں عورت کا مقام

جب ہم یہ بات کرتے ہیں کہ اسلام میں عورتوں کا کیا مقام ہے، کیا حقوق ہیں تو ہمارا مقصد عورت ہوتی ہے، ہم جنس ثالث کے حقوق بیان نہیں کرتے اور یہ جو ماڈرن لوگ شور کرتے ہیں کہ اسلام میں عورت کے کوئی حقوق نہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ ان کا مقصد یہ ہو گا کہ اسلام میں اس تیسری جنس کے کوئی حقوق نہیں اور ان کی یہ بات تو شاید کسی حد تک صحیح ہوگی کیونکہ اسلام نے اس تیسری جنس کو واقعی وہ حقوق نہیں دیئے جو عورت کو دیئے ہیں۔ باقی جہاں تک عورت کا تعلق ہے تو میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب بھی کہتا ہوں کہ عورت کو جو حقوق اسلام نے دیئے ہیں وہ کسی اور قانون میں نہیں دیئے گئے۔

جن لوگوں کو میرے دعوے میں مبالغہ محسوس ہوتا ہے، میں انہیں چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اسلام کے علاوہ کوئی ایسا مذہب، کوئی ایسا قانون دکھائیں۔

جس میں بیٹی کی تربیت کو جنت کی ضمانت بتایا گیا ہو، جس میں اچھی بیوی کو آدھا ایمان قرار دیا گیا ہو، جس میں ماں کو اُف تک کہنے کی اجازت نہ ہو، جس میں ماں کے قدموں کے نیچے جنت بتائی گئی ہو،

جس مذہب نے عورتوں کو اس وقت عزت دی ہو جب عورت کے انسان ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بحثیں ہو رہی تھیں، پھر کوئی ایسا قائد اور رہبر بتاؤ:

جس نے اپنی جوانی بیواؤں کا گھر بسانے کے لیے وقف کر دی ہو، جس نے صرف بیٹیوں کی تربیت کی ہو اور بیٹوں کے نہ ہونے پر کبھی حسرت ظاہر نہ کی ہو،

جس نے عورت کو علمی، عملی اور اخلاقی میدان میں مرد کے برابر کھڑا کیا ہو، پھر تم سوچو تو سہی کہ اسلام عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھ کیسے سکتا ہے جبکہ عورت کے بطن سے نبی

بھی پیدا ہوتا ہے، صحابی بھی پیدا ہوتا ہے اور محدث، مفسر، قطب، ابدال ولی بھی اسی کے پیٹ سے جنم لیتا ہے۔

اگر اسلام حقوق نہ دیتا

اگر اسلام عورت کو حقوق نہ دیتا تو اسلامی تاریخ میں کوئی صحابیہ، کوئی عالمی، کوئی محدثہ اور کوئی مفسّرہ پیدا نہ ہوتی۔ اگر اسلام حقوق نہ دیتا تو ہماری تاریخ میں سیدہ عائشہؓ اور سیدہ فاطمہؓ نہ ہوتیں، حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ اور حضرت خنساءؓ نہ ہوتیں۔

(ندائے منبر ومحراب ج ۱ صفحہ ۳۷۳)

والدین کا احترام

فیصلہ آپ کیجئے! ایک طرف والدین کے بارے میں اسلام کی یہ زرین ہدایات میں مسلم معاشرے کی قابل رشک مثالیں اور مسلمانوں کی تاریخی روایات ہیں جن میں حقیقت یہ ہے کہ والدین کو تخت وتاج کا مالک سمجھا جاتا ہے، ان کی کڑوی کسیلی باتیں بھی برداشت کرلی جاتی ہیں، ان کی خواہشات اور ضروریات کی تکمیل کو دین اور دنیا کی کامیابی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، دوسری طرف یورپ کی جھوٹی اور قابل نفرت سوسائٹی ہے جہاں بوڑھے والدین کو ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے، ان کو یہ بھی اختیار نہیں کہ اپنی اولاد کو اس کی حرکتوں پر ٹوک سکیں، وہ اپنی اولاد کے مشاغ اور دلچسپیوں میں مداخلت کا بالکل استحقاق نہیں رکھتے۔ ایک دوست نے جو امریکہ سے آئے تھے بتایا کہ والدین کو یہاں تک بے بس کر دیا گیا ہے کہ اگر وہ کسی حرکت پر اولاد کو ٹوکیں یا بُرا بھلا کہیں یا کبھی بھولے سے ہاتھ اٹھالیں تو اولاد فون پر فوراً پولیس کو مطلع کر دیتی ہے اور پھر والدین کو اپنے اس جرم کی سزا بہر حال مل کے رہتی ہے، خواہ جرمانے کی صورت میں یا جیل کی صورت میں، بڑھاپا آنے پر بوڑھے والدین کو ریٹائرڈ ہوم میں بسا دیا جاتا ہے، جہاں ٹی وی اور وی سی آر جیسی ساری دلچسپیاں ہوتی ہیں لیکن ان کی روح، ان کا دل اپنی اولاد کے محبت بھرے دو بول سُننے کو ترستا رہتا ہے، وہ اپنے ہی بچوں کی شکل وصورت دیکھنے کی حسرت میں سسکتے اور تڑپتے رہتے ہیں مگر ان کی حسرت ناتمام رہتی ہے کرسمس کے مواقع پر بعض فرمانبردار بچے یوں کرتے ہیں کہ کسی کو اجرت دیکر اپنے بوڑھے والدین کے لیے پھولوں کا گلدستہ بھیج دیتے ہیں، لیکن وہ

خود اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ انہیں از خود والدین کی خدمت میں حاضری کی توفیق نہیں ہوتی۔ یورپ کی پرفریب زندگی سے متاثر ہونے والے والدین سے میں سوال کرتا ہوں کہ کیا وہ بھی اسی قسم کا حسرت آمیز بڑھاپا گزارنے کے لئے تیار ہیں؟ علامہ اقبال جنہوں نے یورپین سوسائٹی کو بہت قریب سے دیکھا تھا، انہوں نے صحیح کہا تھا۔

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ اموت
ہے حضرت انسان کیلئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے ہوتی ہے زن نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

(ندائے منبر ومحراب ج۱ صفحہ ۳۴۷)

مسلمان کے حقوق

الحمدلله وحده...... اما بعد

صدر گرامی قدر اور معزز حاضرین السلام علیکم۔

جس طرح ہماری شریعت میں عبادات کی اہمیت ہے اسی طرح ہماری شریعت میں مسلمانوں کے حقوق کی بھی بڑی اہمیت ہے، امام غزالی نے کیمیائے سعادت میں احادیث کے مطالعہ کی بنیاد پر مسلمان کے تیئیس (۲۳) حقوق بیان فرمائے ہیں۔

اگر ہم ان تمام حقوق کو صرف ایک لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو وہ لفظ محبت ہوگا، یعنی ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے اور اس سے محبت کرے۔ جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں باہمی جنگ وجدل اور خون خرابہ نہیں ہوتا، جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں باہمی جنگ و جدل اور خون خرابہ نہیں ہوتا، جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں ایک دوسرے کی عصمت و آبرو کی حفاظت کی جاتی ہے، جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں نسلی اور لسانی تعصبات نہیں ہوتے جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں بغض وعناد اور حسد اور کینہ نہیں

ہوتا۔ کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے۔

محبت کی تجلی سے کدورت دور ہوتی ہے
محبت وجہ تسکین دل رنجور ہوتی ہے
کل بنتی ہے جنت کی جمال حور ہوتی ہے
یہی وہ آگ ہے جو مسکرا کر نور ہوتی ہے

سچ تو یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسرے مسلمان سے محبت نہ رکھے۔

محبت کے بعد ہر مسلمان کا دوسرا حق یہ ہے کہ اسکی جان کو تحفظ دیا جائے۔ اسلام ہر کلمہ گو مسلمان کے خون کو دوسرے مسلمان کیلئے حرام کر دیتا ہے۔ خونِ مسلم کی اہمیت اور حرمت کو جاننے کیلئے اس منظر کو نظروں کے سامنے لائیے جب رسول اللہ ﷺ کعبے کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ کعبہ جو مرکز تجلیات ہے، وہ کعبہ جو صبط انوار ہے، وہ کعبہ جو لاکھوں دلوں کا قرار ہے، وہ کعبہ جس کی بناء فرشتوں نے رکھی، وہ کعبہ جسکے معمار ہونے کا شرف ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کو حاصل ہوا، وہ کعبہ جس میں جنت کا ایک ٹکڑا حجر اسود نصب ہے، وہ کعبہ جس کا طواف زمین پر انسان اور آسمان پر فرشتے کرتے ہیں، وہ کعبہ جس کا انہدام بزم ہستی کے اختتام کی علامت ہوگا، اس کعبہ کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ''مجھے معلوم ہے کہ تو بڑی عظمت والا ہے لیکن مسلمان کے خون کی حرمت تیری عظمت و حرمت سے زیادہ ہے''

جان کے بعد مسلمان کا تیسرا حق یہ ہے کہ اسکے مال کی بھی حفاظت کیجائے، ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے، جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین ظلماً زبردستی لے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اسکے گلے میں ڈالے گا

ذرا سوچ لیجئے، وہ ضعیف انسان جو چند من وزن نہیں اٹھا سکتا وہ سات زمینوں کا طوق کیسے اٹھائے گا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، خبردار! ظلم نہ کرو، خبردار! کسی آدمی کا مال جائز نہیں مگر اس وقت جب کہ صاحب مال اپنی خوشی سے دے''

مسلمان کا چوتھا حق یہ ہے کہ بیماری میں، تکلیف میں، بھوک اور پریشانی میں اسکی مدد کیجائے، حضرت علیؓ کہتے ہیں۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے بیمار مسلمان کی صبح کے وقت عیادت کرے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اسکے لئے دُعا کرتے ہیں اگر وہ شام کے وقت اسکی عیادت کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دُعا کرتے ہیں اور جنت میں اس کے لئے باغیچہ ہوگا۔

جو رحیم و کریم آقا ایک طوائف کو صرف اس لئے بخش دیتا ہے کہ اس نے ایک پیاسے۔

حاضرین گرامی!

کتے پر شفقت کرتے ہوئے اسے پانی پلایا تھا، کیا وہ ایک کلمہ گو مسلمان کے ساتھ شفقت و محبت کا سلوک کرنے پر اسکو کھلانے اور پلانے پر اپنی رحمت اور مغفرت سے محروم رکھے گا؟ نہیں ہرگز نہیں، ایسا نہیں ہوگا، ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ وہ اپنے وعدے کے مطابق اپنی مخلوق پر شفقت کرنے والوں کو آخرت میں تو نوازے گا ہی دنیا میں بھی محروم نہیں رکھتا ہے۔

مسلمان کا ایک اور حق یہ ہے کہ جب اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اسکو معاف کردیا جائے کیونکہ اگر آج ہم اس سے درگزر کریں گے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائیں گے۔

یہ تو مسلمان کے مسلمان پر چند بڑے بڑے حقوق تھے لیکن مسلمان کے صرف یہی حقوق نہیں بلکہ مختلف حیثیتوں میں مسلمان کے مختلف حقوق ہیں۔

مسلمان اگر یتیم ہو تو اسکا حق یہ ہے کہ اسے پیار دیا جائے تا کہ وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہو اسکے مال میں خیانت نہ کیجائے اسکی صحیح نہج پر تربیت اور پرورش کیجائے۔ مسلمان اگر پڑوسی ہو تو اسکا حق یہ ہے کہ اسکی خبر گیری کیجائے اس کے ساتھ احسان کیا جائے۔ مسلمان اگر آپ کا خادم ہو تو اسکا حق یہ ہے کہ اسے اچھا طعام اور لباس دیا جائے اس پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے ممکن ہو تو اسے کھانے میں اپنے ساتھ شریک کیا جائے۔

مسلمان اگر عالم دین ہو تو اسکا حق یہ ہے کہ اسکی تعظیم کیجائے، اس سے دینی مسائل میں استفادہ کیا جائے، مسلمان اگر بچہ ہو تو اسکا حق یہ ہے کہ اسکے ساتھ شفقت، محبت

اور دل لگی کا معاملہ کیا جائے۔ مسلمان اگر سفر میں ساتھی ہے تو اسکا حق یہ ہے کہ خدمت میں مسابقت کیجائے زائد از ضرورت چیز اسکو دے دیجائے اور اگر وہ پیدل ہو تو اپنی سواری پر بٹھا لیا جائے۔ مسلمان اگر مالک ہے تو اسکا حق یہ ہے کہ اسکے مال میں خیانت نہ کیجائے، اس کے ساتھ خیر خواہی والا معاملہ کیا جائے۔

مسلمان اگر مزدور ہو تو اسکا حق یہ ہے کہ اسکی مزدوری پوری اور جلد دے دیجائے اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا جائے جس سے اسکی عزت نفس مجروح ہوتی ہو۔

دُعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام حقوق کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرماتے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

مزدور اور اسلام

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

گرامی قدر حاضرین السّلام علیکم!

آج یکم مئی ہے اور اس دن اکثر ممالک میں یوم مزدور منایا جاتا ہے اس حوالے سے میں آپ کے سامنے ''مزدور اور اسلام'' کے موضوع پر اپنے خیالات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ معزز سامعین، یہ بہرحال ایک اٹل حقیقت ہے جسے ٹھکرایا نہیں جاسکتا کہ دنیا کی بہت ساری قوموں اور مہذب سوسائٹیوں میں مزدور اور مزدوری کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھا جاتا رہا اور مزدور کے حقوق کا استحصال کیا جاتا رہا ہے لیکن یہ اسلام ہی تھا جس نے مزدوری کو عظمت بخشی اور مزدور کو حقوق عطا کیے۔ اسلام نے جہالت میں ڈوبی ہوئی دنیا کے

رہنے والوں کو بتایا کہ ارے جاہلو! مزدوری کو حقارت سے مت دیکھو، مزدوری تو اللہ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، رزق حلال کمانے والا مزدور تو اللہ کا پیارا ہوتا ہے، دن بھر محنت کرنے والا مزدور جب تھک ہار کر رات کو سوتا ہے تو اسے بخشش کا پروانہ دیا جاتا ہے، مزدوری تو انسانیت کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی کی ہے، مزدوری تو حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی کی ہے، مزدوری تو حضرت نوح علیہ السلام نے بھی کی ہے، مزدوری تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کی ہے، مزدوری تو کائنات کے سردار محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی کی ہے۔ اگر محنت مزدوری عار کی بات ہوتی، نفرت والا عمل ہوتا، گھٹیا کام ہوتا تو اللہ کے نبی کبھی بھی محنت مزدوری نہ کرتے۔

سیرت کے اوراق کا مطالعہ کیجیے آپ کو سید الرسل، خاتم الانبیاء، حبیب کبریا، شمع ہدی، مکہ کی سنگلاخ وادیوں میں بکریاں چراتے ہوئے نظر آئیں گے۔

آگے بڑھیے، مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر ہو رہی ہے مہاجرین اور انصار پتھر اور گارا اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں، حضور ﷺ بھی کسی سے پیچھے نہیں رہتے آپ ﷺ بھی اپنے نازک ہاتھوں سے پتھر اٹھانے لگ جاتے ہیں۔ غزوہ خندق سے پہلے خندق کھودی جا رہی ہے بڑا مشکل کام ہے کٹھن مرحلہ ہے، سب صحابہ مشغول ہیں لیکن حضور ﷺ بھی فارغ نہیں ہیں آپ ﷺ کے ہاتھوں میں بھی کدال ہے اور بھاری چٹانوں کو توڑ رہے ہیں صحابہؓ کہتے ہیں ہم ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے راستے میں قیام ہوا، کھانا پکانے کا مشورہ ہوا کسی نے کہا میں جانور ذبح کروں گا کسی نے کہا میں گوشت بناؤں گا کسی نے کہاں میں پکاؤں گا، کائنات کے امام نے کہا میں جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے لاؤں گا۔

حضور ﷺ نے محنت مزدوری میں خود شامل ہو کر محنت کو عظمت بخشی، مزدور کو وقار عطا کیا، مزدوری کو کار فضیلت بنا دیا یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کا کوئی بھی شاگرد کوئی بھی مرید کوئی بھی صحابی محنت سے جی نہیں چراتا تھا، مزدوری میں عار محسوس نہیں کرتا تھا، مزدور کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا، صحابہؓ رزقِ حلال کمانے کے لیے تجارت کرتے تھے، زراعت کرتے تھے، صنعت و حرفت کرتے تھے، محنت اور مزدوری کرتے تھے، ملازمت کرتے تھے اور ایسا کرنے میں وہ اپنی عزت سمجھتے تھے کیونکہ حضور ﷺ نے ان کو یہی تعلیم دی

تھی، یہی تلقین کی تھی، اسی بات کی تاکید کی تھی۔

حضرت علیؓ نے رزقِ حلال کی خاطر لوگوں کے لیے اینٹیں بنائیں، کنویں سے ڈول نکال نکال کران کی زمینوں کو سیراب کیا، ایک دفعہ تو رات بھر ایک یہودی عورت کے کھیتوں کو سیراب کرتے رہے اور اس نے ایک ڈول کے بدلے میں آپ کو ایک کھجور دی، آپ یہ کھجوریں لے کر سرورِ عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ نے اس محنت مزدوری پر ان کی تعریف کی اور کھجوریں تناول فرمائیں۔

محنت مزدوری پر جس طرح آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی تعریف فرمائی اسی طرح آپ ہر مزدور کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے اس سے محبّت کرتے تھے اسے عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت جابرؓ نے حضور اقدس سے مصافحہ کیا تو ان کی ہتھیلی کچھ کھردری اور داغدار محسوس ہوئی حضور ﷺ نے دریافت فرمایا، یہ داغ کیسے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نعل بندی کا کام کرتا ہوں اور اس سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور فرمایا "یہ وہ ہاتھ ہے جسے آگ نہیں چھو سکتی"۔

اللہ اکبر! میرے ساتھیو!

دورِ حاضر میں آپ کو بے شمار لوگ نظر آئیں گے جو مزدوروں کے حقوق کے چمپئن بنتے ہیں لیکن وہ کسی مزدور کو اپنے دستر خوان پر بٹھانے کے لیے تیار نہیں، کسی مزدور کے گھر جانے کے لیے تیار نہیں، بغیر غرض کے کسی مزدور کے ساتھ ہاتھ ملانے کے لیے تیار نہیں کیونکہ انہیں مزدور کے پسینے سے بو آتی ہے، انہیں مزدور کے گھر سے اور اس کے برتنوں سے گھن آتی ہے لیکن کائنات کے سردار کی سیرت کا مطالعہ کیجیے آپ مزدوروں کی عیادت کے لیے ان کے گھر تشریف لیجاتے تھے انہیں اپنے دستر خوان پر بٹھاتے تھے انہیں سینے سے لگاتے تھے ارے ان کے کھردرے ہاتھوں کو بوسے دیتے تھے۔ آپ کو ایسے لیڈر تو نظر آئیں گے جو چاہتے ہیں کہ غریب عوام ان کے ہاتھ چومیں لیکن کوئی ایک ایسا لیڈر دکھائیے جو غریبوں کے ہاتھ چومتا ہو لیکن میرے حضور ﷺ مزدوروں کے ہاتھ اپنے ان مبارک

لبوں سے چومتے تھے جن ہونٹوں پر وحی قرآنی مچلتی تھی جن ہونٹوں کے تقدس پر ملائکہ کا تقدس قربان کیا جاسکتا ہے جن ہونٹوں کی معصومیت پر کلیوں کا تبسم نثار کیا جاسکتا ہے۔

دکھایئے کوئی ایسا رہنما جو اپنے کارکنوں کے لیے جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے لائے، دکھایئے کوئی ایسا رہنما جو اپنے جفاکش ساتھیوں کے ساتھ خود بھی پتھر ڈھوتا ہو۔

دکھایئے کوئی ایسا مقتدا جو مزدور کی حق تلفی پر اتنا تڑپتا ہو جتنا میرے حضور ﷺ تڑپتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا "مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو"۔

آپ ﷺ نے فرمایا میں قیامت کے دن تین آدمیوں سے جھگڑا کروں گا اور جس سے میں جھگڑا کروں گا اس پر غالب آکر رہوں گا ان تین میں سے ایک وہ شخص ہوگا جس نے کسی مزدور سے کام تو پورا لیا لیکن اس کی مزدوری پوری ادا نہ کی۔

یہ آپ ﷺ کا قائم کردہ نظام تھا جس میں کوئی مزدور علاج معالجہ کی سہولتوں سے محروم نہیں رہتا تھا، کسی مزدور کے بچے بھوکے نہیں سوتے تھے، کسی مزدور کو بڑھاپے میں محنت مزدوری نہیں کرنی پڑتی تھی بیت المال سے اس کا وظیفہ متعین ہوتا تھا بلکہ ہر بچے کا وظیفہ بھی بیت المال سے مقرر تھا۔ اگر آپ کو کبھی فرصت ملے تو فیکٹریوں، کارخانوں، دکانوں اور بازاروں میں ایک چکر لگا لیجئے آپ کو معصوم بچے، ضعیف الحال بوڑھے اور کمزور عورتیں محنت کرتی نظر آئیں گی اس کے باوجود آپ شکاگو کے مقتولوں کی یاد منا کر کبھی تو مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کو یہاں نافذ کرنا چاہتے ہیں کبھی سوشلزم اور کمیونزم کے نفاذ کے خواب دیکھتے ہیں، ارے اللہ کے بندو! ان میں سے کوئی نظام بھی آپ کے دکھوں کا مداوا نہیں کرسکتا یہ نظام بری طرح ناکام ثابت ہو چکے ہیں اگر کوئی نظام آپ کے مسائل حل کر سکتا ہے آپ کے گھروں میں خوشیوں کے چراغ جلاسکتا ہے آپ کو غصب شدہ حقوق دلاسکتا ہے آپ کے زخموں پر مرہم رکھ سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف اسلامی نظام ہے آیئے ہم سب مل جل کر اس نظام کے نفاذ کی کوشش کریں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

(پچاس تقریریں ج ۱)

حقوق ہی حقوق

مسلمان اگر والدین کی صورت میں ہو تو ان کا حق یہ ہے کہ ان کی خدمت کی جائے ان کو کسی بھی انداز میں کوئی تکلیف نہ دی جائے ان کے جذبات کا خیال رکھا جائے وہ اگر انتقال کر جائیں تو ان کے لئے دعا واستغفار کا اہتمام کیا جائے۔

مسلمان اگر بیوی کی صورت میں ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اس کی ضروریات زندگی پوری کی جائیں بیویاں اگر دو ہوں تو ان کے درمیان عدل کیا جائے۔

مسلمان اگر شوہر ہو تو اس کا حق بیوی پر یہ ہے کہ وہ اس کی امانت میں خیانت نہ کرے شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس کی بات مانے، اس کے گھر اور دولت کی حفاظت کرے۔

مسلمان اگر اولاد کی صورت میں ہو تو والدین پر ان کا حق یہ ہے کہ وہ ان کی صحیح تربیت کریں انہیں نماز کی عادت ڈالیں ان پر رزق حلال خرچ کریں، اولاد میں انصاف کریں۔

مسلمان اگر یتیم ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اسے پیار دیا جائے تا کہ وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہو، اس کے مال میں خیانت نہ کی جائے اس کی صحیح نہج پر تربیت اور پرورش کی جائے۔

مسلمان اگر پڑوسی ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی خبر گیری کی جائے اس کے ساتھ احسان کیا جائے ایک دفعہ سرکار دو عالم ﷺ نے تین بار قسم اٹھائی اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہوسکتا صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کون؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے محفوظ نہ رہے۔

مسلمان اگر آپ کا خادم اور نوکر ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اسے اچھا طعام ولباس دیا جائے، اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے اس کی پٹائی نہ لگائی جائے، ممکن ہو تو اسے کھانے میں اپنے ساتھ شریک کیا جائے۔

مسلمان اگر عالم دین ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے، اس سے دینی مسائل میں استفادہ کیا جائے۔

مسلمان اگر بچہ ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ شفقت، محبت اور دل لگی کا معاملہ کیا جائے۔

مسلمان اگر رفیق سفر ہوتو اس کا حق یہ ہے کہ خدمت میں مسابقت کی جائے زائد از ضرورت چیز اس کو دے دی جائے اگر وہ پیدل ہوتو اسے اپنی سواری پر بٹھالیا جائے۔

مسلمان اگر مالک ہے تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی امانت میں خیانت نہ کی جائے اس کے ساتھ خیر خواہی والا معاملہ کیا جائے۔

مسلمان اگر مزدور ہوتو اس کا حق یہ ہے کہ اسکی مزدوری پوری پوری اور جلد اسے دے دی جائے۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا جائے جس سے اس کی عزت نفس مجروح ہو۔ یوں مختلف معاشرتی حیثیتوں کے اعتبار سے مسلمان کے مختلف اور متنوع حقوق ہیں۔

محاسبہ اور جائزہ

آئیے ہم اپنا محاسبہ کریں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا جائزہ لیں کیا ہم واقعی ان سارے حقوق کو ادا کرتے ہیں؟ حیوانوں کے حقوق چھوڑیئے ذمی کافروں کے حقوق چھوڑیئے آج آپ اپنے جائزہ کو صرف اس نکتہ تک محدود رکھیں کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے دوسرے مسلمان بھائیوں کے جو حقوق ہم پر لازم ہوتے ہیں کیا ہم ان حقوق کو ادا کر رہے ہیں اگر آپ اپنے ضمیر کا گلا دبا کر بالفرض ''ہاں'' کہہ بھی دیں تو حقائق و واقعات چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ ''نہیں نہیں''

ہمارے آقا و مولیٰ محسن کائنات ﷺ نے ہمیں ایک عمارت کے ساتھ تشبیہ دی تھی جس کی اینٹیں باہم مل کر اس کی تکمیل اور مضبوطی کا سامان کرتی ہیں ہمیں اس ''جسد واحد'' کے ساتھ تشبیہ دی تھی جس کے ایک عضو کو تکلیف ہوتو سارا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے قرآن نے ہمارا تعارف ''رحماء بینھم'' کے ساتھ کرایا تھا اور ''لا الہ الا اللہ'' کی بنیاد پر ہمارے درمیان محبت و اخوت کا ایسا رشتہ قائم کیا کہ ''دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں مگر یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا، ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے سے روٹھ جائے بعید نہیں کہ ایک ماں اپنی گود سے اپنے بچے کو الگ کر دے ہوسکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے تمام عہد مووت خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمان وفا و محبت ٹوٹ جائیں مگر جو رشتہ ایک چین کے مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے ایک عرب کے بدو کو تاتار کے چرواہے سے اور ایک ہندوستان کے نو مسلم کو مکہ معظمہ کے صحیح النسب قریشی سے

پیوست و یک جان کرتا ہے، دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو اسے توڑ سکے اور اس زنجیر کو کاٹ سکے جس میں خدا کے ہاتھوں نے انسانوں کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جکڑ دیا ہے۔

پس اے عزیزان ملت! اور اے بقیہ ماتم زدگان قافلہ اسلام! اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں پیروان اسلام کے سروں پر تلوار چمک رہی ہے تو تعجب ہے اگر اس کا زخم ہم اپنے دلوں میں نہ دیکھیں، اگر اس آسمان کے نیچے کہیں بھی ایک مسلم پیرو توحید کی لاش تڑپ رہی ہے تو لعنت ہے ان کروڑوں زندگیوں پر جن کے دلوں میں اس کی تڑپ نہ ہو اگر افغانستان میں مساجد اور مصاحف کی بے حرمتی ہو رہی ہے تو ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے منہ سے دل وجگر کے ٹکڑے نہیں گرتے کشمیر میں اگر ان سینوں کو گولیوں اور سنگینوں کا نشانہ بنایا جارہا ہے جن سے نزع کے عالم میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کی آواز نکل رہی تھی تو ہم پر اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو اگر اپنی گردنوں پر اس کے نشان محسوس نہ کریں، اگر عرب کے ریگزاروں میں کلمہ توحید کے محافظوں کے بدن، صلیب پرستوں کی گولیوں سے چھدر رہے ہیں تو ہم اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسول کے آگے ملعون ہوں، اگر اپنے پہلوؤں کے اندر ایک لمحہ کے لئے بھی راحت اور سکون محسوس کریں مجھ کو تو یہ بھی کہنا چاہیے کہ اگر میدان جہاد میں کسی بھی مسلمان کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ جائے تو قسم ہے خدائے اسلام کی کہ کوئی پاکستان کا مسلمان' مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اس کی چبھن کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے اگر ایک نادار ماں صرف اس لئے کانٹوں پر رات گزار دیتی ہے کہ اس کے بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں تو تف ہے ہماری زندگیوں پر اگر ہم خواب خرگوش کے مزے لیتے رہیں، اگر ایک فقر زدہ باپ صرف اس لئے خودکشی کر لیتا ہے کہ اس سے اس کے بھوکے بچوں کی چیخیں سنی نہیں جاتی تھیں تو اس نادان باپ کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی اپنی گردنوں کو آخرت کے پھندے کے لئے تیار رکھنا چاہیے، اگر ایک سہاگن صرف اس لئے بیوہ ہو جاتی ہے کہ ہسپتال میں آخری ہچکیاں لیتے ہوئے اس کے شوہر کو کوئی مسلمان خون دینے کے لئے تیار نہیں تھا تو تعجب ہوتا ہے رب کائنات کی شان رحیمی اور کریمی پر کہ اب تک ہماری رگوں میں خون کی گردش کیسے جاری ہے۔

کان کھول کر سن لیجئے! کہ اگر کسی مظلوم کی دادرسی کے لئے، کسی نان شبینہ کے

محتاج غریب مسلمان کی نصرت کے لئے، بھوک سے تلملانے والے کسی معصوم بچے کا پیٹ بھرنے کے لئے، بیماری سے نڈھال کسی مسلمان کی عیادت اور اعانت کے لئے ہمارے دل میں درد نہیں اٹھتا، ہماری تجوریوں میں ارتعاش پیدا نہیں ہوتا، ہمارے اعضاء حرکت میں نہیں آتے تو ہمیں ایک گہری نظر سے اپنے سینے کا جائزہ ضرور لے لینا چاہئے کہ کہیں وہ ایمان سے خالی تو نہیں ہو گیا۔

ارے میاں! مسلمان تو بڑا احساس ہوتا ہے اس کی حالت تو یہ ہوتی ہے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

(ندائے منبر و محراب ج ۲ ص ۲۶۹)

میلاد منانے کا بہترین طریقہ

سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ میلاد ویسے مناؤ جیسے صحابہ کرامؓ میلاد مناتے تھے، نہ چراغاں کرتے تھے، نہ جھنڈیاں لگاتے تھے، نہ سجاوٹ، نہ بناوٹ، نہ حلوے، نہ مٹھائیاں بس یہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنے آقا کی اطاعت کرتے چلے جاتے تھے۔ دکان میں، مکان میں، خوشی میں، غمی میں، سفر میں، حضر میں، جنگ میں، امن میں غرض یہ ہر جگہ اور ہر حال میں حضور ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرتے تھے۔ یوں وہ ہر جگہ اور ہر وقت میلاد مناتے تھے۔ ان کی تجارت، ان کی سیاست اور ان کی عبادت کو دیکھ کر حضور اکرم ﷺ کی یاد تازہ ہوتی تھی۔

صحابہؓ میلاد نہیں مناتے تھے مگر آقا کی سنتیں زندہ ہوتی تھیں، ہم میلاد مناتے ہیں مگر حضور ﷺ کی سنتیں زندہ نہیں ہوتیں، سنتیں زندہ تو کیا ہوں گی ہماری میلادوں میں تو سنتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ (ندائے منبر و محراب ج ۱)

حضرت حسینؓ کے مقام اور مرتبے سے کونسا مسلمان ہے جو نا واقف ہوگا وہ صحابیت کے شرف کے حامل تھے، وہ نواسۂ رسول ﷺ تھے، وہ ابن بتولؓ تھے، وہ حیدر کرارؓ کے فرزند تھے، ان کا زہد و تقویٰ مثالی تھا۔ وہ صورت و سیرت میں اپنے نانا سے بڑی مشابہت رکھتے تھے۔

مگر ظالموں کو نہ جانے کیا ہوگیا تھا کہ انہوں نے سب کچھ فراموش کر دیا، خونی اور مذہبی رشتوں کا بھی پاس نہ رکھا اور خاندان نبوت کے گل ولالہ کو ظلم کی چکی میں پیس کر رکھ دیا۔

لیکن ان میں سے کوئی بھی ظلم کے انجام بد سے نہ بچ سکا، امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قاتلوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچا جو کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا نہ ہوا ہو۔ بعض اندھے ہو گئے، بعض خوفناک بیماریوں میں مبتلا ہو گئے، بعض پاگل اور دیوانے ہو گئے، بعض کو اذیتیں دے کر قتل کر دیا گیا۔

جب عبدالملک بن مروان کے زمانے میں مختار بن ابی عبید ثقفی نے کوفہ پر قبضہ کر لیا تو اس نے اپنا مشن ہی یہ بنالیا تھا کہ وہ کربلا میں ستم ڈھانے والوں کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا اور انہیں چُن چُن کر اپنی خونی تلوار کا نشانہ بناتا تھا اس کے سامنے جب ایسے لوگوں کو لایا جاتا تو وہ ان میں سے کسی کے ہاتھ کٹوا دیتا، کسی کو تیروں سے مروا دیتا اور کسی کو زندہ جلا دیتا۔

ابومسلم خراسانی کا انجام

میں ایک اور ظالم کا انجام آپ کو بتاتا ہوں ابومسلم خراسانی ایک بڑا مشہور شخص گزرا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے بنوامیہ کا تختہ الٹ کر بنوعباس کو اقتدار دلایا تھا۔ یہ شخص بنوامیہ کا ازلی دشمن تھا۔ اس کو اس سے غرض نہیں تھی کہ کون اچھا ہے اور کون بُرا ہے، کون وفادار ہے اور کون غدار ہے یہ تو بس بنوامیہ کا دشمن تھا، اس کے نزدیک اموی ہونا گویا بہت بڑا جرم تھا۔

اس کے ہمنواؤں نے بنوامیہ کی تڑپتی لاشوں پر دستر خوان بچھا کر کھانا کھایا، بنوامیہ کے مشہور لوگوں کی قبریں کھدوائیں اور اگر کسی کی صحیح سالم لاش برآمد ہوئی تو لاش کو کوڑے لگوائے اور اسے صلیب پر چڑھا دیا۔

امویوں میں سے بعض نے اگر کوئی ظلم کیا تھا تو ان کو تو اس کی سزا مل ہی گئی مگر خود عباسی بھی مکافات عمل سے نہ بچ سکے۔ عباسیوں کا پہلا خلیفہ سفاح صرف تیس سال کی عمر

میں چیچک جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو کر چل بسا اور اس کے بھائی ابو جعفر منصور نے ابو مسلم خراسانی کو اپنے دربار میں بلا کر قتل کروا دیا، اور اس کی لاش کو ایک قالین میں لپیٹ کر دریائے دجلہ کے حوالے کر دیا۔ وہ شخص جو دوسروں کے خلاف سازشیں کرتا رہا تھا آج وہ خود سازش کا شکار ہو گیا۔

وہ ظالم جو بنو عباس کی خاطر بنو امیہ کی گردنیں اڑاتا رہا تھا آج خود اس کی گردن بنو عباس ہی کے ایک فرد کے ہاتھوں اُڑا دی گئی اور قتل ہونے کے بعد اسے تجہیز و تکفین بھی نصیب نہ ہوئی۔

انسان کتنا احمق ہے وہ جب ظلم کرتا ہے تو بھول جاتا ہے کہ خود مجھ پر بھی ظلم ہو سکتا ہے۔

جب وہ کسی کی عزت و آبرو خراب کرتا ہے تو بھول جاتا ہے کہ میری آبرو بھی لُٹ سکتی ہے۔

جب وہ کسی کا دل دُکھاتا ہے تو بھول جاتا ہے کہ میرا دل بھی دُکھایا جا سکتا ہے۔

حالانکہ اس دنیا میں بھی مکافات عمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جو بویا جاتا ہے وہی کاٹا جاتا ہے۔ ہم کتنے نادان ہیں کہ کانٹے بو کر پھولوں کی اُمید رکھتے ہیں، آگ جلا کر ٹھنڈک کی توقع رکھتے ہیں۔

روہیلہ اور شاہ عالم کا انجام

ہمارے اس مرحوم ہندوستان میں ظلم در ظلم کا ایسا ہی تاریخی واقعہ پیش آچکا ہے۔

ہوا یوں کہ شاہ عالم ثانی نے اپنے محسن نجیب الدولہ کے بیٹے ضابطہ خان کے غوث گڑھ پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا اور ضابطہ خاں کے بیوی بچوں کو پکڑ کر قیدی بنا لیا ضابطہ خان کے بیٹے غلام قادر روہیلہ کو زنانہ کپڑے بنا کر اپنے سامنے نچوایا کرتا تھا، اس کی قوت مردمی بھی اس نے ختم کرا دی تھی شاہ عالم بھول گیا کہ یہ اس شخص کا پوتا ہے جس نے مصیبت کے وقت اس کی مدد کی تھی۔

حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ غلام قادر نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور اپنی اور اپنے خاندان کی بے عزتی کا بدلہ اس طرح لیا کہ سب شہزادوں اور شہزادیوں کو سر عام نچوایا اور شاہ عالم کو زبردستی یہ منظر دکھلایا، تاکہ اسے اپنی پچھلی حرکتیں یاد آئیں۔

کیا منظر ہو گا جب تیموری خاندان کی بیٹیاں بوڑھے بادشاہ کے سامنے ناچ رہی

ہوں گی، کیا واقعہ اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، اور جو کچھ بویا جاتا ہے وہی کاٹنا بھی پڑتا ہے۔

کل شاہ عالم، غلام قادر کو زنانہ کپڑے پہنا کر نچایا کرتا تھا، آج اس کے خاندان کے شہزادے اور شہزادیاں اس کے سامنے ناچ رہی تھیں غلام قادر نے صرف اس پر بس نہیں کیا بلکہ وہ بوڑھے بادشاہ کو زمین پر گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور خنجر سے اس کی آنکھیں نکال ڈالیں۔

بوڑھا بادشاہ کہتا ہی رہا ارے اللہ کے بندے رحم کر یہ وہ آنکھیں ہیں جو ساٹھ سال تک کلام اللہ پڑھتی رہی ہیں مگر اس پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔

وقت اپنے آپ کو دہراتا ہے اور دن ادلتے بدلتے رہتے ہیں، آج کے ظالم کل کے مظلوم اور آج کے قاتل کل کے مقتول بنتے ہیں مگر انسان طاقت کے نشہ میں اپنے کل کو فراموش کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جس وقت غلام قادر بوڑھے بادشاہ کی آنکھیں نکال چکا تو اسے معلوم ہوا کہ مرہٹوں کی فوج شاہ عالم کی مدد کے لیے دہلی کے قریب آگئی ہے غلام قادر کے تمام ساتھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے کیونکہ جب ظالم پر بُرا وقت آتا ہے تو کوئی بھی اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

مشکل ہے ساتھ دے کوئی حال تباہ میں
سایہ بھی چھوڑ جاتا ہے روز سیاہ میں

غلام قادر اکیلا ہی گھوڑے پر بھاگ نکلا لیکن بالآخر پکڑا گیا اور مرہٹوں کے سردار سندھیا نے اس پر وہ مظالم ڈھائے کہ انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا۔ سندھیا نے حکم دیا کہ غلام قادر کو گلے میں طوق اور پاؤں میں زنجیریں ڈال کر جانوروں کے باڑے میں قید کر دیا جائے اور کھانے میں کھانے کے برابر نمک ملا دیا جائے جب اس سے بھی اس کی انتقام کی آگ نہ بجھی تو ایک دن اس نے نامور سرداروں کو جمع کیا اور ان کے سامنے حجاموں اور لوہاروں کو حکم دیا کہ قینچیوں، استروں اور سنڈاسوں کی مدد سے غلام قادر کے جسم سے گوشت کاٹو اور چھیلو اور گرم گرم داغ بھی لگاتے جاؤ۔

بعض مؤرخین نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ سندھیا نے پہلے غلام قادر روہیلہ کو ایک

گدھے پر الٹا سوار کر کے مختلف دکانوں سے بھیک منگوائی پھر اس کی زبان کٹوائی، اس کے بعد اس کی آنکھیں نکلوائیں پھر ناک، کان، ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر اسے محض لوتھڑا بنا دیا اور اس کے کان، ناک، آنکھیں اور نیچے کا ہونٹ کاٹ کر شاہ عالم کے پاس بطور تحفہ بھیج دیئے۔ شاہ عالم نے اپنے محسن سے بے وفائی کی تھی اور اس کے بیٹے اور پوتے پر ظلم کیا تھا اسے اس کے ظلم کا بدلہ اسی دنیا میں مل گیا، دوسری طرف غلام قادر روہیلہ نے شاہ عالم اور اس کے خاندان والوں پر مظالم ڈھائے تھے اسے بھی اس کے مظالم کا بدلہ اسی دنیا میں مل گیا۔

شاہ عالم نے غلام قادر کو زنانہ کپڑے پہنا کر نچوایا تھا مگر اسے اپنی آنکھوں سے شہزادوں اور شہزادیوں کا ناچ دیکھنا پڑا۔

غلام قادر نے بڑی بیدردی سے بادشاہ کی آنکھیں نکالی تھی سندھیا نے اس سے زیادہ بیدردی اور سنگدلی کے ساتھ اس کی آنکھیں بھی نکلوادیں اور ناک، کان، ہونٹ اور جسم کا گوشت بھی کٹوا دیا۔

میرے بزرگو اور دوستو! یہ تاریخی حقائق و واقعات ہیں، یہ جھوٹی کہانیاں اور بے بنیاد گپیں نہیں ہیں، جب کسی نے کسی پر ظلم کیا اور پھر اس نے سچے دل سے توبہ نہ کی اور مظلوم سے معافی نہ مانگی تو وہ خود بھی ظلم کا شکار ہو کر رہا۔ (ج ۴ ص ۳۵۴ تا ۳۵۸)

عربی زبان کے ایک شعر کا ایک مصرعہ ہے **وللناس فیما یعشقون مذاھب** جس کا آسان سا مفہوم یہ ہے کہ عشق و محبت میں پسند اور ناپسند میں الفت و عداوت میں ہر شخص کا اپنا ایک معیار ہے ایک مزاج ہے منفرد طبیعت ہے اپنی اپنی ترجیحات ہیں ضروری نہیں کہ ہر شخص کی پسند ایک جیسی ہو ہر ایک کی چاہت کا معیار ایک ہو ہر انسان کے قلبی جذبات کا بہاؤ ایک جیسا ہو مگر یہ ضرور ہے کہ ہر شخص کی محبوبات اور مرغوبات کو دیکھ کر اس کے طبعی رجحان اور ذوق کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

کاشت کار کو اپنی زمین سے اور زمین کے جوتنے کے آلات سے محبت ہوتی ہے، لوہار کو آگ کی بھٹی اور ہتھوڑے چھینی سے تعلق ہوتا ہے، حجام ہر وقت اچھی قینچی اور بہتر مشین کی تلاش میں رہتا ہے، ایک مصور کی نظر ہر تصویر کے خد و خال اور فنی باریکیوں پر رہتی ہے، منطقی شخص ہر وقت صغری کبری اور کلیہ جزئیہ بنانے میں مست رہتا ہے۔ فلسفی کا دماغ

فلسفیانہ مباحث اور فروع میں الجھا رہتا ہے۔ شاعر صاحب ہر لحظہ ردیف وقافیہ اور تک بندی میں غلطاں رہتے ہیں۔

صاحب علم انسان ہر جگہ اچھے لٹریچر اور علمی کتابوں کی تلاش میں رہتا ہے۔ مرغوبات! میں اس سے بھی آگے بڑھ کر بات کو پھیلاؤں تو یوں کہہ سکتا ہوں کہ ایک صوفی اور ذاکر شاغل انسان کی پسند یہ ہوگی کہ خلوت ہو انسانوں کا جھمگٹا نہ ہو، دوستوں کی اناپ شناپ باتیں نہ ہوں، خاموشی ہو، اللہ کی ضربیں ہوں اذکار واوراد کی گرمی ہو، محاسبہ ہو، مراقبہ ہو، مکاشفہ ہو، تجلّیات کا ظہور ہو، معرفت کا نور ہو واردات قلبی کا سرور ہو۔

ایک مجاہد کی پسند یہ ہوگی کہ میدان کارزار ہو اور وہ دشمنان دین سے برسر پیکار ہو، ایمان کی للکار ہو، اس کی کلاشنکوف شعلہ بار ہو، لاشوں کا انبار ہو، اس کا مال وجان اللہ اور رسول پر نثار ہو، وہ مرکب شہادت پر سوار ہو، رب کا دربار ہو، بخشش کا اظہار ہو، جنت کی بہار ہو، ادخلوھا بسلم کی پکار ہو۔

ایک سیاسی لیڈر کی پسند یہ ہوگی کہ جلسے اور جلوس ہوں پر جوش کارکن ہوں فلک شگاف نعرے ہوں زندہ باد اور مردہ باد کی آوازیں ہوں اخباری نمائندے ہوں، فوٹو گرافر ہوں، اخباری بیانات ہوں ایک صاحب مطالعہ انسان کی پسند یہ ہوگی کہ کتابوں کی فراوانی ہو، ذمہ داریوں کا بوجھ نہ ہو، بچوں کی چیخ وپکار نہ ہو، بیوی کے طعنے نہ ہوں لوگوں کی باتیں نہ ہوں بس گوشۂ فراغت ہو اور کتاب ہو۔

تبلیغ میں جڑنے والے کی آرزو یہ ہوگی کہ چلے ہوں، سہ روزے ہوں، اندرونی اور بیرونی گشت ہوں، بیانات ہوں، تقاضے ہوں اور اللہ کے راستے میں نکلنے والے اس قدر ہوں کہ تشکیل کرنا مشکل ہو جائے۔

ایک مہتمم کی ترجیح یہ ہوگی کہ مکتب ہے تو مدرسہ بن جائے، مدرسہ ہے تو جامعہ بن جائے اور یہ کہ میرے مدرسہ اور جامعہ کی تاحد نظر وسیع عمارت ہو فلک بوس مسجد ہو عالیشان کتبخانہ ہو خوبصورت درسگاہیں ہوں، پرکشش رہائش گاہیں ہوں، دسیوں درجات ہوں طلباء کی کثرت ہو، چندے کی فراوانی ہو۔

حکیم صاحب کی دلی تمنا یہ ہوگی کہ جڑی بوٹیاں ہوں، ان کے خواص اور آثار پر

تحقیقات ہوں، خمیروں اور عرقیات کی تیاری ہو، نت نئے تجربات ہوں، مریضوں کا جمگھٹا ہو۔

غرض یہ کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والوں کی اپنی اپنی پسند ہوتی ہے اپنی اپنی ترجیحات اور مرغوبات ہوتی ہیں، پہلوان کی پسند اور ہوگی، کھلاڑی کی پسند اور ہوگی، مصنف کی پسند اور ہوگی، شاعر کی پسند اور ہوگی، انجینئر کی پسند اور ہوگی، مزدور کی پسند اور ہوگی، سیاستدان کی پسند اور ہوگی، سائنسدان کی پسند اور ہوگی نیک انسان کی پسند اور ہو گی' بدمعاش اور عیاش کی پسند اور ہوگی ہیرونچی کی پسند اور ہوگی ایک صحت منداور نارمل انسان کی پسند اور ہوگی۔

مگر یہ بات اپنی جگہ ہے کہ ہم ہر شخص کی پسند کو دیکھ کر اس کے طبعی رجحان اور اس کے مذہبی میلان کا اندازہ لگا سکتے ہیں بسا اوقات چیز ایک ہوگی لیکن جب اس ایک چیز کو مختلف ذوق اور مختلف طبیعت رکھنے والے افراد دیکھیں گے تو اس سے اپنے اپنے ذوق کے مطابق مختلف نتیجہ اخذ کریں گے۔

ایک مثال! مثلاً کسی خوبصورت درخت کو کاشتکار اس نظر سے دیکھے گا کہ اس کی سرسبزی اور اس کی صحت مندی زرخیز زمین کی وجہ سے ہے بروقت پانی ملنے کی وجہ سے ہے اچھے موسم اور آب وہوا کی موافقت کی وجہ سے ہے۔

اسی درخت کو مصور اس پہلو سے دیکھے گا کہ اس کے تنے کی اٹھان کیسی ہے اس کی شاخوں کے پھیلاؤ میں کتنی موزونیت ہے اس کے پتوں اور پھولوں میں کتنی جاذبیت ہے اس کے رنگ میں کتنی کشش ہے وہ دھوپ کی روشنی میں کیسا نظر آتا ہے اس پر سایہ چھا جائے تو وہ کیسا دکھائی دیتا ہے۔

نباتات کا ماہر اور طب کے شعبے سے تعلق رکھنے والا انسان اس درخت کی جڑوں اس کے پتوں اس کی شاخوں اس کے پھولوں اور اس کی چھال وغیرہ کے خواص کے اعتبار سے اس پر نظر ڈالے گا۔

اور جب اس درخت کو کوئی بڑھئی دیکھے گا تو اس کی نظر وفکر کا انداز یہ ہوگا کہ اس درخت کی لکڑی کتنی مضبوط ہے اسے دیمک لگتی ہے یا نہیں لکڑی کونسے فرنیچر کے بنانے میں زیادہ مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

اور اگر ماحولیات کا کوئی ماہر اس درخت کو دیکھے گا تو اس کے سوچنے کا انداز یہ ہوگا کہ درختوں کا وجود ماحولیات پر کس حد تک اثر انداز ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے کون کونسی ماحولیاتی بیماریوں سے تحفظ اور دفاع ہوسکتا ہے اور جب کوئی اللہ والا اس درخت پر نظر ڈالے گا تو وہ اسے قدرت کا شاہکار قرار دے گا وہ اسے معرفت پروردگار کی ایک واضح دلیل اور روشن علامت بتائے گا۔ (ندائے منبر ومحراب ج ۲ ص ۳۶۹)

عورت کی مظلومیت

عورت زمانہ جاہلیت میں مظلوم ترین مخلوق تھی۔ وہ یونان میں تھی تو اسے شیطان کی بیٹی اور نجاست کا مجسمہ سمجھا گیا غلاموں کی طرح بازاروں میں اس کی نیلامی ہوئی۔

وہ روم میں تھی تو اس کے ساتھ حیوانوں کا سا سلوک کیا گیا معمولی غلطی پر اس کا قتل روا تھا۔ وہ عرب میں تھی تو زندہ درگور کی جاتی تھی اسے رہن اور ضمانت کے طور پر رکھا جاتا تھا ہندوستان میں اس کے لئے حکم تھا کہ شوہر کی چتا پر زندہ جل کر مر جائے اسے پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔

یہودی دانشور عرصہ تک یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ عورت انسان بھی ہے یا نہیں وہ اسے شیطان کی سواری اور بچھونا کہتے تھے۔

عیسائی لیڈروں نے ۵۸۲ء میں کلیساء سے متفقہ فتویٰ جاری کیا کہ عورتیں روح نہیں رکھتیں۔

کسی نے صحیح کہا ہے کہ "یہ بدنما داغ انسان کی پیشانی سے کبھی دھویا نہ جاسکے گا کہ جاہلیت میں مرد نے اسی گود کو بے عظمت و بے قیمت کیا جس میں خود پرورش پاکر آدمی بنا"

مظلوم نسوانیت کے سر پر سرکار دو عالم ﷺ نے محبت وشفقت کا ہاتھ رکھا اور اسے ماں بہن بیٹی اور بہو کی حیثیت سے حقوق عطا کئے آپ کو میری وہ بات یاد ہوگی جو میں نے پہلے بھی کہی تھی کہ اگر آپ کا ضمیر زندہ اور عقل روشن ہے تو آپ اسلام اور دیگر مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد یقیناً یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ

عورت تحت الثریٰ تھی اسلام نے اسے فوق الثریا پہنچا دیا۔ وہ گرد راہ تھی اسلام نے اسے سرمہ چشم (نور چشم) بنادیا۔ وہ کانٹوں کے بستر پر تھی اسلام نے اسے پھولوں کی سیج

پر بٹھا دیا، وہ موت وحیات کی کشمکش میں تھی اسلام نے اسے زندگی عطا کر دی، وہ زیب میخانہ تھی اسلام نے اسے زینت کا شانہ بنا دیا، وہ پائمال تھی اسلام نے اسے باکمال بنا دیا۔ وہ برباد تھی ناشاد تھی اسلام نے اسے شاد کیا آباد کیا۔

اس کا کام صرف مرد کے دل کو لبھانا تھا اسلام نے اس کے ذمے گھر کا سجانا لگا دیا

محبت کے قابل اور حقیقت میں عورت ہے بھی محبت کے قابل! جس شخص کو ماں کی محبت، بہن کے ایثار بیٹی کے پیار اور بیوی کی وفا کا تجربہ ہوا ہو گا وہ یقیناً ہماری اس بات سے اتفاق کرے گا کہ عورت زمین کا زیور ہے، گھر کی زینت قوم کی عزت، دل کا سکون، ویرانے کی رونق خلوت کی آبادی اور گلشن ہستی کا سب سے خوبصورت پھول ہے۔

اسی لئے تو حضور ﷺ نے نیک عورت کو ایمان کے بعد سب سے بہترین متاع قرار دیا ہے اور اسے ایمان کی مددگار اور سب سے اچھا خزانہ کہا ہے۔ یہاں دو نکتے بھی ذہن میں رکھیں ایک تو یہ کہ حضور ﷺ نے عورت کا خوشبو کے ساتھ ذکر کیا ہے یہ بتانے کے لئے کہ جیسے خوشبو سے ہر صحیح الفطرت انسان کو محبت ہوتی ہے اسی طرح عورت سے بھی ہر صائب الفکر انسان کو محبت ہوتی ہے۔

دوسرا یہ کہ آپ نے مجہول کا صیغہ بولا ہے جس کا معنی ہے ”مجھے پسند کرائی گئی ہے“ یا میرے دل میں اس کی محبت ڈالی گئی ہے گویا میں نے از خود عورت سے محبت نہیں کی بلکہ اس کی محبت کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔

یوں تو آپ نے مطلقاً فرما دیا کہ عورت کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے لیکن ظاہر ہے کہ عورت کی تو مختلف حیثیتیں ہیں اور اس کی ہر حیثیت کے اعتبار سے محبت کا انداز بھی مختلف ہو گا۔

عورت اگر ماں ہو تو اس کی محبت یہ ہے کہ اس کی خدمت کی جائے اور اس کے جذبات کا خیال رکھا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ماں کی نافرمانی کو حرام قرار دیا ہے عورت اگر بیٹی کے روپ میں ہو تو اس کی محبت یہ ہے کہ اسے کمتر نہ سمجھا جائے اور اس کی تعلیم وتربیت کا حق ادا کیا جائے حضور اکرم ﷺ نے دو بیٹیوں کی پرورش کرنے والے کو جنت میں اپنا قریبی رفیق قرار دیا ہے۔

عورت اگر بہن ہوتو اس کی محبت یہ ہے کہ اسے ایک مخلص بھائی کا پیار دے۔اور اس کے مالی حقوق ادا کرے۔

عورت اگر بیوی ہوتو اس کی محبت یہ ہے کہ اس کے ساتھ حسن معاشرت سے رہے اس کی معاشی ضروریات پوری کرے اسے تحفظ دے اور اسے پیار کی تشنگی محسوس نہ ہونے دے۔

عورت ان چاروں حیثیتوں میں محبت کے قابل ہے اور چونکہ وہ کمزور ہے صنف نازک ہے عام طور پر بیماریوں کا ہدف بنتی ہے ماہواری اور زچگی اور رضاعت کے تکلیف دہ لمحات سے گزرتی ہے اس لئے وہ مرد کی بہ نسبت زیادہ توجہ اور زیادہ ہمدردی اور زیادہ پیار کی مستحق ہے۔

سرور عالم ﷺ نے اس بدبودار ماحول میں جہاں عورت سے شہوانی پیاس تو بجھائی جاتی تھی مگر اس کے وجود سے نفرت کی جاتی تھی اس کی ولادت پر نالہ وشیون کیا جاتا تھا اس کے والدین اور بھائی شرم سے منہ چھپاتے پھرتے تھے اسے زندہ درگور کیا جاتا تھا، اسے زہریلا سانپ اور شیطان کی نمائندہ کہا جاتا تھا آپ نے اس بدبودار ماحول میں پوری جرأت کے ساتھ پوری دلیری کے ساتھ واشگاف الفاظ میں یہ انقلابی اعلان فرمایا۔

حبب الی من دنیا کم الطیب والنساء

مجھے تمہاری دنیا میں خوشبو اور عورتیں پسند ہیں

(ج۲ص ۳۷۸ تا ۳۸۱)

ارباب اقتدار کا اثر

اقتدار اگر بددیانت افراد کے ہاتھوں منیں ہوتو تمام تر وسائل کے باوجود عوام کو خوشحالی نصیب نہیں ہوسکتی اور اگر ارباب اقتدار عادل ہوں، خوف خدا رکھتے ہوں، قیامت کے دن کے حساب کتاب سے ڈرتے ہوں، اقتدار کو امانت سمجھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ تھوڑے رزق میں بھی برکت عطا فرمادیتا ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ کا اپنے ملک میں کسی کسان کے باغ کے پاس سے گذر ہوا۔اسے پیاس لگ رہی تھی۔اس نے کچھ پینے کی خواہش ظاہر کی تو کسان نے

محض ایک مسافر کی خدمت کے جذبے سے باغ سے انار توڑ کر نچوڑا تو ایک ہی انار کے رس سے پیالہ بھر گیا۔ بادشاہ کو تعجب بھی ہوا اور دل میں یہ فاسد خیال بھی آگیا کہ کسی نہ کسی بہانے سے اس باغ کو ہتھیا لینا چاہئے۔

کچھ دنوں کے بعد وہ دوبارہ وہیں سے گذرا اور اس نے از خود انار کا رس پینے کی خواہش ظاہر کی، کسان نے کئی انار نچوڑے تب جا کر بڑی مشکل سے پیالہ بھرا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ پہلی بار تو ایک ہی انار سے پیالہ بھر گیا تھا۔ اب کی بار کئی انار کیوں نچوڑنے پڑے؟ کسان یہ نہیں جانتا تھا کہ میں اپنے ملک کے بادشاہ سے مخاطب ہوں، اس نے سیدھے سادے دیہاتی انداز میں جواب دیا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بادشاہ کے دل میں کھوٹ آگیا ہے اور اس نے کسی پر ظلم کا ارادہ کر لیا ہے۔

بادشاہ اگر عادل ہو تو اس کے عدل کے اثرات پوری رعایا پر ظاہر ہوتے ہیں کھیتی پھلتی اور پھولتی ہے، باغات فراوانی سے پھل دیتے ہیں۔ پورے ملک کے باشندوں کو امن وسکون اور تحفظ نصیب ہوتا ہے۔ انسان تو انسان حیوانوں تک میں اسکے اثرات دکھائی دیتے ہیں اور اگر بادشاہ ظالم ہو تو اس کے ظلم کے اثرات اسی تک محدود نہیں رہتے بلکہ ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ (ندائے منبر ومحراب ج۵ ص۹۵)

ایک نکتہ

مفسّرین کہتے ہیں کہ برادران یوسف نے جب یوسف علیہ السّلام سے معافی مانگی، تو انہوں نے فوراً معاف کر دیا لیکن جب انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السّلام سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے مغفرت اور بخشش طلب کیجئے تو انہوں نے نہ تو فوراً معاف کیا اور نہ ہی ان کے لئے مغفرت کی دُعا کی بلکہ صرف امید دلائی کہ سوف استغفر لکم عنقریب میں اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دُعا کروں گا۔

مفسّرین نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یوں تو انہوں نے اپنے والد کو بھی ستایا تھا لیکن اصل میں ان کی زیادتیوں کا تعلق حضرت یوسف علیہ السّلام سے تھا، اس لئے حضرت یعقوب علیہ السّلام نے معافی کے معاملے کو مؤخر کر دیا تا کہ پہلے یوسفؑ کی مرضی معلوم ہو جائے البتہ انہیں بالکل مایوس بھی نہیں کیا بلکہ ارشادتاً بتا دیا کہ میں تو یہی

چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان خطاؤں کو معاف کردے۔

دوسری وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ یوسف نوجوان تھے اس لئے ان کے اندر وہ احتیاط نہیں تھی جو احتیاط حضرت یعقوب علیہ السلام کے اندر تھی۔ ویسے بھی انہیں اپنے بیٹوں کی دھوکہ دہی کا ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ واقعی اپنی غلطیوں پر نادم ہیں یا محض ہنگامی اور عارضی طور پر اظہار ندامت کر رہے ہیں بعد میں جب ثابت ہو گیا کہ واقعی بیٹوں کو اپنی خطاؤں اور زیادتیوں کا احساس ہے تو انہوں نے بھی معاف کر دیا۔

اور یہی ایک سچے مؤمن کی شان ہونی چاہئے کہ جب وہ محسوس کرے کہ میرے ساتھ زیادتی کرنے والا شخص دل سے اپنی غلطی پر نادم اور شرمندہ ہے تو وہ اسے معاف کردے۔

یہ معاف کر دینا خاموش انتقام بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ بھی۔ (ج ۵ ص ۱۰۱)

میرے آقا کی زندگی

حضرت یوسفؑ کے قصے میں میرے مکی و مدنی آقا ﷺ کی زندگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے جب آپ کو نبوت و رسالت سے نوازا گیا تو آپ کے قریشی بھائی بغض و حسد میں مبتلا ہو کر آپ کی جان کے درپے ہو گئے۔ آپ نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ اور راستے میں چند دن غار ثور میں روپوش رہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام مصر پہنچنے سے پہلے کنعان کے کنوئیں میں روپوش رہے تھے۔

مدینہ منورہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے عزت و جلال کے بلند منصب پر فائز فرمایا۔ بالآخر وہ وقت بھی آیا جب آپ کے قریشی عزیز آپ کے سامنے سرنگوں کھڑے انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیئے آج ہمارے بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ مگر آپ نے انتقام لینے کے بجائے انہیں معاف فرما دیا اور فرمایا جاؤ تم آزاد ہو۔ آج میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔

لا تثریب علیکم الیوم

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۂ یوسف جو کہ مکہ کے عہد ستم میں بعض مخالفین کے سوالات کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔ اس سورۂ مبارکہ میں اشارتاً مدنی آقا ﷺ کے

دشمنوں کو ان کا انجام بھی بتادیا گیا۔اور یہ بھی واضح کردیا گیا کہ تم جس عظیم ہستی کا نام ونشان مٹانا چاہتے ہو، اسے مٹانا تمہارے بس کی بات نہیں، یہ چاند جو مکہ میں طلوع ہوا ہے، اللہ کے حکم سے مدینہ میں بدر کامل بن کر اُبھرے گا۔اور اس کی چمک سے مکہ کے پہاڑ اور وادیاں ہی نہیں، پورا عالم منور ہو جائیگا۔

وہ دن ضرور آئیگا جب تمہاری اکڑی ہوئی گردنیں اور شعلہ بار آنکھیں ندامت سے جھکی ہوں گی اور تم برادران یوسف کی طرح سوالیہ نشان بن کر محمد ﷺ کے ہاتھوں اپنے انجام کا انتظار کررہے ہوگے چنانچہ ہم سب جانتے ہیں کہ یوں ہی ہو کر رہا۔اور چشم فلک نے سینکڑوں برس کے بعد مکہ کی سرزمین پر وہ کہانی دوبارہ دیکھی جسے وہ مصر کے محلات میں دیکھ چکی تھی۔

آیئے ہم بھی اسی رب کے سامنے دامن پھیلائیں جو کمزوروں کو اٹھاتا اور متکبروں کو جھکاتا ہے۔ہم بھی اسی مالک کو راضی کرنے کے لئے اپنے جذبات وشہوات کی قربانی دیں، جس کی رضا کے لئے کریم بن کریم بن کریم سیدنا یوسفؑ نے قربانی دی

(ج۵ص۱۰۳)

مرغوبات ذوالنورینؓ

زبان سے اپنی پسندیدہ اور مرغوب چیزوں کو بیان کرنا بہت آسان ہے مگر ان کا ساتھ نبھانا بڑا مشکل ہے مگر قربان جائیے اس عظیم انسان کی استقامت وصداقت پر، عہد ووفا پر، صبر ورضا پر، صدق وصفا پر، جود وسخا پر جو ابوبکرؓ وعمرؓ کے بعد افضل البشر تھا، دوہرا داماد رسول ﷺ تھا، کاتب الوحی تھا، جامع وناشر قرآن تھا، سفیر بیعت رضوان تھا، امیر المومنین اور امام المتقین تھا، کہ مکان باغیوں کے محاصرے میں ہے مخالفانہ نعرے لگ رہے ہیں حملہ کی سازشیں آخری مرحلے میں ہیں تلواریں لہرا رہی ہیں، نیزے چمک رہے ہیں، مگر جبل استقامت پورے انہاک کے ساتھ معانی میں ڈوب کر، معارف میں غوطہ زن ہو کر تلاوت میں بلکہ یوں کہیں کہ اپنے مالک حقیقی سے سرگوشیوں میں مصروف ہے، روزہ رکھا ہوا ہے، محاصرے کو پچاس دن گزر گئے ہیں، گھر میں نہ پانی ہے نہ کھانے کا سامان، ابھی کچھ ہی دیر پہلے آنکھ لگ گئی تو سید الکونین جان دو عالم ﷺ خواب میں ملے اور فرمایا عثمان! آج روزہ

ہمارے ساتھ افطار کرنا اور کہنا چاہئے کہ سید الکونین علیہ السلام کے ساتھ افطار کی خوشی میں مزے مزے سے تلاوت میں مصروف ہو گئے یوں تو ساری زندگی ہی تلاوت میں گزری تھی لیکن آج کی تلاوت کا مزہ ہی کچھ اور تھا یہ تو زندگی کی آخری تلاوت تھی اور بات یہ ہے کہ جب عبادت کو زندگی کی آخری عبادت سمجھ کر ادا کیا جائے تو اس کی لذت کچھ اور ہوتی ہے تو اندازہ لگائیے کہ اس پاکیزہ انسان کو تلاوت میں کتنا مزہ آرہا ہوگا جسے اپنی تلاوت کے بارے میں یقین ہو کہ یہ میری زندگی کی آخری تلاوت ہے۔ اور اے قتیل تیغ ابن سبا اور امام صبر و رضا! تیرے قدموں کی دھول پر ہزاروں اسلم قربان! تو نے کہا تھا کہ مجھے تلاوت قرآن پسند ہے تو قرآن کے نازل کرنے والے کو تیری پسند اس قدر پسند آئی کہ تیری زندگی کی آخری سانس نکلی تو وہ بھی قرآن کے مقدس و مطہر حروف سے معطر تھی۔

گواہی ......اور میرے دوستو! بات یہ ہے کہ کسی کی تلاوت کی گواہی فضا دے گی کسی کی تلاوت کی گواہی مسجد کی دیواریں دیں گی کسی کی تلاوت کی گواہی گھر کی چھت دے گی کسی کی تلاوت کی گواہی انسان دیں گے کسی کی تلاوت کی گواہی ملائکہ دیں گے مگر اے جامع و ناشر قرآن، کامل الحیاء والایمان تیرے نصیب کی عظمت و رفعت پر کیوں نہ زمانہ رشک کرے کہ تیری تلاوت کی گواہی خود قرآن کے بابرکت اوراق دیں گے اس لئے کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ کے جسم سے نکلنے والے خون کے چند قطرے قرآن کے اوراق میں جذب ہو گئے اور یہ قطرے جہاں گرے وہ الفاظ یہ تھے "فسیکفیکھم اللہ" اور دیکھا جائے تو اس مختصر جملے میں قاتلان عثمان کے لئے دھمکی بھی تھی کہ اللہ ان کو کافی ہو جائے گا اللہ ان سے نمٹ لے گا اور تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ! سیدنا عثمان بن عفانؓ کے قاتلوں سے نمٹا۔

ہمارے دور کے پیر! ہم اپنے دور کے علماء سوء اور دکاندار پیروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہر تھالی کے بینگن بننے کے لے اور ہر چڑھتے سورج کے پجاری بننے کے لئے تیار رہتے ہیں ادھر اقتدار بدلتا ہے ادھر یہ شیروانی پہن کر قراقلی سجا کر، چشمے لگا کر چہرے پر مکاری کی سیاہی مل کر، مقفع مسجع قصیدے تیار کر کے ان بادشاہوں کے دربار میں پہنچ جاتے ہیں جن کا دامن حسنات سے قطعاً عاری ہوتا ہے اور جن کے ہاتھ مظلوموں کے خون سے رنگے ہوتے ہیں اور یہ علم فروش ان ظالموں اور ڈکٹیٹروں کے سامنے صف بنا کر دست بستہ ہو کر ایسے خشوع و

خضوع کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں گویا رب کے دربار میں کھڑے ہیں یہ اپنے اوپر مصنوعی رقت طاری کر لیتے ہیں اور جب وقت کا جابر ان سے ہمکلام ہوتا ہے تو اتنی پست آواز سے جواب دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے بول نہیں ہے بلکہ بھنبھنا رہے ہیں صاحب اقتدار اگر رات کو دن کہے تو یہ فوراً ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور کہتے ہیں جی ہاں وہ دیکھئے سورج کتنی آب و تاب سے چمک رہا ہے وہ اگر دن کو رات کہے تو یہ ستارے گننا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے اگر باد مخالف صادر ہو جائے تو ان کو خوشبو کے جھونکے اٹھتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں وہ اگر گالی بک دے تو یہ مکرر مکرر کی آواز سے آسمان کو سر پر اٹھا لیتے ہیں وہ اگر گپ لگا دے تو یہ فوراً ڈائری میں نوٹ کر لیتے ہیں تا کہ یہ نایاب نکتہ کہیں ضائع نہ ہو جائے وہ اگر کوئی گھسا پٹا فضول سا لطیفہ سنا دے تو یہ ٹوتھ پیسٹ کے اشتہار بن جاتے ہیں اور مصنوعی قہقہوں سے ان کے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں اس کی پیشانی پر غصے کی سلوٹیں نمودار ہو جائیں تو انہیں اپنی عقبیٰ کی تباہی کا یقین آجاتا ہے اس کی مسکراہٹ کو یہ اللہ کی خوشنودی کی دلیل سمجھتے ہیں اور اس کے جوتے سیدھے کرنے کو یہ جنت کا پروانہ خیال کرتے ہیں جب داؤ لگتا ہے اور موقع ملتا ہے تو یہ اسے جھوٹے اور من گھڑت خواب سنا کر رسول اقدس ﷺ اور صحابہ کرام کے دربار میں پہنچا دیتے ہیں اور اسے شیخ عبدالقادر جیلانی اور دوسرے اولیاء کے سلام پہنچاتے ہیں جو ان ضمیر فروشوں کو انہوں نے خواب میں کہے ہوتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ پیران پیر نے فرمایا تھا کہ بادشاہ کو ہماری طرف سے کہہ دینا کہ اللہ والوں کی خدمت کرتے رہو گے تو اقتدار سے کبھی محروم نہ ہو گے۔ (اور اللہ والا تو یہ اپنے سوا کسی کو سمجھتے ہی نہیں)

عالم نہیں واعظ! ان میں اکثر عالم نہیں بلکہ قصہ گو واعظ ہوتے ہیں یہ آدھے قوال اور گویے ہوتے ہیں، انہیں فنکاری پر پورا پورا عبور ہوتا ہے یہ حسب موقع رو ہانسی صورت بھی بنا لیتے ہیں اور قہقہے بھی لگا لیتے ہیں، ان کا مبلغ عام طور پر "منیتہ المصلی" پکی روٹی، داستان یوسفؑ اور چند قصوں کی کتاب تک محدود ہوتا ہے۔

میلاد باعث ثواب

آپ ﷺ کی تشریف آوری سے ظلمت کدۂ عالم میں روشنی پھیلی، خزاں رخصت ہو گئی، بہار کی ہوائیں چلنے لگیں، میں یہ سب باتیں تسلیم کرتا ہوں اور میں یہ بھی تسلیم کرتا

ہوں کہ اگر اسلام میں کسی کی ولادت کا دن منانے کی اجازت ہوتی تو واقعی مشرق سے مغرب تک بسنے والے مسلمانوں پر لازم تھا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت کا دن پورے جوش وخروش سے مناتے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کسی بھی شرعی دلیل سے میلاد النبی ﷺ کا منانا ثابت نہیں ہوتا جو لوگ اس کے قائل ہیں ان سے میرا سوال ہے کہ وہ قرآن کی کوئی آیت پیش کریں، اگر آیت نہیں پیش کر سکتے تو کوئی صحیح حدیث پیش کریں، صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتے تو چلو فقہ کی کسی مستند کتاب کا حوالہ پیش کریں۔ میرا دعویٰ ہے کہ کوئی بھی شخص قرآن سے حدیث سے اور فقہ کی کسی کتاب سے کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا، پھر یہ بھی دیکھیں کہ نبوت ملنے کے بعد حضور اکرم ﷺ تیئیس سال زندہ رہے آپ ﷺ نے کسی بھی موقع پر صحابہؓ کو میلاد منانے کا حکم نہیں دیا، پھر ایک سو دس برس تک صحابہؓ کا دور رہا ہے اور دو بیس برس تک تبع تابعین کا دور رہا ہے اگر میلاد النبی کا منانا ثواب کا کام ہوتا یا عشق ومحبت کی دلیل ہوتا تو صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین ضرور بالضرور میلاد النبی مناتے۔ اب تین ہی باتیں ہیں: یا تو یہ تسلیم کر لیں کہ محبِ رسول ہونے کے لیے میلاد النبی ﷺ کا منانا ضروری نہیں اگر یہ محبِ رسول ہونے کی سند ہوتی تو یہ مقدس ہستیاں اس سند سے ہرگز محروم نہ رہتیں۔

یا پھر ہم معاذ اللہ یہ دعویٰ کریں کہ یہ لوگ عاشق رسول نہیں تھے اور اگر تھے بھی تو اتنے بڑے عاشق نہیں تھے جتنے بڑے ہم ہیں اور تیسری بات کوئی دریدہ دہن یہ کہہ سکتا ہے کہ محبِ رسول ہونے کے لیے میلاد النبی منانا ضروری تھا مگر صحابہ کو تابعین کو اس ضروری بات کا علم نہ ہو سکا۔ (ج۶ص۲۸۲)

کامیاب کاروباری

ہمارے ہاں تھوک کے حساب سے پائے جانے والے پیروں نے پیری مریدی کو منافع بخش کاروبار بنا دیا ہے، خانقاہیں دکانوں میں تبدیل ہو چکی ہیں اسی لئے قبروں اور خانقاہوں پر قبضے جمانے کے سلسلے میں اکثر و بیشتر جھگڑے ہوتے رہتے ہیں، دونوں جانب کے مرید اپنے اپنے ''حضرت'' کی حمایت میں مسلح ہو کر میدان میں آجاتے ہیں اور ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں، ان کے تعویذوں کے ریٹ مقرر ہوتے ہیں یہ نوکری دلاتے ہیں عشق کو ساحل تک پہنچاتے ہیں، ناکام محبت کو کامیاب بناتے ہیں، شادیاں کرواتے

ہیں، کاروبار چمکاتے ہیں، افسروں کے پتھر جیسے دلوں کو موم بناتے ہیں، بیٹے اور بیٹیاں دلاتے ہیں اور یہ صرف دنیا ہی میں کام نہیں آتے، آخرت میں بھی اپنے مریدوں کے کام آئیں گے ان کے وہ مرید جو ماہانہ یا سالانہ بھتہ باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں خواہ وہ شرابی اور زانی ہوں خواہ وہ ڈاکو اور لٹیرے ہوں، ان کا ہاتھ پکڑ کر فرشتوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آنکھ بچا کر چپکے سے انہیں فردوس بریں میں پہنچادیں گے اگر ان کے مریدوں کے ذمہ کچھ حقوق ہوئے تو یہ ان کو اپنے ذمہ لے لیں گے، مریدوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ان کے پیر صاحب بڑے پہنچے ہوئے ہیں وہ اپنے مریدوں کی طرف سے نماز روزہ بھی ادا کر لیتے ہیں۔ (ج ۲ص ۴۴۳)

آج یہ حال ہے

پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ جو بدعت ہوتی ہے اس کی کوئی حد نہیں ہوتی اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، فرض، واجب اور سنت کی تو ایک حد ہے ناں، لیکن بدعت کی کوئی حد نہیں، جب قرآن اور حدیث کو چھوڑ دیا تو ایسا ہی ہوگا جس کا دل چاہے گا گھٹا لے گا اور جس کا دل چاہے گا بڑھا لے گا۔

گیارہویں شریف پہلے ایک تھی، اب سُنا ہے دو ہو گئی ہیں ایک چھوٹی گیارہویں اور دوسری بڑی گیارہویں، صلاۃ وسلام پہلے اذان کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اب سُنا ہے کہ بعض لوگ اقامت کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔ محفل میلاد میں بھی پہلے یہ ہوتا ہوگا کہ ولادت نبوی کے دن حضور اکرم ﷺ کی سیرت بیان کی جاتی ہوگی۔ نعتیں پڑھی جاتی ہوں گی۔ لیکن اب کیا ہو رہا ہے، پورے شہر میں جھنڈیاں نہیں بلکہ بڑے بڑے جھنڈے لہرائے جاتے ہیں، چراغاں کیا جاتا ہے، روضۂ رسول اور بیت اللہ کی شبیہیں بنائی جاتی ہیں، ان کا طواف کیا جاتا ہے، چوما چاٹی ہوتی ہے، جلوس نکلتے ہیں ان میں ڈھول ڈھمکا ہوتا ہے اور اس میں مقابلے ہوتے ہیں۔

واہ بھئی واہ! نماز میں مقابلہ نہیں، صدقات میں مقابلہ نہیں، جہاد میں مقابلہ نہیں، مقابلہ ہو رہا ہے تو کس چیز میں؟

دکھاوے میں، نمود ونمائش میں، جھنڈے لہرانے میں، ڈھوڈھمکا کرنے میں، خدارا

سینے پر ہاتھ رکھ کر جواب دو کیا یہی اسلام کی تعلیم ہے؟ کیا یہی حضور اکرم ﷺ کی تعلیم ہے؟

جس نبی ﷺ کے خلفاء کا حال یہ ہو کہ وہ صرف اس لیے پرانے کپڑے کا کفن لے لیتے ہوں تا کہ نیا کپڑا کسی غریب مسلمان کے کام آجائے کیا وہ نبی اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ اس کے امتی لاکھوں میٹر ریشمی کپڑا جھنڈے بنانے میں صرف کردیں؟

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے بہت سارے مسلمان بھائی غیر مسلموں سے مرعوب ہو گئے ہیں انہوں نے سوچا کہ جب عیسائی، حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے نام پر کرسمس مناتے ہوئے کروڑوں روپے خرچ کر سکتے ہیں تو ہم مسلمان حضور ﷺ کے یوم ولادت پر خرچ کیوں نہیں کر سکتے۔ گویا ہندوؤں اور عیسائیوں کی رسمیں دیکھ کر ان کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، خدارا ان کا مقابلہ مت کرو ورنہ تم آگے نکل جاؤ گے اور دین پیچھے رہ جائے گا۔

وہ بد بخت تو اپنے بزرگوں کے ایام ولادت پر ناچ گانا، شراب زنا سب کچھ کر رہے ہیں، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کی تصویریں بھی بنا رہے ہیں۔

کیا ہم مسلمان ایسا کر سکتے ہیں؟ یقیناً آپ کا جواب یہ ہوگا کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔

میرے دوستو! آپ یہ بھی تو سوچو کہ کرسمس کی ابتدا بھی تو بڑی معصوم تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہوتا تھا، ان کی منقبت بیان کی جاتی تھی، پھر جلسے جلوس ہوئے، پھر جھنڈے لہرائے، پھر قمقمے روشن ہوئے، پھر رونق بڑھانے کے لیے ناچ گانے کا انتظام ہوا، جب ناچ گانا آیا تو شراب بھی آئی، جب شراب آئی تو زنا بھی آیا، جب زنا آگیا تو حیا چلی گئی۔ عشق عیسیٰ ختم ہو گیا عشق نسواں باقی رہ گیا۔

شراب محبت کے جام خالی ہو گئے اور شراب معصیت کے جام چھلکنے لگے۔ میکدۂ معرفت کی بتیاں گل ہو گئیں اور میکدۂ غلاظت کی روشنیاں نگاہوں کو خیرہ کرنے لگیں۔

ہر لحظہ میلاد

اگر قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر، صحابہ کرام اور تابعین کو چھوڑ کر میلاد مناؤ گے تو اس میں یقیناً خرافات آئیں گی، سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ میلاد ویسے جیسے صحابہ کرام میلاد مناتے تھے، نہ چراغاں کرتے تھے نہ جھنڈیاں لگاتے تھے نہ سجاوٹ نہ بناوٹ، نہ حلوے نہ مٹھائیاں، بس یہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنے آقا کی اطاعت کرتے چلے

جاتے تھے۔ دکان میں، مکان میں، خوشی میں، غمی میں، سفر میں، حضر میں، جنگ میں، امن میں غرض یہ کہ ہر جگہ اور ہر حال میں حضور ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرتے تھے یوں وہ ہر جگہ اور ہر وقت میلاد مناتے تھے، ان کی تجارت ان کی سیاست اور ان کی عبادت کو دیکھ کر حضور اکرم ﷺ کی یاد تازہ ہوتی تھی۔

صحابہؓ میلاد نہیں مناتے تھے مگر آقا کی سنتیں زندہ ہوتی تھیں ہم میلاد مناتے ہیں مگر حضور ﷺ کی سنتیں زندہ نہیں ہوتیں، سنتیں زندہ تو کیا ہوں گی ہماری میلادوں میں تو سنتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ اب دیکھا دیکھی یہ رسم چل پڑی ہے کہ ہر سرکاری ادارہ اور ہر کاروباری شعبہ میلاد منانا ضروری سمجھتا ہے چاہے وہ سودی کاروبار کرتا ہو لیکن میلاد منانا لازم سمجھتا ہے۔ جب محفل میلاد ہوتی ہے تو اس میں مرد بھی شریک ہوتے ہیں اور عورتیں بھی شریک ہوتی ہیں، ویڈیو فلم بنتی ہے، کیمرے چلتے ہیں اور بعض جگہ تو یوں ہوتا ہے کہ پہلے مولوی صاحب کی تقریر ہوتی ہے بعد میں کسی قوال کی قوالی ہوتی ہے یا پھر بھاری بھاری معاوضہ لینے والے داڑھی منڈے نعت خوان تشریف لاتے ہیں اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں، آخر میں ہر شریک محفل کو مٹھائی کا ایک ایک ڈبہ دے دیا جاتا ہے اور یہ ڈبے بھی سرکاری فنڈ سے خریدے جاتے ہیں، اگر مٹھائی اچھی ہو تو شرکاء کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور اگر کوئی سستی اور بیکار سی مٹھائی ہو تو کہنے والے کہتے ہیں کہ اس محفل میں نورانیت اور روحانیت نہیں تھی خواہ مخواہ ہمارا وقت برباد کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ عید میلاد النبی کے جلوس اور پروگرام کے دوران اگر نماز کا وقت ہو جائے تو نماز چھوڑی جاسکتی ہے پروگرام نہیں چھوڑا جاسکتا۔

عشق رسول ہے مگر اتباع رسول نہیں، عشق رسول ہے مگر صورت رسول نہیں، عشق رسول ہے مگر سیرت رسول نہیں!

سب سے زیادہ نقصان

آخر کیا وجہ ہے کہ جن انسانوں کے پاس علم کا نور ہے، جن کے سینوں میں کتاب وسنت کا خزانہ ہے، اور جو اپنے آپ کو میراث نبوت کے وارث سمجھتے ہیں ان کے لئے رب کائنات نے اس قدر سخت انداز اختیار فرمایا ہے کہ انہیں گدھوں تک سے تشبیہ دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر دور میں اسلام کو، مسلمانوں کو، مسلمانوں کے اقتدار کو، اسلامی عقائد ونظریاتی

کو جتنا نقصان منافقوں اور علماء سوء سے پہنچا ہے کسی اور سے نہیں پہنچا، علماء حق پر ہر زمانے میں جس قدر مصائب آئے ان میں اکثر ان علماء سوا ور تاجرانہ ذہنیت رکھنے والے مشائخ کا ہاتھ رہا ہے، امام مالکؒ کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں مجرموں کی طرح پھرایا گیا تو اس میں علماء سوء کا ہاتھ تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کو جیل میں ڈالا گیا تو اس میں پس پردہ علماء سوء کی کارستانیوں کو دخل تھا، امام احمد بن حنبلؒ کی پیٹھ کو کوڑے مار مار کر لہولہان کیا گیا تو اس میں علماء سوء دخیل تھے۔ امام ابن تیمیہ محبوس ہوئے تو یہ علماء سوء کی شرارتوں اور سازشوں کا نتیجہ تھا۔

دینِ اکبری

متحدہ ہندوستان میں تو ان بدبختوں نے حد ہی کر دی ۹۷۰ھ میں ہمایوں کے بیٹے اکبر بادشاہ کو گمراہ کر کے ایک نیا دین ''دین الٰہی'' کے نام سے ایجاد کروایا، ان ضمیر فروشوں کا تذکرہ بڑی تفصیل سے ملتا ہے ان میں سے ایک مولانا زکریا اجودھنی کے صاحب زادے تاج العارفین صاحب تھے۔ انہوں نے بادشاہ کے لئے سجدہ کو واجب قرار دیا اور اس کا نام ''زمین بوس'' رکھا اور بادشاہ کے ادب کا خیال فرض عین قرار دے کر اس کے چہرہ کو قبلہ حاجات اور کعبہ مراوات بتایا۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں ایک اور درباری مولوی کا حال لکھا ہے وہ گردن ٹیڑھی کر کے کورنش بجالایا اور دیر تک ہاتھ اور آنکھیں بند کر کے کھڑا رہا، دیر کے بعد جب اس کو بیٹھنے کا حکم ملا تو فوراً سجدہ میں چلا گیا اور بے کینڈے اونٹ کی مانند بیٹھ گیا۔

درباریوں نے فتویٰ دیا کہ ''شراب اگر بدن کی اصلاح کے لئے طبی طور پر استعمال کی جائے اور اس کے پینے سے کوئی فتنہ وفساد پیدا نہ ہو تو اس طرح پینا جائز ہے، نوروز کی مجلسوں میں اکثر علماء وصلحاء بلکہ قاضی اور مفتی تک شراب نوشی کے میدان میں اتارے جاتے تھے۔

اکبر داڑھی منڈوانے لگا تو درباری مولویوں نے داڑھی منڈوانے کے حق میں عقلی اور نقلی دلائل کا انبار لگا دیا اکبر نے کتے کے ناپاک ہونے کے مسئلہ کو منسوخ قرار دیا تو ایک درباری مولوی فیضی صاحب کتوں کو ہر وقت ساتھ رکھنے لگے اور کبھی کبھی کھانا بھی ان ہی کے ساتھ کھا لیتے تھے۔

انہی میں سے ایک ملا عبداللہ سلطان پوری تھے جن کا عہدہ مخدوم الملک تھا۔

انہوں نے صرف اس لئے کہ حج نہ کرنا پڑے، فریضہ حج کے اسقاط کا فتویٰ دے دیا، ان کا جب انتقال ہوا تو ان کے گھر سے بے شمار دفینے اور خزینے ظاہر ہوئے۔

اکبر کے دماغ میں ایک نئے دین کا خیال آیا تو کئی علماء سوء نے اس نظریہ کی تائید میں دلائل کا ایک انبار جمع کر دیا کہ حضور علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کی عمر صرف ایک ہزار سال تھی اور وہ ختم ہو چکی ہے اور اب نئے دین کی ضرورت ہے بعض کاسہ لیس درباریوں نے اکبر کی ذات میں وہ علامتیں بھی تلاش کر لیں جن سے اس کا ''صاحب زمان'' ہونا ثابت ہوتا تھا۔ ایک مولوی صاحب تھے جن کا نام حاجی ابراہیم سرہندی تھا انہوں نے شیخ ابن عربیؒ کی پرانی کتاب میں یہ تلاش کر لیا کہ صاحب زمان کی علامت یہ ہوگی کہ اس کے پاس بہت سی عورتیں ہوں گی اور وہ داڑھی منڈا ہوگا۔

ظلمت کی انتہاء

گرامی قدر حاضرین! اکبر جو کچھ کر رہا تھا ان علماء سوء کی موجودگی میں اور ان کی تائید سے کر رہا تھا، مولوی تاج العارفین، ملا مبارک ناگوری، ملا عبدالنبی، حاجی ابراہیم سرہندی، ابوالفضل اور فیضی یہ سب درباری مولوی تھے ان کی موجودگی میں اسلام کو تحریف کا نشانہ بنایا گیا اور ظلمت کی انتہا ہوگئی لا الہ الا اللہ کے ساتھ ''اکبر خلیفۃ اللہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ جب اکبر کے مرید آپس میں ملتے تھے تو سلام کے بجائے ان میں سے ایک اللہ اکبر کہتا تھا اور دوسرا جل جلالہ کہتا تھا۔ بادشاہ کے لئے سجدہ واجب قرار پایا، سود اور جوا حلال کر دیا گیا غسل جنابت منسوخ کر دیا گیا، مردوں کے لئے سونا اور ریشم حلال کر دیا گیا، خنزیر اور کتا پاک شمار ہونے لگا، عربی پڑھنا اور عربی جاننا ناجائز قرار دیا گیا، مسجدیں ڈھائی جاتی تھیں اور مندر بنائے جاتے تھے۔

علماء سوء کا فتنہ!

یہ سب کچھ اکبر کے ہاتھوں ہو رہا تھا مگر یہ مت سمجھئے گا کہ اکبر ابتداء ہی سے زندیق تھا وہ ابتداء میں ایک کٹر مسلمان تھا، نماز تو بڑی چیز ہے سفر و حضر میں جماعت بھی ترک نہیں ہوتی تھی، امامت کے لئے سات علماء مقرر تھے سفر میں ایک خاص خیمہ نماز کا ہوتا تھا، علماء کی جوتیاں خود سیدھی کرتا تھا۔ عرصہ تک پیدل اجمیر شریف حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ

کی زیارت کو جایا کرتا تھا بعد چیدہ چیدہ علماء کا اجتماع ہوتا تھا جس میں اکبر بنفس نفیس شریک ہوتا تھا اور مختلف مسائل میں ان کے بحث مباحثہ سے مستفید ہوتا تھا۔ شروع شروع میں ان مولویوں کا نشستوں پر جھگڑا ہوا کہ ان میں سے ہر ایک بادشاہ کے قریب ہونا چاہتا تھا۔ پھر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ایک دوسرے کی نفی اور تردید کرنے لگے یہاں تک کہ ان میں سے ایک کسی چیز کو حلال کہتا تھا تو دوسرا حرام کہتا تھا۔ غصے میں ان کی گردن کی رگیں پھول جاتیں اور وہ ایسا ہلڑ مچاتے کہ اللہ کی پناہ!

علماء سوء کی ان حرکات کی وجہ سے اکبر صرف علماء ہی سے نہیں آہستہ آہستہ دین سے متنفر ہو گیا اور پھر اس نے ''دین الٰہی کے نام پر وہ اودھم مچایا کہ یوں محسوس ہوا کہ ہندوستان سے دین اسلام کا نام ونشان تک مٹ جائے گا لیکن اللہ کا جو دستور ہے کہ شب کی تاریکی کے بعد صبح کا اجالا آتا ہے۔ خزاں کے بعد بہار آتی ہے، مد کے بعد جزر رہوتا ہے۔ ہر فرعون کے لئے موسیٰ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اسی قدیمی دستور کے مطابق سرہند سے مجدد الف ثانیؒ اٹھے جن کے بارے میں اقبال نے کہا ہے

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

حضرت مجدد الف ثانیؒ دین اکبری کے سامنے آہنی دیوار ثابت ہوئے انہیں گوالیار کے قلعہ میں قید کیا گیا مگر انہوں نے قید خانہ کی کایا پلٹ کر رکھ دی، یہ ان کی جہد مسلسل ہی کا نتیجہ تھا کہ اکبر کے بعد جہانگیر کے زمانہ سے حالات بدلنے لگے اور شاہ جہاں اورنگ زیبؒ کے دور میں تو صورتحال بالکل ہی بدل گئی، اہل علم کی قدر ہونے لگی اور اسلامی شعائر زندہ ہونے لگے۔ (ج ۲)

تین ولادتیں

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ایک نہیں بلکہ تین ولادتیں تھیں۔

ایک تو وہ عرفی ولادت جب آپ رحم مادر سے اس دنیائے آب وگل میں تشریف

لائے۔ اللہ تو اس بات پر بھی قادر تھا کہ آپ کو براہ راست آسمان سے نازل فرما دیتا لیکن اس صورت میں ممکن تھا کہ بعض لوگ آپ ﷺ کو خدا بنا لیتے اس لیے آپ کی عرفی ولادت اسی طریقے سے ہوئی جیسے عام بچوں کی ولادت ہوتی ہے۔

آپ کی دوسری ولادت، عرفی ولادت کے چالیس سال بعد غار حرا میں ہوئی جب جبرئیل امین وحی لے کر آئے اور محمد بن عبداللہ کو محمد رسول اللہ بنا دیا گیا۔

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں

زادہ نیست احمد در جہان
صد قیامت بود اندر او عیان

یہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی دوسری ولادت تھی اور اس ولادت میں سو قیامتیں عیاں تھیں۔

محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے آپ کا تعارف مکہ تک محدود تھا اور جب آپ محمد رسول اللہ بنے تو آپ کا تعارف مکہ سے مدینہ تک، مدینہ سے پورے عرب میں اور عرب سے عجم تک اور پھر پوری دنیا میں عام ہو گیا۔

آپ کی پہلی ولادت ہوئی تو آپ کا مخالف کوئی نہ تھا، آپ ﷺ کی دوسری ولادت ہوئی تو چند سعادت مندوں کے سوا سبھی آپ کے دشمن ہو گئے۔

آپ کی عرفی ولادت ہوئی تو جشن منانے میں ابولہب پیش پیش تھا اور آپ کی حقیقی ولادت ہوئی تو ایذا دہی اور مذاق اڑانے میں ابولہب آگے آگے تھا۔ اور آپ کی تیسری ولادت اس وقت ہوئی جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے اس لیے کہ آپ ﷺ کے پردہ فرمانے سے نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور نبوت کی جو ذمہ داریاں تھیں وہ امت کے سپرد ہو گئیں، سلسلہ نبوت ختم ہو گیا مگر کار نبوت باقی ہے اور یہ کار نبوت، امت کو آگے بڑھانا ہے۔

اور سن لیجئے جو خوش قسمت اپنا مال، اپنا وقت اور اپنی جانیں دے کر کار نبوت کو آگے بڑھا رہے ہیں، وہ ہر مہینے، ہر ہفتے، ہر دن اور ہر گھڑی میلاد النبی ﷺ منا رہے ہیں لیکن جنہوں نے مقصد نبوت اور کار نبوت کو فراموش کر دیا ہے وہ لاکھ جھنڈیاں لہرائیں سچی بات یہ ہے کہ ان بیچاروں کو میلاد النبی ﷺ منانے کا طریقہ ہی نہیں آیا۔

میرے جشن منانے والے دوستو! ہمیں آپ سے کوئی ضد نہیں کوئی عداوت نہیں، کوئی نفرت نہیں، بس یہ سوچ لو کہ بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ کی ولادت ہوئی یا نہیں اس بارے میں تو علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے لیکن اس بارے میں اکثر کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی وفات بارہ ربیع الاول ہی کو ہوئی تھی اس لیے ہمارے عوامی محاورے میں بارہ وفات کا جملہ بڑا مشہور ہے۔ اگر بالفرض ولادت کی وجہ سے بارہ ربیع الاول جشن منانے کا دن ہے تو کیا وفات کی وجہ سے یہ سوگ منانے کا دن نہیں ہے؟

سیرت کی ساری کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں کہ بارہ ربیع الاول کو مدینے والوں کا کیا حال تھا؟ کیا جلوس نکل رہے تھے؟ کیا بتیاں جلائی جارہی تھیں؟ کیا جھنڈیاں لگائی جارہی تھیں؟ کیا مٹھائیاں بٹ رہی تھیں؟

ارے نہیں یہ سب کچھ نہیں ہو رہا تھا بلکہ ہر طرف غم کے بادل تھے، آنکھوں میں آنسو تھے؟ چہرے اُترے ہوئے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جس دن حضور ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تھے اس دن مدینہ کی ہر چیز روشن نظر آتی تھی اور جس دن حضور ﷺ کا انتقال ہوا مدینہ کی ہر چیز تاریک دکھائی دیتی تھی۔ البتہ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ اس دن عید منانی چاہیے یا سوگ منانا چاہئے تو ہم یہی جواب دیں گے کہ نہ عید نہ سوگ۔

عید تو اس لیے نہیں کہ اسلام میں عیدیں صرف دو ہیں ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ، تیسری کوئی عید ہمارے دین میں نہیں ہے اسی لیے صحابہؓ نے بھی دو عیدوں کے سوا تیسری عید کبھی نہیں منائی اور سوگ بھی ہم نہیں مناتے کیونکہ سوگ منانے کا بھی کوئی ثبوت ہمیں حدیث سے نہیں ملتا۔ صرف پہلی بار حضور ﷺ کی وفات کے وقت صحابہؓ ضرور روئے ہیں لیکن انہوں نے اسے اپنا معمول نہیں بنایا کہ ہر سال یوم وفات مناتے ہوں، یہ طریقے تو غیر مسلموں کے ہیں کہ وہ یوم ولادت بھی مناتے ہیں اور یوم وفات بھی مناتے ہیں۔ اسلام نے نہ تو یوم ولادت منانے کی تلقین کی ہے اور نہ ہی یوم وفات منانے کا سبق دیا ہے۔

باوفا شوہر

آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کی گیارہ بیویاں تھیں جن میں سے دو آپ کی زندگی ہی میں وفات پاگئی تھیں اور نو آخر تک زندہ رہیں۔

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتی تھیں اس لیے ظاہر ہے کہ ان کے مزاج اور طبیعتیں بھی مختلف تھیں۔ ان میں سے کوئی مالدار گھرانے کی تھی، کوئی غریب خاندان کی تھی، کوئی مکہ کی تھی اور کوئی مدینہ اور مدینہ سے باہر کی تھی، کوئی رشتہ دار تھی، کوئی غیر رشتہ دار تھی، کوئی نوجوان تھی، کوئی بڑھاپے کی عمر تک پہنچ چکی تھی، کوئی عربوں کی بیٹی تھی، کوئی یہودیوں کی بیٹی تھی لیکن کیا یہ میرے آقا کا کمال نہیں کہ آپ ﷺ نے زندگی بھر ان سب کو جوڑے رکھا، چھوٹی موٹی شکایتیں تو ہوتی ہی ہیں لیکن کوئی ایسا بڑا معاملہ پیش نہیں آیا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی یہ ظاہر کرتی کہ میں ان حالات میں محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ بعض اوقات مال و دولت بہت سی کمزوریوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور سونے چاندی کی چمک دمک اور خوش حالی دیکھ کر بہت ساری زبانیں بند ہو جاتی ہیں لیکن میرے آقا کے گھر میں نہ دولت کے انبار تھے، نہ سونے چاندی کی تھیلیاں تھیں وہاں تو فقر و فاقہ نے مستقل ڈیرہ جما رکھا تھا اس فقر و فاقہ کے باوجود ازواج مطہرات نے زندگی بنائی ہے تو کیا یہ میرے آقا ﷺ کا کمال نہیں؟

تیسری بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ میرے آقا کی ذمہ داریاں بہت ساری تھیں۔ آپ صرف بیویوں کے شوہر ہی نہ تھے بلکہ معلّم اور مربی بھی تھے مجاہد اور کمانڈر بھی تھے، امام اور خطیب بھی تھے، راتوں کو جاگنے والے عابد بھی تھے، یتیموں اور بیواؤں کے سرپرست بھی تھے، اسلامی مملکت کے فرمانروا اور حکمران بھی تھے، قاضی اور جج بھی تھے، اور ان سارے شعبوں میں آپ کو کچھ نہ کچھ وقت دینا ہی پڑتا تھا اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ حضور ﷺ بیویوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کیسے وقت نکالتے ہوں گے؟ مگر ظاہر ہے کہ آپ وقت بھی نکالتے تھے اور ان کے حقوق بھی ادا کرتے تھے۔

سوچیے اور بار بار سوچئے کہ یہ سارے پہلو آپ کو ایک بے مثال شوہر ثابت نہیں کرتے؟ (ج ۶ ص ۳۱۰)

جائیے اور دنیا بھر کے استادوں، پیروں، لیڈروں، سرداروں، وزیروں، بادشاہوں، خطیبوں اور اماموں کے حالات پڑھ جائیے اور دیکھئے ہے کوئی ایسا جو والی مدینہ کی طرح گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتا ہو، حالانکہ اس کی نو بیویاں ہوں اور ہر بیوی خدمت

کوسعادت سمجھتی ہو، پھر یہ بھی ہو کہ ازواج کے حقوق کی ادائیگی کی وجہ سے اس کی زندگی کا کوئی دوسرا شعبہ متاثر نہ ہوا ہو نہ دعوت متاثر ہوئی، نہ تعلیم وتربیت متاثر ہوئی، نہ جہاد اور محاذ جنگ متاثر ہوا، یہ فلاحی خدمات کا دائرہ متاثر ہوا، نہ عدالتی نظام متاثر ہوا، خدا کی قسم! میں سچ کہتا ہوں، نہیں ہے کوئی میرے آقا ﷺ جیسا۔ جو کوئی کہتا ہے کہ ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم ایک شادی کر کے نکمے ہو جاتے ہیں وہ پیغمبر کتنا عظیم تھا جس نے نو بیویوں کے حقوق ادا کیے اور اپنی دوسری دینی، دنیاوی، سیاسی، فوجی، عدالتی، تعلیمی، دعوتی اور فلاحی ذمہ داریوں کو بھی پوری طرح ادا کیا۔

جب سب سو رہے ہوتے تھے وہ جاگ رہا ہوتا تھا، جب سب تھک جاتے تھے وہ مستعد ہوتا تھا، جب سب بھاگ جاتے تھے وہ ثابت قدم رہتا تھا، جب سب پر مایوسی طاری ہوتی تھی وہ پُر امید ہوتا تھا، جب سب سیر ہوتے تھے وہ بھوکا ہوتا تھا، جب سب ہنس رہے ہوتے تھے وہ رو رہا ہوتا تھا، واقعی میرے دوستو! حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ؓ کا شوہر بے مثال تھا۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ اس کی ازدواجی زندگی سے دوسرا کوئی شعبہ متاثر نہیں ہوا۔ نہ جہاد متاثر ہوا نہ تبلیغ ودعوت متاثر ہوئی۔ (ج۶ص۳۱۱)

خاندانی منصوبہ بندی

صد افسوس کہ آجکل ہمارے ہاں خاندانی منصوبہ بندی یا برتھ کنٹرول کی تحریک چل رہی ہے، اس میں بھی پس پردہ یہی سوچ کارفرما ہے کہ آبادی میں اگر اضافہ ہو گیا تو اس کی ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی، لہٰذا اس آبادی میں اضافہ کی روک تھام کے لئے ایک باقاعدہ محکمہ قائم کیا گیا ہے جس کا ہر سال کا بجٹ کروڑوں روپے ہوتا ہے، یہ محکمہ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں اشتہار بازی پر لاکھوں روپیہ خرچ کر رہا ہے۔

لوگوں کو اعداد وشمار کے ذریعہ ڈرایا جا رہا ہے کہ فلاں سن میں پاکستان کی آبادی اتنے کروڑ کی ہو جائے گی اور اتنی بڑی آبادی کی معاشی ضروریات پوری کرنا ناممکن ہو جائے گا، لہٰذا آبادی کو کنٹرول کیا جائے، حالانکہ یہ سوچ اور یہ تحریک، اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت میں مداخلت کے مترادف ہے، اس کا وعدہ ہے:

وما من دابة في الارض الا على الله رزقها و يعلم مستقرها و مستودها

زمین پر چلنے والی مخلوق ایسی نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو، وہ ان سب کے ٹھیئے ٹھکانے کو جانتا ہے۔

تمہیں انسانوں کی روزی کی فکر ہے جب کہ وہ رحیم وکریم رب کہتا ہے کہ میں ہر جاندار کی مستقل قیام گاہ اور عارضی قیام گاہ کو جانتا ہوں اور انہیں ان کے ٹھکانے پر ہی روزی پہنچاتا ہوں، خواہ جنگل کے درندے ہوں یا فضاؤں میں اُڑنے والے پرندے ہوں، خواہ بلوں میں رہنے والی چیونٹیاں ہوں یا سمندروں اور دریاؤں میں رہنے والی مچھلیاں اور دوسرے جانور ہوں، وہ سب کو ان کی ضروریات زندگی فراہم کر رہا ہے۔

اللہ کا نظام

منصوبہ آبادی کا اس کا اپنا ایک نظام ہے جو ہر قسم کے خلل اور خرابیوں سے پاک ہے، اس نظام کے تحت وہ انسانوں اور حیوانوں کی آبادی کو کنٹرول کرتا ہے اور انہیں ایک حد تک رکھتا ہے دنیا میں بسنے والوں کو جس چیز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے، اسے وہ عام کر دیتا ہے اور جس چیز کی ضرورت کم ہوتی ہے، اسے وہ اپنے نظام کے تحت خود ہی کم کر دیتا ہے اس کی ایک بڑی واضح مثال یہ ہے کہ جب سفر کے لئے ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریل گاڑیاں اور موٹر کاریں ایجاد نہیں ہوئی تھیں، اس وقت تمام انسان گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کرتے تھے، جو کہ بآسانی ہر ملک ہر شہر اور ہر گاؤں میں انہیں میسر آجاتے تھے، لیکن جب سفر کے جدید ذرائع وجود میں آگئے ہوائی اور بحری جہاز ریل گاڑیاں اور موٹر کاریں عام ہو گئیں تو گھوڑوں اور اونٹوں کی اہمیت کم ہو گئی، یہاں تک کہ آہستہ آہستہ لوگوں نے انہیں عام استعمال میں لانا ہی چھوڑ دیا، اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ آج گلی کوچوں میں گھوڑے اور اونٹ بلیوں کی طرح گھومتے دکھائی دیتے، ان کے ریوڑ کے ریوڑ ہوتے یا کم از کم تو یہ ہوتا کہ ان کی قیمتیں اتنی کم ہو جاتیں کہ ہر کوئی آسانی سے انہیں خرید سکتا۔

لیکن ہوا کیا؟ نہ تو گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد میں اضافہ ہوا نہ ہی ان کی قیمتیں کم ہوئیں، جوں ہی حمل ونقل کے ذرائع وجود میں آئے، قدرت کے نظام کے تحت بتدریج گھوڑوں اور اُونٹوں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی، ایسا نہیں ہوا کہ ان کی نسل کشی یا منصوبہ آبادی کے لئے کوئی مہم چلائی گئی ہو یا کوئی محکمہ قائم کیا گیا ہو، یا دوائیاں ایجاد کی گئی ہوں بلکہ خود بخود ہی

ان کی تعداد کم ہوتی چلی گئی، اور قیمتیں آسمانوں سے باتیں کرنے لگیں، پہلے ہر گھر میں گھوڑا ہوتا تھا، اب گھوڑے خال خال لوگوں کے پاس ہوتے ہیں، علاوہ ازیں پرانے لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں پہلے قانونی طور پر گائے ذبح کرنے کی اجازت تھی، ہر روز لاکھوں کی تعداد میں گائے ذبح ہوتی تھیں۔ انڈیا بہت بڑا ملک ہے، پورے ملک میں ایک دن میں کم از کم دولاکھ گائیں تو ذبح ضرور ہوتی ہوں گی اور دولاکھ کا مطلب ہے ایک مہینہ میں ساٹھ لاکھ گویا سالانہ کروڑوں گائیں ذبح کی جاتی تھیں، مگر بعد میں انڈیا کی متعصب حکومت نے گائے کے ذبح کرنے پر پابندی لگادی، اب ہونا تو چاہئے تھا کہ جب سالانہ پانچ سات کروڑ گائیں ذبح ہونے سے بچ رہی ہیں تو تیس چالیس کے عرصے میں گائے کی اتنی کثرت ہوجاتی کہ انسانوں کا آبادیوں میں رہنا محال ہو جاتا، کیونکہ گائے بھی تو آبادی میں رہتی ہے، جنگل میں تو نہیں رہتی، حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی ان دیکھے ہاتھ نے ان کی افزائش نسل کو منصوبہ بندی کے تحت کم کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں ایسی مخلوق بھی پیدا کی ہے، جس کے اندر توالد و تناسل کی ایسی زبردست قوت پائی جاتی ہے کہ اس کی نسل کو پوری قوت سے بڑھنے دیا جائے تو تمام روئے زمین صرف اسی نسل سے پٹ جائے اور کسی دوسری نسل کے لئے ایک ذرہ برابر جگہ باقی نہ رہے۔

مثلاً اسٹار مچھلی بیس کروڑ انڈے دیتی ہے اگر اس نسل کے صرف ایک جوڑے کو اپنی پوری نسل بڑھانے کا موقع مل جائے تو صرف اسی جوڑے کی تیسری چوتھی نسل تک دنیا کے تمام سمندر اسی سے بھر جائیں، اور ان می پانی کے ایک قطرے کی بھی گنجائش نہ رہے، مگر وہ کون ہے جو ان نسلوں کو اپنی مقررہ حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتا۔

کیا وہ آپ کا برتھ کنٹرول اور خاندانی منصوبہ بندی کا محکمہ ہے؟ کیا وہ آپ کا کنڈوم کلچر ہے؟ کیا یہ آپ کی مانع حمل دواؤں کا اثر ہے؟ نہیں! ان میں سے کوئی چیز نہیں۔ بلکہ وہ میرے رب کا اپنا نظام ہے جو اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں ساری کائنات کو اور کائنات کی ساری مخلوقات کو کنٹرول کرتا ہے۔

میرے اور آپ کے نظام میں خرابی ہوسکتی ہے لیکن اس کے نظام میں کوئی خرابی نہیں۔ جب وہ مالک و خالق وعدہ کرتا ہے کہ زرق میرے ذمہ ہے تو ہمیں ان دیکھے

اندیشوں سے دبلا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ جوں جوں آبادی میں اضافہ کریگا وسائل واسباب میں بھی اضافہ کرتا چلا جائیگا۔ (ندائے منبر ومحراب ج ۵ ص ۳۴)

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ کا اصل تعلق ظاہر سے نہیں، باطن سے ہے، جسم سے نہیں بلکہ دل سے ہے صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے مجمع میں دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

التقویٰ ھٰھُنا تقویٰ یہاں ہے

تقویٰ یہ ہے کہ دل میں حلال وحرام کی، خیر اور شر کی خلش پیدا ہو جائے جب دل میں یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو نیکی کا کرنا آسان اور برائی کا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب دل میں یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو انسان رات کی تاریکی میں بھی گناہ سے بچ جاتا ہے اور دن کے اُجالے میں بھی۔ جب دل میں یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو نفس کے تقاضے مغلوب ہو جاتے ہیں اور شریعت کے تقاضے غالب آجاتے ہیں۔

جب یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی آنکھیں نامحرم کی طرف نہیں اٹھتیں، اس کی زبان کسی کی عزت سے نہیں کھیلتی، اس کے کان فحش کلام نہیں سنتے، اس کے پاؤں معصیت کی طرف نہیں چلتے، اس کے ہاتھ کسی مسلمان پر نہیں اٹھتے۔

جب یہ خلش دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اشتعال دلانے کے باوجود کہہ دیتا ہے۔

لئن بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیک لا قتلک انی اخاف اللہ رب العالمین.

تو اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر اٹھائے گا کہ مجھے قتل کر ڈالے تو میں (جب بھی) اپنا ہاتھ تجھ پر اٹھانے کا نہیں کہ تجھے قتل کر ڈالوں (کیونکہ) میں تو اللہ پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔

جب دل میں یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو خلوت خانے میں کسی جوان رعنا کو اگر کوئی سراپا حسن وجمال دعوت دیتے ہوئے کہتی ہے۔

ھیت لک بس آجاؤ

تو وہ پوری قوت کے ساتھ جواب دے دیتا ہے۔

معاذ اللہ اللہ کی پناہ

روزے فرض کرنے سے بھی اصل مقصد یہی ہے کہ دل میں خیر و شر کی خلش پیدا ہو جائے۔ طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک حکم ہوتا ہے کہ اپنی منکوحہ بیوی کے قریب نہیں جانا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے کمائی ہوئی حلال روزی کو استعمال نہیں کرنا۔ آپ خود ہی سوچئے کہ جو شخص محض اللہ کے ڈر سے اپنی بیوی کے قریب نہیں جاتا، وہ دوسرے کی ماں بہن کو غلط نظر سے کیسے دیکھ سکتا ہے۔ جو شخص اللہ کے ڈر سے اپنے خون پسینے کی کمائی سے ہاتھ کھینچ سکتا ہے وہ دوسروں کے حقوق پر کیسے ڈاکہ ڈال سکتا ہے۔

(ندائے منبر و محراب ج ۵ ص ۱۱۹)

چند اشکالات

کئی سائنسدان اور پڑھے لکھے جاہل کہتے ہیں کہ ہم نے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا ہے، جنگلوں میں گئے ہیں، سمندروں کا سفر کیا ہے، پہاڑوں کا نظارہ کیا ہے، ہمیں تو کہیں بھی جنت اور دوزخ دکھائی نہیں دی۔ آپ ان سائنسدانوں سے پوچھئے کیا آپ نے ساری کائنات دیکھ لی ہے؟ کیا آپ نے سمندروں کی گہرائیوں اور فضا کی وسعتوں کا پوری طرح مشاہدہ کر لیا ہے؟

کیا آپ نے تمام سیاروں کی سیر کر لی ہے؟

یہ بات سائنسدان ہی بتاتے ہیں کہ یہ کائنات پانچ سو ملین کہکشاؤں پر مشتمل ہے، ایک ملین دس لاکھ کے برابر ہوتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کائنات میں کروڑوں کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم و بیش سیارے پائے جاتے ہیں، گویا اربوں کھربوں سیارے ہیں اور انسان نے تو ابھی زمین سے باہر صرف چاند پر قدم رکھا ہے اور چاند کو بھی انسان پوری طرح دیکھ نہیں پایا، وہاں جاتا ہے اور تحقیق کے لئے کچھ ٹکڑے لے کر بھاگ آتا ہے۔

ذرا اس کمزور انسان کے ناقص علم اور ناقص مشاہدے کو دیکھیں اور پھر اس کے دعوؤں کے پہاڑ کو دیکھیں، کہتا ہے میں نے کائنات کا کونہ کونہ چھان مارا ہے، مجھے کہیں

جنت اور دوزخ دکھائی نہیں دی۔

ارے ظالم اربوں کھربوں سیاروں میں سے صرف ایک سیارے پر تو نے ادھورا سا قدم رکھا ہے اور دعوے یہ کر رہا ہے کہ میں نے خدا کی ساری خدائی دیکھ لی ہے۔

کتنا جھوٹا ہے تو اور کیسے بے بنیاد دعوے کرتا ہے تو بعض لوگ وہ ہیں جو معاذ اللہ، مالک کائنات کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں وہ بیچارے سمجھتے ہیں کہ ہمیں خالص شہد کی ایک بوتل نہیں ملتی۔ جنت میں شہد کی نہر کہاں سے آئے گی۔

ہم تو چند کلو خاص دودھ کے لئے ترس جاتے ہیں وہاں دودھ کی نہریں کیسے بہیں گی۔ یہاں چند تولے سونا بڑی مشکل سے ملتا ہے وہاں سونے چاندی اور موتیوں کے مکانات کیسے بن جائیں گے۔ ان نادانوں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے وہ شکم مادر ہی کو اپنی کائنات اور عیش و راحت کی جگہ سمجھتا ہے، اُسے اگر بتایا جائے کہ جب تم یہاں سے باہر نکلو گے تو ایک وسیع و عریض دنیا تمہیں دیکھنے کو ملے گی، جہاں لمبے چوڑے بازار اور سڑکیں ہوں گی، فلک بوس عمارتیں ہوں گی، گاڑیاں، ہوئی جہاز اور ٹرک ہوں گے۔

پھلوں اور پھولوں سے لدے پھندے باغات ہوں گے۔ تو وہ ان معلومات کے فراہم کرنے والے کو پاگل اور بے وقوف قرار دے گا اور صاف کہہ دے گا کہ ایسا ہونا بالکل نا ممکن ہے، جو کچھ ہے وہ یہی پیٹ ہے اور خورد و نوش کا سامان بس وہی ہے جو یہاں میسر ہے۔

یا ان کی مثال کنوئیں کے اس مینڈک کی سی ہے جو کنوئیں ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے اور کنوئیں سے باہر کی دنیا کا انکار کرتا ہے۔

ارے اللہ کے بندو! اللہ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو، اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں، اس کے خزانوں کا کوئی شمار نہیں۔

جس دنیا میں تم رہتے ہو، ایسی اربوں کھربوں دنیائیں وہ پیدا کر سکتا ہے، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس نے پیدا کی ہوئی ہیں۔ مگر انسان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ان دنیاؤں کا اب تک مشاہدہ نہیں کر سکا۔

میرے بزرگو اور دوستو! کافر اور مشرک اشکال کرتے ہیں تو کرتے رہیں، ہم تو مسلمان ہیں، ہمیں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایک ایک خبر پر ایک ایک بات پر ایک

ایک وعدے پر ایک ایک وعید پر سچا یقین ہونا چاہیے اور اس یقین کا تقاضا ہے کہ ہم وہ راستہ اختیار کریں جو جنت کی طرف جاتا ہے۔ (ندائے منبر ومحراب ج۵ ص۲۰۶)

ہے کوئی ایسا لیڈر

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں محنت کش کا مقام بہت بلند ہے۔ اس قدر بلند کہ کائنات کے سردار نے مزدور کے کھردرے ہاتھوں کو اپنے ان مقدس لبوں سے بوسہ دیا جن لبوں پر وحی کی آیات مچلتی تھیں۔

اسد الغابہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جابرؓ نے حضور اقدس ﷺ سے مصافحہ کیا تو ان کی ہتھیلی کچھ کھردری اور داغدار نظر آئی۔ حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا یہ داغ کیسے ہیں؟ عرض کیا: یا رسول اللہ میں نعل بندی کا کام کرتا ہوں اور اسی سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں یہ سُن کر حضور اقدس ﷺ نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ارشاد فرمایا:

ھذہ ید لا تمسہ النار

یہ وہ ہاتھ ہے جسے آگ نہیں چھوسکتی۔

اسی طرح کا واقع حضرت معاذ بن جبلؓ کے بارے میں بھی ہے۔ آپ انہیں غزوۂ تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنا کر گئے تھے۔ چنانچہ وہ اپنا وقت مسلمانوں کی خدمت میں صرف کرتے تھے، پھر اپنی ضروریات کے لئے لکڑیاں کاٹتے تھے، جب رسول اکرم ﷺ واپس تشریف لائے تو ان کے ہاتھوں میں وہ سختی محسوس کی جو پہلے محسوس نہ ہوتی تھی اس کی وجہ دریافت کی۔ جب سبب معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کا ہاتھ اُٹھا کر چوم لیا اور فرمایا۔ یہ ایسا ہاتھ ہے جسے دوزخ کی آگ کبھی نہ پہنچے گی، یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائی۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں سوشلزم، کمیونزم یا نظام سرمایہ داری نے مزدور کو عظمت دی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام نظاموں میں مزدور کا استحصال ہوا ہے۔ اس کے حقوق چھینے گئے ہیں، اس کے خون پسینے کی کمائی کو شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کیا گیا ہے۔

مزدوروں کا دم بھرنے والے نام نہاد لیڈر جن مہنگی کاروں میں سفر کرتے ہیں ان میں پٹرول کی جگہ مزدوروں کا خون جلتا ہے۔ جن شاندار بنگلوں میں یہ رہتے ہیں ان کی

بنیادوں میں مزدوروں کا خون شامل ہوتا ہے۔ ان کے تیس تیس ہزار روپے کے لباس سے محنت کشوں کے خون کی بو آتی ہے۔

یہ اسٹیج پر آتے ہیں تو کچھ اور ہوتے ہیں، خلوت میں جاتے ہیں تو کچھ اور ہوتے ہیں۔ یہ اپنی عوامی زندگی میں بڑے ہمدرد، ملنسار اور مزدور دوست ہوتے ہیں لیکن نجی زندگی میں بڑے سفاک، ظالم اور خونخوار ہوتے ہیں۔ وہ لیڈران کرام جن پر عوام جان چھڑکتے ہیں اور ان کے لئے زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں، اگر ان کی نجی زندگی عوام کے سامنے آجائے تو شاید وہ ان کی منحوس شکل پر تھوکنا بھی گوارہ نہ کریں، لیکن میرے آقا ﷺ کی جلوت اور خلوت ایک جیسی تھی، نجی زندگی اور عوامی زندگی میں یکسانیت تھی، ہر جگہ توازن تھا، مساوات تھی، ہمدردی تھی، غمگساری تھی، غریب پروری تھی، سادگی تھی، ایثار تھا، پیار تھا، آپ دکھایئے کوئی ایسا لیڈر جو غریبوں سے، یتیموں سے، کمزوروں سے، مزدوروں سے اتنا پیار کرتا ہو جتنا میرے آقا ﷺ پیار فرماتے تھے۔

مزدورو! تمہیں تو اپنی قسمت پہ ناز کرنا چاہئے کہ کائنات کے سردار نے، انسانیت کے وقار نے، عرب وعجم کے افتخار نے، امام الاخیار نے تمہارے ہاتھوں کو یہ عظمت عطا کی کہ انہیں اُن لبوں نے بوسہ دیا جو وحی کی تلاوت کرنے والے تھے، جو لب ابدی سچائیوں کی ترجمانی کرنے والے تھے جن لبوں پر صبح خنداں کا حسن، کلیوں کا تبسم، حوروں کا جمال اور ستاروں کا نور قربان کیا جاسکتا ہے۔ وہ لب جن کے بارے میں ابوجہل بھی گواہی دیتا تھا کہ یہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ ہاں! انہی لبوں سے مزدور کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ماذ بن جبلؓ اور حضرت جابرؓ کا اپنا مقام ہے وہ صحابی تھے، عابد وزاہد تھے، قاری تھے، مجاہد تھے، یہ سب صفات ان میں تھیں لیکن اس مقام پر ان کے ہاتھوں کو بوسہ آپ نے ان کے زہد وتقویٰ اور نماز وروزہ کی وجہ سے نہیں دیا بلکہ ان کی محنت کشی اور مزدوری کی وجہ سے دیا۔ اور جن لیڈروں کو تم اپنے حقوق کا نگہبان سمجھتے ہو وہ تو تمہارے ساتھ ہاتھ ملانے کو بڑا احسان سمجھتے ہیں اور ممکن ہے کہ ہاتھ ملانے کے بعد ڈیٹول سے دھوتے بھی ہوں تاکہ تمہارے جراثیم ان کے اندر سرایت نہ کر جائیں۔ ان بدبختوں کو تمہارے پسینے سے اتنی کراہیت آتی ہے کہ وہ تمہارے پاس بیٹھنا گوارہ نہیں کرتے لیکن

میرے آقا ﷺ محنت کشوں کو سینے سے لگاتے تھے، ان کے ہاتھ چومتے تھے، انہیں دستر خوان پر اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے تھے۔

اس واقعہ میں ان نام نہاد پیروں کے لئے بھی سبق ہے جو سرمایہ داروں کے ہر طرح کے چونچلے برداشت کرتے ہیں، ان کے در دولت پر حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں، ان کے پاس گھنٹوں بیٹھ کر وقت ضائع کرتے ہیں اور اگر کبھی سیٹھ صاحب ان کے دربار میں آجائیں تو ان کی باچھیں اتنی کھل جاتی ہیں کہ قریب ہے کہ چِر جائیں، وہ آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرتے ہیں اور انہیں اپنی مسند پر بٹھا کر ان کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور روبوٹ کی طرح سر ہلاتے رہتے ہیں اور جی جی کرتے جاتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی مفلس شخص بھولے سے ان کے پاس چلا جائے تو ان کا موڈ آف ہو جاتا ہے، ان کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں ان کے لئے اس سے ملنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے عبرت کی بات یہ ہے کہ ان غریب مریدوں سے انہیں نذرانے لینے میں تو قطعاً کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی لیکن ان بیچاروں سے ملنے میں حضرت جی کو بڑی شرم محسوس ہوتی ہے کہ آخر لوگ کیا کہیں گے ہمارے حضرت ایسے کنگلوں اور قلاشوں کے پیر ہیں؟

میرے دور کے پیران عظام اور علمائے کرام! ان مزدوروں اور غریبوں سے نفرت مت کیجئے، ان کے پیار کا جواب پیار سے دیجئے، ان کے پیار میں کوئی کھوٹ نہیں، کوئی ملاوٹ نہیں، یہ تو ہماری جماعتوں، مجلسوں اور تحریکوں کا اصل سرمایہ ہیں، آقا ﷺ کے اسوہ کو سامنے رکھئے کہ کس طرح آپ ان کے کھردرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے۔

عملی نقشہ

پھر یہ بات بھی یاد رکھئے کہ میرے آقا ﷺ نے صرف مزدوروں کے ہاتھ ہی نہیں چومے، صرف ان کی حوصلہ افزائی ہی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ خود عملاً مزدوری کر کے دکھلائی اور مزدوری میں کبھی عار محسوس نہیں کی۔ زمانہ نبوت سے پہلے آپ چند قیراط کے بدلے مکے کی وادیوں میں لوگوں کی بکریاں چراتے تھے۔ اس بات کو آپ ﷺ نے کبھی نہیں چھپایا، بلکہ بلاتکلف بتادیا کہ میں نبوت سے پیشتر معمولی اجرت پر لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اور یہ خیال نہ کیجئے گا کہ محنت مزدوری سے نبوت ملنے کے بعد آپ ﷺ نے کنارہ کشی

اختیار کرلی تھی۔ جیسا کہ ہمارے دور کے لیڈروں کا حال ہے کہ لیڈری چمکنے سے پہلے وہ ہر کام کرتے ہیں، سائیکل پر سوار ہوتے ہیں، بسوں اور ریل گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں، چھوٹا موٹا کھا کر گذر بسر کرتے ہیں، جھونپڑا نما مکان میں رہتے ہیں لیکن لیڈری چمکنے کے بعد سائیکل پر سوار ہونا ان کے لئے ڈوب مرنے کا موقع ہوتا ہے، ہوائی جہازوں کے بغیر وہ سفر نہیں کر سکتے، فائیو اسٹار ہوٹلوں میں وہ لنچ اڑاتے ہیں، وسیع وعریض بنگلوں میں ان کی رہائش ہوتی ہے، ان کے نزلے کھانسی کا علاج یورپ کے مہنگے ترین ہسپتالوں میں ہوتا ہے ان کے بچے غیر ملکی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، مزدوری میں انہیں عار محسوس ہوتی ہے، وہ اگر کسی عمارت کے افتتاح کے وقت ایک بیلچہ سیمنٹ کا اٹھا کر عمارت کی بنیاد میں ڈال دیتے ہیں تو ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اس انہونے واقعہ کو سر پر اٹھا لیتے ہیں۔

میرے آقا ﷺ کے پاس وہ خدام اور جان نثار غلام تھے جو ہر وقت خدمت کے لئے آمادہ رہتے تھے، جو اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے تھے، جو آقا کی خدمت کو جنت کی ضمانت جانتے تھے، جو آقا کے پسینے کی جگہ خون بہانا اپنے فرض سمجھتے تھے، لیکن ان خدام کے ہوتے ہوئے بھی میرے آقا ﷺ ہر محنت طلب کام میں برابر شریک ہوتے تھے۔ اس پیارے منظر کو سامنے لائیے جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی اور صحابہ کرامؓ پتھر اور گارا اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے تو اس سارے عمل میں میرے آقا بذات خود بھی شریک تھے۔

(ندائے منبر ومحراب ج ۳ ص ۱۵۸ تا ۱۶۳)

مزدور اور محنت کش کے حقوق

وہ دین اسلام جو مزدور کو روزانہ، ہفتہ وار اور سالانہ راحت و آرام کا وقت نبی کریم ﷺ کے درج ذیل فرمان عالی کے تحت دلاتا ہے کہ قلوب کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے راحت پہنچاتے رہا کرو یہی دین اسلام ان ضروریات کا بھی خیال رکھتا ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات یومیہ کام کے اوقات آٹھ گھنٹوں سے بھی بڑھ جاتے ہیں، بشرطیکہ ان کام کرنے والوں کو نقصان نہ پہنچے جن کا حکومت پر یہ حق ہے کہ وہ ان کے لئے ان کے لائق ومناسب کام کاج کے مواقع مہیا ومیسر کرے۔ اسلام کا بنیادی قاعدہ نہ نقصان دو، نہ نقصان اٹھاؤ، مزدوروں کیلئے راحت، سلامتی اور کام کاج کے اوقات میں مناسب جگہ اور کام کے لئے ساز

گار فضا مہیا کرنے کو لازم کرتا ہے، پھر دین اسلام مزدور کی کرامت کا بھی خیال رکھتا ہے اور وہ اس طرح کہ اس کو کام کاج کے مواقع مہیا کرتا ہے، ان کے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ مالداروں کے آگے ہاتھ پھیلائیں اس کے برخلاف اگر مزدور کسی حادثہ کی وجہ سے کام نہ کر سکے تو حکومت اسلامیہ اسے مناسب گذارہ الاؤنس دیتی ہے اور علاج معالجے، دوا دارو کی سہولت فراہم کرتی ہے اور اس وقت تک پوری اُجرت دلاتی ہے جب تک وہ تندرست ہو کر کام پر دوبارہ نہ لگ جائے۔ ان تمام معاملات میں مسلمان اور اہل کتاب سب برابر ہیں۔

حضرت خالدؓ نے فرمایا: ہر وہ بوڑھا مزدور جو کام کے لائق نہ رہے یا اس پر کوئی آفت طاری ہو جائے، یا مالدار ہو اور غریب ہو گیا ہو اور اس کے ہم مذہب اس پر صدقہ خیرات کرتے ہیں تو اس کا جزیہ چھوڑ دیا جائے اور جب تک دارالاسلام میں رہے گا مسلمانوں کے بیت المال سے اس کی کفالت کی جائے گی۔ (کتاب الخراج بحوالہ الفاروق)

اور عمومی طور پر تمام مسلمان گورنروں کو یہ حکم تھا کہ خلافت کی حدود میں بلا تخصیص مذہب وملت ہر تنگدست کی امداد کی جائے، ہر قرضدار کا قرض ادا کیا جائے، ہر کمزور وضعیف اور ہر مظلوم کی اعانت کی جائے، ہر ظالم کو ظلم سے باز رکھا جائے، ہر ننگے کو کپڑا پہنایا جائے، غرض کوئی ضرورت مند ایسا باقی نہ رہے جس کی جائز ضرورت خلافت پوری نہ کرے۔

(الاموال ص ۴۶ والخراج بحوالہ اسلام کا زرعی نظام ص ۲۶۱)

زمانہ خلافت میں ان وظیفوں کی وہ شکل نہ تھی جو نوابوں اور راجاؤں کے یہاں سے لوگوں کے لئے مقرر ہوتے ہیں اور بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے اور بغیر کسی جائز استحقاق کے لوگ اس کے ذریعے پلتے رہتے ہیں بلکہ اس کی شکل ایسی تھی کہ اس کے ذریعہ ایک طرف تو یہ ہوتا تھا کہ کام کرنے کے قابل بیکار افراد برسر کار لگ جاتے تھے اور دوسری طرف یہ کہ کمزور اور ضعیف لوگ دوسروں کی دست نگری سے محفوظ رہتے تھے وہ جب بوڑھے ہو جاتے تھے یا کسی حادثے کا شکار ہو کر کام کاج کے قابل نہ رہتے تو بیت المال سے ان کے وظائف مقرر ہو جاتے تھے تا کہ وہ بھیک کی لعنت میں مبتلا نہ ہوں تا کہ ان کے بیوی بچے بے سہارا نہ ہوں، تا کہ انہیں بڑھاپے میں ٹوکری اٹھانا نہ پڑے۔ اسی طرح معصوم بچوں کے وظائف بھی بیت المال سے مقرر تھے تا کہ ان کا معصوم بچپن محنت مزدوری کی نذر نہ ہو جائے اور وہ

تعلیم وتربیت سے محروم نہ رہ جائیں۔

اسلامی نظام خلافت کے مقابلے میں اگر آپ آج فیکٹریوں، کارخانوں، بازاروں اور دکانوں کا سروے کریں تو آپ کو بے شمار بوڑھے اور بچے اپنی طاقت سے زیادہ محنت مزدوری کرتے دکھائی دیں گے مگران کا کوئی پُرسان حال نہیں چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کا بچپن ہوٹلوں میں برتن صاف کرتے ہوئے اور مالک اور استاد کی جھڑکیاں سنتے ہوئے گزر جاتا ہے اور وہ اپنی دینی اور دنیاوی ہر طرح کی تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں، انہیں نماز اور کلمہ تک صحیح نہیں آتا وہ اپنا نام لکھنا نہیں جانتے، وہ اپنے والدین کی غربت اور اپنے پیٹ کے ہاتھوں مجبور ہیں میں نے ایک پٹرول پمپ پر کام کرنے والے معصوم بچے سے پوچھا بیٹا تم پڑھتے کیوں نہیں ہو اس نے جواب دیا: مولانا اگر ہم پڑھیں گے تو کھائیں گے کہاں سے" یہ ایک نوعمر بچے کی سوچ ہے اور اس سوچ کی ذمہ داری اس گندے نظام پر عائد ہوتی ہے۔ اگر اسلامی نظام ہوتا تو اس بچے کی یہ سوچ نہ ہوتی، اگر اسلامی نظام ہوتا تو ایسے بچے یقیناً تعلیم سے محروم نہ رہتے، اگر اسلامی نظام ہوتا تو کسی خمیدہ کمر بوڑھے کو بوجھ اٹھانا پڑتا۔

یہ تو ان لوگوں کے حقوق ہیں جو محنت مزدوری کے قابل نہ ہوں لیکن جو محنت کش برسر عمل ہوں ان کے حقوق میں سے سب سے پہلا حق جس کی ادائیگی پر حضور ﷺ نے بہت زور دیا ہے وہ ان کا اجرت اور معاوضے کی وصولی کا حق ہے۔ اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ ان کی مزدوری نہ صرف یہ کہ پوری دی جائے بلکہ اس کی ادائیگی جلد سے جلد کی جائے اس میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل دے دی جائے۔

علاوہ ازیں اسلام مزدوروں کو وہ تمام حقوق دیتا ہے جو سوسائٹی کے دوسرے افراد کو حاصل ہیں۔ اسلام ہر مزدور کو جان کے تحفظ کا حق دیتا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

"جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی"۔

اسلام ہر مزدور کو ذاتی ملکیت کے تحفظ کا حق دیتا ہے۔ قاضی ابو یوسف کتاب

الخراج میں فرماتے ہیں: امام (حکومت) کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کی ثابت شدہ قانونی حق کے بغیر کسی شخص کے قبضے سے اس کی کوئی چیز نکال لے۔

اسلام ہر مزدور کو اپنی عزت و آبرو کے تحفظ کا حق دیتا ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ''بدترین زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر ناحق حملہ ہے''۔

(ندائے منبر و محراب ج ص ۱۷۶ تا ۱۷۹)

اہل اسلام کی زریں علمی تاریخ

قرآن نے اپنے ماننے والوں میں حصول علم اور ریسرچ کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ چند ہی صدیوں میں جہالت میں ڈوبی ہوئی دنیا میں ایک عظیم علمی انقلاب برپا ہو گیا اور جابر بن حیان، محمد بن موسی الخوارزمی، ابن الہیثم، ابوالعباس الفرغانی، محمد جابر البتانی، محمد بن زکریا الرازی، ابن سینا، ابو ریحان البیرونی، ابن نفیس، ابوحنیفہ الدینوری، عمر خیام، ان البیطار اور ابوالقاسم الزہراوی جیسے نامور سائنسدان، محققین اور موجدین نے یورپ سمیت ساری دنیا کو اپنے کارناموں اور تحقیقات سے مبہوت کر کے رکھ دیا اور یورپ والوں نے ان کی تحقیقات سے جی بھر کر استفادہ کیا۔

محمد بن زکریا رازی جو ایک زبردست طبیب اور کیمیادان تھا اس نے علم کیمیا پر بارہ کتابیں لکھیں اس کی کتاب ''الحاوی'' حیدر آباد سے پچیس جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور یہ طبی معلومات کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے، ابن سینا کی کتاب ''القانون فی الطلب'' یورپ کی درسگاہوں میں بطور نصاب داخل رہی ہے، صرف پندرہویں صدی کے آخری تیس سالوں میں لاطینی زبان میں اس کے پندرہ ایڈیشن شائع ہوئے۔

اور بات صرف رازی اور ابن سینا کی نہیں ان جیسے کتنے ہی مسلمان سائنسدان، اطباء، ماہر فلکیات، فلاسفر، کیمیاگر، ریاضی دان، طبیعات اور نباتات کے محققین ہیں جن کی کتابیں یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔

(اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں ص ۲۱۳)

اہل اسلام کی علمی تاریخ اتنی تابناک اور روشن ہے کہ تاریخ پر نظر رکھنے والا شخص جب اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد کے حالات کا مطالعہ کرتا ہے تو عرب و عجم کے

بدووں اور امیوں میں عظیم علمی انقلاب کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے ان کے اندر حصول علم کا ایسا جذبہ پیدا ہو گیا تھا جس نے ان کیلئے صحراؤں میں پیدل سفر کرنا، بھوکے رہنا، راتوں کو مسلسل بیدار رہنا، اساتذہ کی جھڑکیاں سننا، وطن سے دور رہنا آسان بنا دیا تھا۔

ہے کوئی مثال!

امام بخاریؒ، جن کی صحیح بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے ان کو ایام طالب علمی کے ایک سفر میں غربت نے اتنا مجبور کیا کہ برابر تین دن انہوں نے جنگل کی بوٹیاں کھا کر گزارہ کیا۔ فن حدیث کے عالی مرتبہ امام ابو حاتم رازیؒ اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں زمانہ طالب علمی میں چودہ برس بصرے میں رہا، ایک مرتبہ تنگدستی کی یہ نوبت پہنچی کہ کپڑے تک بیچ کھائے، جب کپڑے بھی نہ رہے تو دو دن بھوکا رہا آخر مجبوراً ایک دوست کے سامنے اپنا حال ظاہر کیا۔ خوش قسمتی سے اس کے پاس ایک اشرفی تھی آدھی اس نے مجھ کو دے دی۔

حافظ الحدیث حجاج بغدادیؒ شبانہؒ کے یہاں تحصیل علم کے لیے جانے لگے تو ان کی کل کائنات وہ سو روٹیاں تھیں جو دل سوز والدہ نے پکا کر دے دی تھیں۔ روٹیاں مہربان ماں نے پکا دیں اور سالن ہونہار بیٹے نے خود تجویز کر لیا اور سالن بھی ایسا کثیر و لطیف کہ سالہا سال گذرنے کے باوجود آج تک ویسا ہی تر و تازہ ہے۔ وہ کیا ہے دجلے کا پانی۔ حجاج ہر روز یک روٹی دجلے کے پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور استاد سے پڑھتے۔ جس روز وہ روٹیاں ختم ہو گئیں ان کو استاد کا فیض بخش دروازہ چھوڑنا پڑا۔

صحیح بخاری کے مصنف امام بخاریؒ نے چودہ برس کی عمر میں سیاحت شروع کر دی تھی۔ بخارا سے مصر تک سارے ممالک کا امام بخاریؒ نے سفر کیا امام ابو حاتم رازیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نو ہزار میل سے زیادہ مسافت پیدل طے کی ہے لیکن یہ ان کی مسافت کی انتہا نہیں ہے بلکہ ان کے شمار کی حد ہے، کیونکہ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے میلوں کا شمار کرنا چھوڑ دیا۔

امام ابن جوزی مشہور محدث ہیں تین سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے، علمی استغراق کی حالت یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ گھر سے دور نہیں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ منبر

پر کہا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں احادیث لکھتے وقت قلموں کے تراشے جمع کرتے جاتے تھے۔ مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے نہانے کا پانی اسی سے گرم کیا جائے کہتے ہیں کہ پانی گرم کرنے کے بعد تراشے بچ گئے تھے۔ (علمائے سلف)

اور سُنیے! تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں میں حصول علم کا جذبہ اس قدر شدید تھا کہ آنکھوں سے نابینا ہونے کے باوجود بے شمار افراد نے علمی دنیا میں نام پیدا کیا اور اس کی خاطر بے پناہ تکلیفیں برداشت کیں۔

ابوالعباس رازی نابینا تھے مگر حصول علم کے جذبہ نے انگیخت کیا کہ کیا ہوا، تمہاری آنکھیں نہیں پاؤں تو ہیں کسی سے کیوں پیچھے رہتے ہو؟ شوق علم میں وطن سے نکل کھڑے ہوئے ان کے سفر کی تمام مسافت کو جمع کیا جائے تو غالباً دو ہزار میل سے زیادہ ہوگی۔

(نابینا علماء ص۲۹)

مشہور شاعر ابوالعلاء معری چار برس کی عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے، شہر شہر، قریہ قریہ جا کر علم حاصل کیا، بہت سی کتابیں لکھیں فن ادب میں ان کی ایک کتاب ''الایا والغصون'' سو جلدوں میں ہے۔ (نابینا علماء ص۲۴)

حماد بن زید نابینا تھے مگر چار ہزار حدیثیں ازبر تھیں اور اس خوبی سے کہ (بقول ایک امام حدیث کے) کسی روایت میں خطا نہیں کی۔ (حوالہ مذکور ص۱۷)

مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں عظیم الشان کتب خانے تیار کیے اور دیمک خوردہ بھولی بسری کتابوں کے تراجم کر کے انہیں نئی زندگی بخشی۔

عباسی خلیفہ مامون الرشید کے وقت صرف اس کے قائم کردہ ''بیت الحکمۃ'' میں دس لاکھ کتابیں موجود تھیں۔ امراء اور حکماء کے ذاتی کتب خانے اس کے علاوہ تھے۔ مامون کے کتب خانہ کو دنیا کی سب سے پہلی پبلک لائبریری ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہ تو دوسری صدی ہجری کی بات ہے ۶۵۶ھ میں بغداد میں کروڑوں کتابیں تھیں جنہیں تاتاریوں نے دریائے دجلہ میں غرق کر دیا۔ یاد رہے کہ یہ وہ دور تھا جب موجودہ دور کی طرح کاغذ اور پریس کی سہولتیں حاصل نہیں تھیں۔ (حوالہ مذکور ص۱۷)

یورپ نے مسلمانوں کے علمی ترکہ سے جی بھر کر فوائد حاصل کیے لیکن اپنے

محسنوں کا بدلہ اس طرح ادا کیا کہ ۱۴۹۲ھ میں مسلم اسپین پر قبضہ کے بعد شدت غضب اور تعصب میں دس لاکھ کتابوں کو نذر آتش کر دیا۔ (مسلمانوں کا عروج وزوال ص ۲۰۲)

اس زمانہ میں مسلمان دوسری قوموں سے اتنا زیادہ آگے تھے کہ مسلمان جب اسپین سے ملک بدر کیے گئے تو انہوں نے وہاں رصد گاہیں چھوڑیں جن کے ذریعہ وہ آسمانی اجرام کا مطالعہ کرتے تھے ان چھوڑی ہوئی رصد گاہوں کا استعمال اسپین کے عیسائی نہیں جانتے تھے چنانچہ انہوں نے ان کو کلیسا کے گھنٹہ گھر میں تبدیل کر دیا۔ (اسلام دور جدید کا خالق ص ۱۳۴)

جس دور میں مسلمان پوری دنیا میں علم کی روشنی پھیلا رہے تھے یورپ پر جہالت کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اگر کوئی سر پھرا علمی اور سائنسی تحقیق کی کوشش کرتا تھا اسے بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ سقراط کو اسی جرم میں زہر کا پیالہ پینا پڑا کہ وہ ایتھنز کے نوجوانوں میں آزادانہ غور وفکر کا مزاج بنا رہا تھا۔ گلیلو کو صرف اس لیے پھانسی کی سزا سنائی گئی کہ وہ زمین کو متحرک مانتا تھا۔

مرعوبیت سے پناہ مانگیے

گرامی قدر سامعین! میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ قرآن نے دنیا کے سامنے صرف صحیح نظریہ، اعلیٰ تہذیب وتمدن، عبادات کے منظم پروگرام، بے مثال اخلاق اور قوموں کے عروج وزوال کے علوم ہی پیش نہیں کیے بلکہ سائنسی علوم کے لیے بنیادی اصول بھی قرآن نے سکھائے اور ایجادات واکتشافات کے لیے ساز گار ماحول بھی قرآن نے دیا اور یہ اسی ساز گار ماحول کا نتیجہ تھا کہ ہمارے بزرگوں نے علم وتحقیق کے میدانوں میں فلک بوس جھنڈے بلند کیے یہ الگ بات ہے کہ ہماری غفلت، عیش کوشی اور مادہ پرستی کی وجہ سے آج ہمارے بزرگوں کے کارناموں کو دوسروں کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے اور آج ہمیں گلیلو، کیپلر، نیوٹن، بنجمن اور مائیکل فریڈے جیسے ناموں سے مرعوب کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے مگر جس قوم کی تاریخ میں محمد بن زکریا رازی (المتوفی ۹۲۵ء) جیسا طبیب اور کیمیا دان، ابن سینا (المتوفی ۱۰۳۷ء) جیسا طبیب اور فلسفی خوارزمی (المتوفی ۸۵۰ء) جیسا ماہر فلکیات اور ریاضی دان، جابر بن حیان (پیدائش ۷۲۱ء) جیسا علم کیمیا کا بادا آدم، دنیوری (المتوفی ۸۹۵ء) جیسا محقق نباتات، ابن الہیثم (المتوفی ۱۰۳۸ء) جیسا ماہر طبیعیات اور انجینئر

البیرونی (المتوفی ۱۰۴۸ء) جیسا نابغہ اور عبقری۔ الزہراوی (المتوفی ۱۰۱۳ء) جیسا جدید علم سرجری کا بانی، عمر خیام (المتوفی ۱۱۳۱ء) جیسا ریاضی دان اور علم ہیئت کا ماہر گذرا ہو اُسے کسی ایرے غیرے سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں۔

حیرت کی بات ہے کہ ہم ایسے لوگوں سے مرعوب ہو جائیں جنہوں نے ہم سے خیرات مانگ کر سائنس کے محل تعمیر کر لیے ہیں۔

ہماری غیرت کا امتحان ہے کہ ہمارے بزرگوں کی کتابیں یورپ کی لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں اور وہ ان سے آج بھی علمی اور تحقیقی مواد حاصل کر رہے ہیں لیکن ہمیں ان سے استفادہ کرنے کی توفیق حاصل نہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی نظم ''خطاب بہ نوجوانان اسلام'' میں کیا خوب کہا ہے

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے!
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

(ندائے منبر ومحراب ج ۳ ص ۱۳۴ تا ۱۳۹)

ماڈرن مسلمانوں کا احساس کمتری

ہمارے لیڈر بار بار اس میں غور کرتے ہیں کہ دوسری قوموں کی ترقی کا راز کیا ہے مگر اب تک حقیقت تک کوئی نہیں پہنچا۔ کسی نے یہ کہہ دیا کہ یہ لوگ سود لیتے ہیں اس وجہ سے ان کو ترقی ہو رہی ہے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اگر سود میں ترقی کا اثر ہوتا تو مسلمانوں میں سے جو لوگ سود کے گناہ میں مبتلا ہیں ان کی بھی ترقی ہونی چاہئے تھی، حالانکہ دوسری قوموں کے مقابلے میں وہ بھی کچھ ترقی پائے ہوئے نہیں ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شریعت میں چونکہ تجارت کی بعض صورتوں کو ناجائز کہا گیا ہے، اس لئے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے، مگر یہ بھی غلط ہے، کیونکہ معاملات تجارت میں

شریعت کی حدود کے پابند کتنے تاجر ہیں؟ غالباً دو چار کے سوا کوئی نہ ملے گا تو پھر ان تاجروں کو ایسی ترقی کیوں نہ ہوئی۔ یہ کونسے ناجائز معاملے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کبھی عورتوں کے پردے کو اٹھا دینا چاہتے ہیں کہ یہی پردہ ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، عورتیں آزاد ہوں گی تو علوم اور صنعت وحرفت سیکھیں گی خود بھی ترقی کریں گی اولاد کو بھی ترقی کرائیں گی۔ لیکن یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ مسلمانوں میں بعض قوموں کی عورتیں پردہ نشین نہیں ہیں اور زیادہ تعداد ایسی غریب قوموں کی ہے جن میں ہمیشہ سے پردہ کا رواج نہیں۔ تو اگر بے پردگی ہی سے ترقی ہوتی ہے تو ان قوموں نے کیوں نہ ترقی کر لی۔ تو معلوم ہوا کہ ایسی ایسی باتیں غیر قوموں کی ترقی کا سبب نہیں۔

غیر قوموں کی ترقی کا اصل سبب جو باتیں ہیں وہ دوسری ہیں وہ ان کی ایسی صفتیں ہیں جو انہوں نے آپ ہی کے گھر سے لی ہیں جیسے منتظم ہونا، مستقل مزاج ہونا، وقت کا پابند ہونا، بردبار ہونا، انجام سوچ کر کام کرنا، صرف جوش سے کام نہ کرنا، ہوش سے کام لینا، آپس میں اتفاق واتحاد کرنا اور یہ سب باتیں وہ ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے اور ان سب حکموں کا خاصہ ہے کہ ان کو اختیار کرنے سے ترقی ہوتی ہے اور چھوڑ دینے سے ترقی والوں کی ترقی بھی خاک میں مل جاتی ہے، چاہے کوئی اختیار کرے چاہے کوئی چھوڑ دے۔

نیا زمانہ

آپ بار بار کہتے ہیں کہ جی یہ نیا زمانہ ہے اس میں پرانی باتوں کو نہیں دہرانا چاہئے اگر آپ سب پرانی باتوں کو چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو زمین بھی پرانی ہے، آسمان بھی پرانا ہے اور اس میں جو سورج، چاند ستارے ہیں یہ بھی پرانے ہیں ان سے بھی استفادہ نہیں کرنا چاہئے پھر منہ سے کھانا پینا یہ بھی دقیانوسی طریقہ ہے اب تو کوئی نیا طریقہ ہونا چاہئے آپ کب تک پرانے بڈھوں کی تقلید کرتے رہیں گے، یہ دو ٹانگوں سے چلنے کا طریقہ بھی بہت فرسودہ ہو گیا ہے۔ یہ ماڈرن دور ہے اب تو چلنے کا طریقہ کوئی دوسرا ہونا چاہئے کیا ہی مزہ آئے گا اگر ٹانگیں اوپر ہوں اور سر نیچے ہو یقین کریں لطف آجائے گا، ترقی کا مفہوم سمجھ میں آجائے گا۔ معاف کیجئے گا ایسا نہ ہو کہ کل کلاں کچھ لوگ والدین کو بھی پرانا کہہ کر ریجیکٹ کر دیں کہ جی ہمیں تو نیا ڈیڈی اور ممی چاہئیں نئے زمانے کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ ہم ہر پرانی

بات کواور تمام پرانی اقدار کوٹھکرادیں اسلام نے جن عظیم ترین حکمتوں کے تحت بعض چیزوں کوحلال اور بعض چیزوں کوحرام کیا تھا، بعض کاموں کوفرض اورواجب اور بعض کاموں کومکروہ اور ناپسندیدہ ٹھہرایا تھاوہ حکمتیں اب بھی باقی ہیں۔اسلام جن انسانی اوراخلاقی قدروں کا تحفظ پہلے چاہتا تھاان کے تحفظ کی آج بھی ضرورت ہے۔کوئی فاتر العقل اور مخبوط الحواس ہی ہوگا جو یہ کہے کہ پرانے زمانے میں شرافت کی ضرورت تھی مگر آج اس کی ضرورت نہیں۔ پہلے شرم وحیا کی اہمیت تھی آج اس کی کوئی اہمیت نہیں، پرانے زمانے میں عفت وطہارت کا مقام تھامگر آج اس کا کوئی مقام نہیں۔

نئے زمانے کی رٹ لگانے والے یہ بھی تو سوچیں کہ جس خالق و مالک نے شریعت اسلامیہ کے احکام نازل کئے ہیں وہ پرانے زمانے کے تقاضوں سے بھی باخبر تھااور آنے والے تمام زمانوں سے بھی وہ خوب واقفیت رکھتا تھا،انسان کی کمزوریاں بھی اس کی نظر میں ہیں اورانسان کی صلاحیتوں سے بھی واقف ہے دنیا میں جو جوتبدیلیاں رونما ہورہی ہیں ان کا علم اسے ازل سے تھا بلکہ جوتبدیلیاں بعد میں ہونے والی ہیں ان کا بھی اسے علم ہےاس لئے اس کے احکام اوراس کی شریعت جیسے پہلی صدی ہجری میں کارآمد تھے آج بھی وہ کارآمد ہے زمانے کے بدلنے سے کچھ نہیں ہوگا۔پھر یہ جوآپ نے رٹ لگائی ہوئی ہے کہ جناب زمانہ بدل گیا ہے زمانہ بدل گیا ہےتو یہ بھی فضول ہے کیونکہ زمانہ تو نہیں بدلا لوگ بدل گئے ہیں،ہم بدل گئے ہیں، ہمارے رجحانات بدل گئے ہیں، ہماری خواہشات بدل گئی ہیں، زمانے پرتو ناحق ہم تہمت رکھتے ہیں۔ جیسے سورج نہیں بدلا، چاند نہیں بدلا، زمین آسمان نہیں بدلےاسی طرح زمانہ بھی نہیں بدلا لیکن انسان کے اندر چونکہ اتنی جرأت نہیں کہ وہ اپنی تبدیلی کا اعتراف کرےاس لئے وہ اپنے گناہ اوراپنی کمزوری کا سبب زمانے کوٹھہرا دیتا ہے، زمانے کا کوئی قصور نہیں اصل بات تو یہ ہے کہ آپ کے دل ودماغ پر یورپ پرستی کا بھوت سوار ہےان کی ہر تبدیلی کوعین تہذیب وثقافت سمجھ کراپنے سینے سے لگانے کوتیار ہو جاتے ہیں اور مولوی کی ہر بات کوقدامت پرستی اور دقیانوسیت کہہ کرٹھکرا دیتے ہیں۔یعنی آپ یورپ کی مادر پدر آزادسوسائٹی سے رشتہ جوڑیں تووہ زمانے کا تقاضہ ٹھہرےاور مولوی قرآن کے پیغام ہدایت اور رسول اکرم ﷺ کی وراثت کے تحفظ اوراس سے محبت کرنے کی

تلقین کرے تو وہ نکوین کر رہ جائے گویا کہ

پھیلتے وہ ہیں کہ اغیار سے رشتہ جوڑیں
یہ ہیں سمٹے ہوئے اور حفظ نسب کرتے ہیں
وقت کو دیکھ کے اب آپ ہی انصاف کریں
وہ ستم کرتے ہیں یا آپ غضب کرتے ہیں

شیم شیم

ہماری موجودہ حکومت کے وزراء تواتر کے ساتھ اخبارات میں بیانات دے رہے کہ مولوی ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں انہی کی وجہ سے ہماری صنعتی اور ملکی ترقی رُکی ہوئی ہے حالانکہ عجیب بات یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مولویوں کی بیسا کھیوں کا سہارا لیکر اقتدار کی منزل تک پہنچے ہیں اور اب وہ مولویوں پر ہی گرج برس رہے ہیں اسی لئے میں معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ اس میں ان مولوی حضرات کا بھی قصور ہے جو ان بدبختوں کی بیسا کھیاں بننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں مولوی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کی بیسا کھی ہے۔ مسلم لیگ ہو یا پیپلز پارٹی ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جنہیں مولوی کے نام سے بھی چڑ ہے۔ وہ صرف الیکشن کے موقع پر مولویوں کی جھوٹی سچی خوشامد کرتے ہیں اور وعدوں کے سبز باغ دکھاتے ہیں بعد میں سب کچھ فراموش کر دیتے ہیں۔ ان وزراء سے میرا سوال یہ ہے کہ وہ کونسا محکمہ ہے جہاں مولوی نے رکاوٹیں کھڑی کی ہیں مولوی کو تو آپ نے مسجد اور مدرسہ تک محدود کر دیا ہے اور مولوی کو فخر ہے کہ اس نے وسائل کے نہ ہوتے ہوئے بھی مسجد اور مدرسہ کی لائن سے دین کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا، قوم کے لاکھوں بچوں کے سینوں کو قرآن کے نور سے منور کر دیا، انہیں حدیث، فقہ اور دوسرے اسلامی علوم سے روشناس کرایا اور اچھے انسان بنایا، چنانچہ تمام خرابیوں کے باوجود مدرسہ کے فارغ التحصیل میں تمہارے کالج اور یونیورسٹی کے پڑھے ہوؤں سے زیادہ شرافت ہوتی ہے، انسانیت ہوتی ہے اخلاق ہوتے ہیں، سچائی ہوتی ہے۔

لیکن جو محکمے سراسر تمہارے رحم و کرم پر ہیں تم نے وہاں کیا ترقی کی ہے تھانہ تمہارے قبضے میں، کسٹم تمہارے قبضے میں، انکم ٹیکس کی وصولی تمہارے اختیار میں، بینکاری

تمہارے قبضے میں، ٹیلیفون کا محکمہ تمہارے قبضے میں، وزارتیں تمہارے رحم وکرم پر ہیں، اقتدار تمہارے پاس ہے اور تم نے اقتدار میں رہتے ہوئے اس ملک کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ تاریخ میں سیاہ حروف سے لکھا جائے گا۔ پاکستان کو دو ٹکڑے کس نے کیا؟ مولویوں نے یا تم نے؟ اس ملک میں لسانی اور قومی تعصبات کو کس نے ابھارا مولویوں نے یا تم نے؟ ہر محکمے میں بددیانتی اور رشوت ستانی کو عروج کس نے دیا مولویوں نے یا تم نے؟ گھٹیا مال برآمد کر کے ملک کو کس نے بدنام کیا مولویوں نے یا تم نے؟ اگر میں ان بے لگام وزیروں کی لوٹ کھسوٹ کی داستانیں سنانے لگوں تو مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے ہر شخص شیم شیم کہنے پر مجبور ہو جائے گا۔

شکلیں اور لباس

ان حضرات کے نزدیک نئے زمانے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ شکلیں بھی انگریزوں جیسی بنائی جائیں اور لباس بھی انہی جیسا زیب تن کیا جائے، بعض بدبخت تو سر عام حضور اکرم ﷺ والی شکل وصورت کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ اگر کوئی شخص داڑھی نہ رکھے اور اپنے آپ کو گناہگار سمجھتا رہے تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم کھاتے ہوئے اسے توبہ کی توفیق دے دیں لیکن جو شخص معاذ اللہ رسول اکرم ﷺ کی سنت کا مذاق اڑائے اور چہرے پر اس سنت کے سجانے والوں کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھے اس کا تو ایمان ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔ مفتی حضرات ایسے شخص کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا فتویٰ دیتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ہو مسلمان اور اللہ کے نبی والی شکل وصورت سے نفرت ہو اور حیوان جیسی زندگی گذارنے والوں کی شکل وصورت سے محبّت ہو اور اب تو کچھ ایسا رواج چل نکلا ہے داڑھی بھی صاف اور مونچھیں بھی صاف، پتہ ہی نہیں چلتا محترم ہیں یا محترمہ ہیں۔ حضرت مجذوبؒ نے خوب کہا ہے

بڑا عاقل ہے تو مسٹر پہلی بوجھ اک میری
بتا وہ کون ہے جس میں ہیں یہ اوصاف، لاثانی
نہ داڑھی ہی نہ مونچھیں نہ عورت ہے، نہ امرو ہے
نہ زنخہ ہے نہ خنثیٰ ہے نہ چینی ہے نہ جاپانی
مراد اڑھی بڑھا لینا تو فعل و حشیانہ ہو

جو موتے تو کھڑا ہو کر نہ ہو وہ خوئے حیوانی
نہ ہو پر قینچ پہنے کوٹ اور پتلون اگر مسٹر
بنوں بغلوں اگر پہنوں میں شلوار اور شروانی

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بارے میں سنا تھا کہ وہ ایک صاحب کے گھر تشریف لے گئے ان صاحب کا بچہ شاہ صاحب کے پاس آنے سے گھبرا رہا تھا آپ نے پیار کرنے کے لئے اُٹھانا چاہا تو رونے لگا ایک دوسرے صاحب داڑھی مونچھ صفاچٹ بیٹھے تھے انہوں نے اس کو پچکارا تو اُن کے پاس وہ فوراً چلا گیا انہوں نے ازراہ مذاق کہا ''شاہ صاحب کیہہ گل اے ایہہ بچہ مولویاں کولوں کیوں ڈردا اے'' شاہ صاحب نے فرمایا: ''مولوی ایہنوں مرد نظر اوندا اے تے تہاڈی شکل اسدی ماں دے نال ملدی جلدی اے'' اس نے کہا تھا کہ کیا بات ہے شاہ صاحب، یہ بچہ مولویوں کے پاس جانے سے گھبراتا ہے آپ نے جواباً فرمایا کہ مولوی اُسے مرد معلوم ہوتا ہے جبکہ آپ کی شکل اس کی والدہ سے ملتی جلتی ہے، اور بچہ فطرتاً ماں کی طرف زیادہ مائل ہے۔

شاہ صاحبؒ کے کیا کہنے، آپ حاضر جوابی کے بادشاہ تھے بڑے بڑوں کو لا جواب کر دیتے تھے۔

ایک بار ایک وکیل صاحب نے استہزاء کے طور پر کہا شاہ صاحب! مولوی تو تاویل کے بادشاہ ہوتے ہیں آپ کوئی ایسی تاویل کریں کہ انسان کھاتا پیتا بھی رہے اور اس کا روزہ بھی نہ ٹوٹے۔

شاہ صاحبؒ نے فرمایا بہت آسان طریقہ ہے۔ آپ یہاں بیٹھ جائیں میں آپ کے سر پر جوتے مارتا ہوں آپ جوتے کھاتے رہیں اور غصہ پیتے رہیں، کھانا پینا بھی ہوتا رہے گا اور روزہ بھی نہ ٹوٹے گا۔ (ندائے منبر ومحراب ج ص ۲۳۱)

میں آپ کی غفلتوں پر چند تازیانے برسانا چاہتا ہوں، میں آپ کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنا چاہتا ہوں، میں آپ کی غیرت وحیا کے مزار کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہتا ہوں، میں تڑپنا چاہتا ہوں، میں تڑپانا چاہتا ہوں، میں رونا چاہتا ہوں، رُلانا چاہتا ہوں، میں آپ کو ماضی کا آئینہ دکھانا چاہتا ہوں، میں داستان پارینہ دُہرانا چاہتا ہوں، میں مکہ کی مظلومیت کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، میں خون شہیداں کے چھینٹے اُڑانا چاہتا ہوں، میں مظلوموں کی سسکیاں اور

آہیں سُنانا چاہتا ہوں، میں بدرواُحد کا منظر سامنے لانا چاہتا ہوں، میں فاقہ کشوں کے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر اور جسم پر لٹکتے ہوئے چیتھڑے دکھانا چاہتا ہوں۔

میں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ دین جس سے تم نے منہ موڑ لیا، جسے تم نے جنس ارزاں سمجھ کر چھوڑ دیا، جس پر چلنے کے لئے تمہارے پاس وقت نہیں، جس پر نچھاور کرنے کے لئے تمہاری رگوں میں خون نہیں، جس کی خاطر تڑپنے کے لئے تمہارے سینے میں دل نہیں، جس کے لئے تمہارے گھروں، دکانوں، شہروں، دیہاتوں اور محلوں میں کوئی جگہ نہیں، جسے سینے سے لگانے کے لئے کوئی تیار نہیں، جانتے بھی ہو کہ اس دین کی خاطر کتنی قربانیاں دی گئی ہیں؟ کتنا خون بہایا گیا ہے؟ کتنے بچے یتیم کرائے گئے ہیں؟ کتنی عزتیں لُٹی ہیں؟ کتنے گھر برباد ہوئے ہیں؟ کتنی جوانیاں نثار ہوئی ہیں؟ کتنے گلشن تاراج ہوئے ہیں؟ اس دین کی خاطر روح دو عالم، فخر مجسم علیہ السلام کو کن ہولناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا؟ نبی کی دعوت پر لبیک کہنے والے مسلمانوں پر کیا گزری؟ ان میں سے بعض مظلوموں کی داستان تو اتنی دلدوز ہے کہ پڑھ کر اور سُن کر آج بھی جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔

''دنیا میں حضرت عمرؓ کے علاوہ بھی کئی فاتح گزرے ہیں۔ آپ سکندر کا نام لے سکتے ہیں، آپ چنگیز خان کا نام لے سکتے ہیں، آپ ہلاکو خان کا نام لے سکتے ہیں، آپ نپولین کا تذکرہ کر سکتے ہیں۔ مگر ان فاتحین کے کارناموں کو حضرت عمرؓ کی فتوحات سے کچھ بھی مناسبت نہیں ہو سکتی۔

دنیا میں جن بڑے بڑے فاتحین کا نام لیا جاتا ہے خواہ وہ سکندر ہو یا چنگیز خان، خواہ وہ بخت نصر ہو یا تیمور اور نادر شاہ، خواہ وہ نپولین بونا پارٹ ہو یا ایڈلف ہٹلر، خواہ وہ مسولین ہو یا ڈیگال یہ سب کے سب سفاک اور خونخوار تھے، چنگیز خان اور دوسرے تاتاری بادشاہوں کی ہلاکت خیزیوں اور خون آشامیوں کا کسے علم نہیں، سکندر کا یہ حال تھا کہ جب اس نے شام کی طرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی فصیل پر لٹکا دیئے، اس کے ساتھ تیس ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑا اور مثالیں چھوڑیئے اس مہذب دنیا نے جو پہلی جنگ عظیم

۱۹۱۴ء میں لڑی اس کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ اس میں چونسٹھ لاکھ افراد انسانی قتل ہوئے۔ اور دوسری جنگ عظیم جو ۱۹۳۸ء میں لڑی گئی اس کے مقتولین کی تعداد ساڑھے تین کروڑ اور چھ کروڑ کے درمیان تھی۔

ان کے مقابلے میں دور فاروقی کے مقتولین کو شمار کیجئے تو ان کی تعداد چند ہزار سے زائد نہ ہوگی، آدمیوں کا قتل عام تو ایک طرف درختوں کے کاٹنے کی اجازت نہ تھی، بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہ کیا جاسکتا تھا۔

بہانہ

بعض لوگوں نے بے عملی کے لئے علماء کے اختلاف کو بہانہ بنالیا ہے، یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ فلاں مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے لہٰذا ہم ان میں سے کسی قول پر بھی عمل نہیں کرتے یہ تو ایسے ہی ہو گیا جیسے کوئی شخص کہے کہ چونکہ فلاں بیماری کی تشخیص اور اس کے علاج کے بارے میں ڈاکٹروں کے مختلف قول ہیں لہٰذا جب تک ڈاکٹروں کا اتفاق نہیں ہو جاتا میں علاج ہی نہیں کراؤں گا۔

میں ان لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ اُن تمام مسائل پر عمل کرتے ہیں جن پر علماء کا اختلاف ہے؟

کیا شراب اور زنا کی حرمت کے بارے میں علماء کا اتفاق نہیں؟

کیا جھوٹ، غیبت اور بہتان کے حرام ہونے کے بارے میں اتفاق نہیں؟ کیا سود اور رشوت کے عدم جواز پر اتفاق نہیں؟

کیا غصب ونہب اور ظلم وستم کی شناعت کے بارے میں اتفاق نہیں؟ کیا موسیقی اور رقص وسرود کی قباحت کے بارے میں اتفاق نہیں؟

مگر کتنے مسلمان ہیں جو ان قبیح ترین برائیوں سے بچتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف بہانہ ہے اور اگر یہ بہانہ دور بھی کر دیا جائے تو بے کار لوگ بے عملی کے لئے کوئی دوسرا بہانہ تلاش کرلیں گے۔

پردہ

مسٹر حضرات کا ایک تیسرا اعتراض مولویوں پر یہ ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں یہ

عورتوں کو پردہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں انہیں باہر نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ ملک کی ترقی میں حصہ نہیں لینے دیتے۔ جدت پسند حضرات کا خیال یہ ہے کہ پردہ ترقی کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اگر اس رکاوٹ کو دور کر دیا جائے تو ہمارا ملک بڑی تیزی سے ترقی کر سکتا ہے۔ غربت دور ہوسکتی ہے، علم عام ہوسکتا ہے، معاشرتی زندگی صحیح رُخ پر آسکتی ہے، ظلم ختم ہوسکتا ہے ہم دنیا کے دوش بدوش چل سکتے ہیں ہمارے کارخانوں اور فیکٹریوں کی پیداوار بڑھ سکتی ہے۔

لیکن حضرات! میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ پردے کا حکم کس نے دیا ہے۔ کیا یہ حکم کسی مولوی نے دیا ہے یا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دیا ہے۔ قرآن اٹھائیے سورۂ نور پڑھئے، سورۃ الاحزاب پڑھئے، احادیث رسول کا مطالعہ کیجئے۔ بخاری شریف دیکھئے، مسلم شریف دیکھئے، ترمذی، ابوداؤ، نسائی، ابن ماجہ، مؤطا، مالک مؤطا محمد، مشکوۃ، سنن بیہقی، سنن دارمی دیکھئے، حدیث کی ایک ایک کتاب دیکھئے اور بتائیے کہ پردے کا حکم کس نے دیا ہے۔ آپ جب انتہائی دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ پردہ ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ نے ہماری ترقی کے راستے میں روڑے اٹکا دیئے ہیں۔ اگر واقعی ہماری یہی سوچ ہے تو پھر ہمیں ایسے اللہ اور رسول کو ماننا ہی نہیں چاہئے۔

جنہوں نے معاذ اللہ ہماری ترقی کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر کے ہم پر ظلم کیا ہے اگر آپ نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ یقیناً اس بات کو تسلیم کریں گے کہ اسلامی تاریخ کا وہ معاشرہ جس میں پردے کا رواج تھا، جس میں عورت کا اصل مقام اس کے گھر کو سمجھا جاتا تھا، جس میں عورت کی عزت عورت ہونے کی وجہ سے کی جاتی تھی جس میں عورت کی عفت و ناموس ایک قیمتی شے سمجھی جاتی تھی، جس معاشرے میں عورت کو ماں، بہن، بیٹی، اور بیوی ہونے کے ناطے محترم ہستی تصور کیا جاتا تھا اس معاشرے نے اس ترقی کے ریکارڈ قائم کئے جسے آپ ترقی سمجھتے ہیں اس معاشرے میں اولیاء، حکما، علماء پیدا ہوئے۔ محدثین، مفسرین اور مصنفین نے جنم لیا، بڑے بڑے فاتحین اور کشور کشاؤں نے متکبر اور سرکش گردنوں کو اللہ کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا اور بحر و بر میں اسلامی فتوحات کے جھنڈے گاڑ

دیئے اس معاشرے میں عدیم المثال اطباء، محققین اور سائنسدانوں نے اپنی تحقیقات اور فتوحات کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنا بلکہ ان کے لئے معاون ثابت ہوا جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ جب سے پردہ ختم ہوا ہے مسلمانوں کی علمی، عملی اور تحقیقی ترقیات کا راستہ بھی رُک گیا ہے۔

یہ بات بھی بالکل غلط ہے کہ عورتوں کی علمی ترقی پردے کی وجہ سے رُکی ہوئی ہے ورنہ ایسی اقوام کی عورتوں کی علمی ترقی خوب ہونی چاہئے تھی جو پردے سے کوسوں دور ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ تعلیم یافتہ یا غیر تعلیم یافتہ ہونے میں پردہ یا بے پردگی کو کوئی دخل نہیں بلکہ اس میں بڑا دخل توجہ کو ہے، اگر کسی قوم کی عورتوں کی تعلیم پر توجہ ہو تو وہ پردے میں بھی تعلیم دے سکتے ہیں ورنہ بے پردگی میں بھی کچھ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ غور کیا جائے تو پردہ میں تعلیم زیادہ ہوسکتی ہے، کیونکہ تعلیم کے لئے یکسوئی اور اجتماع خیال کی ضرورت ہے اور وہ گوشۂ تنہائی میں زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے مرد بھی مطالعہ کے لئے گوشۂ تنہائی تلاش کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ طلباء کو اس کا اچھی طرح اندازہ ہے، پس عورتوں کا پردہ میں رہنا ان کے لئے مفید ہے نہ کہ مضر۔ نہ معلوم لوگوں کی عقلوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ پردہ کو تعلیم کے منافی سمجھتے ہیں؟

آپ عورتوں کے ذریعہ اپنی فیکٹریوں اور کارخانوں کی پیداوار بڑھانا چاہتے ہیں تو مووی اس سے بھی آپ کو منع نہیں کرتا لیکن حدود شریعت کا لحاظ اور پاس رکھنا ضروری ہے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ ایسی انڈسٹریز لگائی جائیں جہاں اوپر سے نیچے تک سارا عملہ خواتین پر مشتمل ہو، مگر معاف فرمائیے گا ہمارے ہاں جو بے حیائی اور بے پردگی کی ہوا چل رہی ہے اس سے صاف نظر آتا ہے کہ مقصد عورت کی فلاح و بہبود نہیں ہے بلکہ اس سے غرض نفسانی خواہشات کی پیروی اور غلیظ سوسائٹیوں کی اتباع ہے ترقی کا تو صرف لیبل لگا رکھا ہے، اس ترقی کے لیبل نے ہمیں دین سے دور کردیا، ہمیں عفت و پاک دامنی سے محروم کردیا، ہمیں غیرت وحیا سے فارغ کردیا، نہ مردوں کو اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کا احساس ہے نہ عورتوں کو

ترقی کی نئی راہیں جو زیرِ آسماں نکلیں
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیویاں نکلیں
مصیبت میں بھی اب یادِ خدا آتی نہیں ان کو
دُعا منہ سے نہ نکلی پاکٹ سے عرضیاں نکلیں

صاحبزادگی

اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملا کہ باپ کی بزرگی بیٹے کے کام نہیں آسکتی اور بیٹے کی عظمت باپ کو نہیں بچا سکتی، حضرت نوحؑ کی نبوت ورسالت کنعان کے کسی کام نہ آسکی اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی عظمت وجلالت آذر کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکی، ہر انسان کا اپنا کردار اور عمل ہی اس کی نجات یا ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ اپنے آباء کی عظمت پر اور ”پدرم سلطان بود“ کے نشے میں مبتلا رہنا قطعاً حماقت ہے۔ **کل یعمل علی شاکلیه** ہر شخص اپنے اپنے ڈھنگ پر کام کرتا ہے۔

ہمارے ہاں بے شمار گدی نشیں، پیرزادے اور صاحبزادے ایسے ہیں جن کے اندر ذاتی کمال کچھ نہیں بلکہ کمال کے بجائے ان کے اندر بے شمار عیوب پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض مرغوں، کتوں اور ریچھوں کی لڑائیاں کراتے ہیں ڈاکے ڈلواتے ہیں، اغوا کراتے ہیں، رنڈیوں کے مجرے کرواتے ہیں، نماز روزے کے قریب نہیں جاتے، مگر سجادہ نشینی کی بنیاد پر وہ زمانہ کی قیادت اور امامت کے دعویدار بنے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صاحبزادگی بہت خطرناک مرض ہے اچھے اچھوں کا دماغ خراب کر دیتی ہے اور ان صاحبزادوں کی وجہ سے مدارس اور خانقاہوں میں عجیب عجیب خرابیاں رونما ہو رہی ہیں۔ سورۂ مریم کی آیت ۵۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰة واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیاه

اور پھر ان کے بعد ان کے نا خلف آئے جنہوں نے نماز چھوڑ دی اور مزوں کے پیچھے پڑ گئے، عنقریب ایسے لوگ گمراہی میں جا پڑیں گے۔

ہمارے بزرگوں اور اساتذہ کا خیال یہ ہے کہ اس آیت کا اطلاق آج کے صاحبزادگان پر بھی ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ ''گان و بان'' سے تعوذ فرمایا کرتے تھے لیکن بہت عرصہ یہ راز رہا کہ آخر حضرت کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں اور اس کا معنی اور مقصد کیا ہے ایک بے تکلف نے ہمت کر کے پوچھا تو ''گان'' کے ضمن میں فرمایا کہ ''صاحبزادگان'' مراد ہیں۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ کی ایک بات بہت مشہور ہے ان سے ایک پرانے دوست بڑے عرصے کے بعد ملنے کے لئے آئے تو آپ نے اپنے خلف الرشید سید ابوذر بخاری سے فرمایا: ''حافظ جی چچا آئے ہیں ان سے ملیں' چچا نے کہا'' شاہ جی یہ صاحبزادے ہیں'' فرمایا: ''صاحبزادہ نہیں میرا بیٹا ہے'' پھر بیٹے سے فرمایا کہ فلاں الماری سے کتاب نکالو۔ جو فارسی زبان میں حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ کے ملفوظات تھے ایک مخصوص صفحہ کی نشاندہی فرما کر درج شدہ ملفوظات پڑھنے کا حکم دیا جس کا خلاصہ یہ تھا: ''پہلی قومیں عتاب الٰہی کا شکار ہوتیں تو ان کے افراد بندر اور سور بن جاتے جب کہ اس امت پر صاحبزادگی کی شکل میں عذاب آیا'' کنعان حضرت نوح علیہ السّلام کا صاحبزادہ تو تھا لیکن یہ صاحبزادگی اس کے کسی کام نہ آسکی، کنعان کو صحبت بد نے تباہ کر دیا تھا اور اکثر و

وساوس سے اللہ کی پناہ

رب کریم نے وساوس سے پناہ مانگنے کے لیے ایک مستقل سورت (سورہ ناس) نازل فرمائی ہے اور اپنی تین عظیم الشان صفات ذکر فرما کر جنوں اور انسانوں کے وساوس سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے۔ رب الناس کی پناہ، الٰہ الناس کی پناہ، وساوس سے پناہ مانگنے کا اتنا اہتمام اس لیے فرمایا کیونکہ وساوس انسان کی تمدنی معاشرتی ازدواجی دینی اور دنیاوی زندگی کو تباہ کر دیتے ہیں۔ وساوس میاں کو بیوی سے اور بیوی کو میاں سے متنفر کر دیتے ہیں۔ وساوس اولاد کو والدین سے اور والدین کو اولاد سے دُور کر دیتے ہیں۔ وساوس گھر اور شہر کو تلخیوں سے بھر دیتے ہیں، وساوس انسان کو دین سے، ایمان سے، یقین سے محروم کر سکتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے دل پر خیالات یا خطرات اس طرح ہوتے ہیں جس طرح بارش کے قطرے برستے ہیں مگر انسان یہ جاننے سے قاصر ہے کہ خیالات کے وارد ہونے کے اسباب کیا ہیں۔ یہ خیالات جم جائیں یعنی پختہ ہو جائیں تو انسان کا عقیدہ بن جاتا ہے جب عقیدے میں پختگی آتی

ہے تو ارادہ بنتا ہے اس کے بعد انسان عزم کرتا ہے اور پھر فعل کرتا ہے اس چیز سے ہٹانے کے لئے شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے جس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی کوشش کرے اور اس کا ذکر کرے تو اس وسوسے سے بچ سکتا ہے۔ انسان کا عقیدہ اس کا قیمتی سرمایہ ہوتا ہے، اس کو خراب کرنے کے لئے شیطان ہر وقت اس کے پیچھے لگا رہتا ہے تا کہ کسی نہ کسی طرح اسے ایمان کی دولت سے محروم کر دے مگر اس کے شر سے وہ بچ سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کی پناہ میں آ جائے گا اور وہ علاج کرے گا جو کہ شریعت مطہرہ نے تجویز کیا ہے۔

استغفار اور اصرار

اس واقعہ سے ہمیں ساتواں سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ غلطی ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں، غلطی پر اڑ جانا، اس پر اصرار کرنا اور اس کی تاویلیں کرنا یہ خطرناک ہے، حضرت اادم علیہ السلام سے اجتہادی خطا ہوگئی تو وہ فوراً رب العالمین کی طرف متوجہ ہوئے، توبہ کی، روئے، گڑگڑائے اتنی آہ وزاری کی کہ رحمت حق متوجہ ہو کر رہی۔

امام بیہقی نے اپنی مشہور کتاب شعب الایمان میں روایت بیان کی ہے کہ اپنی لغزش پر آدم علیہ السلام اس قدر روئے کہ

لو وزن دموع ادم بجمیع دموع ولدہ لرجح دموعہ علی جمیع دموع ولدہ

اگر آدمؑ کے آنسوؤں کا مقابلہ ان کی ساری اولاد کے آنسوؤں کے ساتھ کیا جائے تو آدم کے آنسو غالب آ جائیں۔

لیکن دوسری جانب شیطان اپنی غلطی پر اڑ گیا اس کی علت اور وجہ بتانے لگا اس نے ایک لفظ بھی اظہار ندامت کے لئے اپنی زبان سے نہ نکالا چنانچہ وہ مردود ٹھہرا۔

گناہ پر اصرار یہ صغیرہ کو بھی کبیرہ بنا دیتا ہے اور گناہ پر ندامت اور استغفار یہ کبیرہ کو بھی ھباء منثورا کر دیتا ہے۔ مشہور قاعدہ ہے۔

لاصغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ مع الاستغفار

صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ صغیرہ نہیں رہتا اور استغفار کرنے سے کبیرہ بھی کالعدم (معاف) ہو جاتا ہے۔ (ندائے منبر و محراب ج ۲ ص ۸۱)

نظام خلافت کی اہمیت

اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ نظام خلافت ہے۔ دین میں ملوکیت اور ڈکٹیٹر شپ کی کوئی حیثیت نہیں۔ انسان تو اس زمین میں اللہ تعالیٰ کا نظام نافذ کرنے والا ادارہ ہے اس کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے کہ جس قسم کے احکام چاہے نافذ کرے بلکہ اسے احکام تعالیٰ سے ہی حاصل کرنے ہوں گے کہ مسلمانوں کے تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ خلیفہ منتخب ہونا چاہئے صرف ایک خارجی فرقہ ایسا ہے جو کہتا ہے حکومت صرف اللہ ہی کی ہے کوئی اس کا خلیفہ نہیں ہے۔ یہ انارکسٹ لوگ ہیں جو خلافت کو تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق ہی بطور خلیفہ کے کی ہے اس معاملہ میں شیعہ مذہب بھی باطل ہے کہ اس کے پیروکار خلیفہ یا حاکم اور امام کو معصوم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ مانتے ہیں، یہ نظریہ غلط ہے کیونکہ خلیفہ کو منتخب کرنے والے عام لوگ ہیں اور وہی اسے معزول بھی کر سکتے ہیں۔ اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کا نظریہ بالکل واضح ہے کہ خلیفہ کا انتخاب واجب ہے، اس کو منصوص اور مقرر نہیں کیا گیا بلکہ جماعت المسلمین پر چھوڑا گیا ہے کہ وہ اپنے میں سے بہتر شخص کو اس منصب پر فائز کرلیں خلیفہ کے بغیر نظام ارضی کا چلانا درست نہیں ہے، صحابہ کرام اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے چنانچہ حضور ﷺ کی وفات پر مسئلہ خلافت آپ کے دفن سے پہلے طے کرلیا گیا۔ (ندائے منبر ومحراب ج ۲ ص ۲۷)

حرام مال کمانا

حرام مال کمانا، حرام غذا کھانا، حرام کا پیسہ جمع کرنا، حرام کے پیسے سے مکان، گاڑی، لباس اور دوسری ضروریات خریدنا، یہ چیز آج ہمارے معاشرے میں عام ہوگئی ہے۔ لوگ اپنا سٹیٹس اور سوسائٹی میں جھوٹی عزت بنانے کے لئے حلال اور حرام میں کوئی امتیاز نہیں کرتے، ہمارے اندر مال کی ہوس اتنی عام ہوگئی ہے کہ ہم نہیں، پیسہ کمانے والی مشینیں بن کررہ گئے ہیں، ہمیں تو پیسہ چاہئے خواہ وہ کسی بھی طریقے سے آئے، اللہ جل مجدہٗ کے حکم توڑ کر آئے تو؟ کسی کا حق دبا کر آئے تو! چوری، ڈاکہ، غصب ونہب اور ملاوٹ کر کے آئے تو، رشوت، فراڈ، اور یتیموں، بیواؤں، بھائی، بہنوں کا حق دبا کر آئے تو! ہیروئن، افیون، شراب بلکہ اپنی عزت وآبرو بیچ کر آئے تو!

بس پیسہ آنا چاہئے تا کہ ہم شادی غمی کے موقع پر اپنی جھوٹی عزت کا بھرم قائم رکھ سکیں۔

تا کہ ہم ہر سال نئے ماڈل کی گاڑی خرید سکیں، تا کہ ہم کسی مالدار علاقہ میں شاندار بنگلہ خرید سکیں۔ تا کہ ہمارے بچے مہنگے انگلش سکولوں میں تعلیم حاصل کر سکیں، مگر ہم نے کبھی نہ سوچا کہ ہم نے رشوت کے پیسے، منشیات کی دولت سے، فراڈ اور غصب کے روپے معاشرے میں تو اپنی ناک اونچی کر لیں، مگر یہ حرام مال آخرت میں ہماری ناک کٹنے کا ذریعہ بن جائیگا۔ یہ حرام مال ہمیں جہنم میں لے جانیکا سبب بن سکتا ہے۔ یہ حرام مال ہمارے تمام نیک اعمال کو تباہ کر سکتا ہے۔

ابو داؤد میں حدیث شریف ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جو شخص گناہ سے مال کماتا ہے، پھر وہ اس سے عزیزوں کی امداد کرتا ہے یا صدقہ خیرات کرتا ہے یا اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، یہ سب کچھ قیامت کے دن جمع کیا جائیگا اور اس کے ساتھ جہنم میں ڈال دیا جائیگا''

بیہقی میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یدخل الجنة جسد غذی بالحرام

وہ جسم جنت میں نہیں جائیگا جس نے حرام غذا سے پرورش پائی۔

یوں تو یہ احادیث ہم سب کے لئے اپنے اندر عبرت کا سامان رکھتی ہیں لیکن وہ حضرات جو عبادت بھی کرتے ہیں، حرام مال بھی کھاتے ہیں، صدقہ وخیرات بھی کرتے ہیں اور رشوت بھی کھاتے ہیں، انہیں خاص طور پر سوچنا چاہئے کہ کہیں ہماری حرام کمائی ہمیں جہنم میں لے جانے کا ذریعہ نہ بن جائے آخرت میں تو جو کچھ ہوگا۔ سو ہوگا۔ آج دنیا میں بھی ہماری دُعاؤں میں جو اثر نہیں رہا تو اس کی بڑی وجہ بھی حرام ذریعہ معاش ہے۔

کشمیر میں مسلمان مظلوم ہیں، بوسنیا میں ان کی عزتیں لوٹی جارہی ہیں انڈیا میں ان کا مال جان غیر محفوظ ہے خود پاکستان میں ہم طرح طرح کے مظالم اور ناانصافیوں کا شکار ہیں، یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کے لئے چیخ چیخ کر، ہاتھ لمبے کر کے کے، زور زور سے دُعائیں کی جاتی ہیں، ہزاروں کا مجمع ان دُعاؤں پر آمین آمین کہتا ہے، مگر ہماری دُعائیں قبول نہیں ہوتیں، نہ کافر مغلوب ہوتے ہیں، نہ مشرک نیست و نابود ہوتے ہیں، نہ دہشت گرد فنا ہتے

ہیں، نہ ظالموں سے ہم کو نجات ملتی ہے، ان چوروں اور ڈاکوؤں سے ہم کو چھٹکارا ملتا ہے، نہ مہنگائی ختم ہوتی ہے، نہ بیماریوں سے شفا ملتی ہے نہ آپس کے جھگڑے اور لڑائیاں ختم ہوتی ہیں، تو اس کی بہت بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ ہر طرف حرام کی کثرت ہے، چند خوش قسمت افراد کے سوا پوری کی پوری قوم سر سے پاؤں تک حرام میں ڈوبی ہوئی ہے۔ (ج ۴۵ ص ۶۵)

میرے بزرگو اور دوستو! اللہ کا جو قانون ہے وہ سب کے لئے ہے۔ معاذ اللہ! وہ ظالم نہیں کہ ایک کو گناہ کی وجہ سے سزا دے اور دوسرے کو انعام دے، عزت اور ذلت، کامیابی اور ناکامی، عذاب اور ثواب کے جو لگے بندھے ضابطے ہیں۔ وہ یہود و نصاریٰ کے لئے بھی تھے اور مسلمانوں کے لئے بھی ہیں۔ اگر کتمان حق کی وجہ سے، عقیدہ آخرت میں بگاڑ کی وجہ سے، اللہ کے احکام میں تحریف کی وجہ سے، دورنگی اور منافقت کی وجہ سے، بدعملی اور بدعہدی کی وجہ سے فرقہ واریت اور توہم پرستی کی وجہ سے، مالی معاملات میں گڑبڑ اور حرام خوری کی وجہ سے، زندگی سے محبت اور موت سے نفرت کی وجہ سے، یہودیوں پر اللہ کا عذاب نازل ہو سکتا ہے تو ہم پر کیوں نہیں نازل ہوگا، اگر یہودیوں پر ذلت مسلط ہو سکتی ہے تو ہم پر کیوں نہیں مسلط ہو سکتی اور ہو سکنے کا کیا مطلب؟ ہم پر تو ذلت مسلط ہو چکی ہے، کشمیر سے لے کر بوسنیا تک، نو آزاد ریاستوں سے لے کر فلسطین تک، ایشیاء سے افریقہ تک ذرا غور سے دیکھئے کون پٹ رہا ہے۔

قومی مزاج کا بگاڑ

اگر ہم بے لاگ طریقے سے اپنا پوسٹ مارٹم کریں تو ہم یہ ضرور تسلیم کریں گے کہ مالی معاملات میں گڑبڑ ہمارا قومی مزاج بن چکا ہے۔ بلکہ یہ مزاج کچھ ایسا بگڑا ہے کہ اب ہمیں حلال کھانے میں مزہ ہی نہیں آتا۔ اوپر سے نیچے تک رشوت ستانی، لوٹ مار، فراڈ اور دھوکہ دہی کی داستانیں غریب کی جھونپڑی سے لے کر امیر کے محل تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پوری قوم کرپٹ ہو چکی ہے۔ کوئی سرکاری سودا بغیر کمیشن کے طے نہیں پاتا۔

سڑکوں کی تعمیر میں کمیشن، نہروں کی کھدائی میں کمیشن، اسلحے کی خریداری میں کمیشن۔ اور یہ کمیشن کوئی معمولی نہیں ہوتا، کروڑوں ڈالر کمیشن میں کما لئے جاتے ہیں۔

جس کا داؤ چلتا ہے وہ ہاتھ کی صفائی دکھانے سے باز نہیں آتا اور اس ملک کا ہر فرد ان رشوت خور اور کمیشن خور مگرمچھوں کی وجہ سے پریشان ہے کوئی جائز کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہوتا۔ ہر محکمے میں رشوت کا چلن عام ہے۔

امپورٹ، ایکسپورٹ میں رشوت، شناختی کارڈ اور پاسپورٹ بنوانے میں رشوت، ڈرائیونگ لائسنس حاصل کرنے میں رشوت، کالجز اور یونیورسٹیز کے داخلوں اور امتحانات میں رشوت، تھانوں میں رشوت، حد یہ ہے کہ کچہریوں اور عدالتوں میں رشوت، بات صرف رشوت تک محدود نہیں رہی بلکہ حرام خوری کے جتنے طریقے بھی آپ کے ذہن میں آسکتے ہیں وہ سارے کے سارے ہمارے ہاں رائج ہیں۔

سودی کاروبار میں ہمیں کوئی عار نہیں، چوری اور ڈکیتی میں کوئی شرم نہیں، ملاوٹ اور دھوکہ دہی میں کوئی حجاب نہیں، وطن فروشی، ایمان فروشی اور ضمیر فروشی میں کوئی عیب نہیں۔

مال کی شدید ترین محبت جو صرف یہودی قوم کا خاصہ تھی وہ اب ہمارا مزاج بن گئی ہے اور مال کی محبت میں ہم حلال وحرام کی ساری حدود پھلانگ گئے ہیں۔ ہمیں نہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا خیال ہے، نہ وطن کی عزت اور جگ ہنسائی کا احساس ہے۔

(ندائے منبر ومحراب ج ۵ ص ۲۷۹)

کہاں وہ اور کہاں ہم

کہاں تو وہ صحابہ کرام تھے جو سگان دنیا کے طعنوں کے خوف سے تہذیب وتمدن کے جھوٹے دعویداروں سے ڈر کر، قیصر وکسریٰ کے شاہانہ کروفر سے مرعوب ہو کر، مکی ومدنی قریشی وہاشمی آقا ﷺ کی ایک بھی سنت چھوڑنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تھے اور کہاں ہم ایسے نالائق اور بے وفا انسان ہیں جو ماڈرن بننے کے شوق میں، جو یہود ونصاریٰ کو خوش کرنے کے لئے، ایک تو کیا ساری سنتیں بلکہ سارا دین چھوڑنے کے لئے تیار ہیں، ہماری شکلیں مجوسیوں اور نصاریٰ جیسی، ہماری سیرت یہود وہنود جیسی، ہماری راتیں رقص وسرود میں رنگی ہوئی، ہمارے دن دنیا طلبی اور دولت پرستی میں ڈوبے ہوئے، ہماری معیشت حلال وحرام کی قیود سے آزاد، ہماری سیاست مفاد پرستی اور ضمیر فروشی کا سنپل اور کمال یہ کہ پھر بھی دعویٰ یہ ہے کہ ہم مسلمان اور عاشق رسول ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دعویٰ یہ کہ صرف ہم

مسلمان اور صرف ہم ہی عاشق رسول ہیں۔

اللہ کے بندو! ہوش میں آؤ، غیروں کی نقالی نہ کرو، آقائے دو جہاں ﷺ کی نقالی کرو، یہود و نصاریٰ کو آئیڈیل نہ بناؤ، سرورِ عالم ﷺ کو آئیڈیل بناؤ۔

ان کی اتباع نہ کرو جن کی اتباع میں ذلت ہے، خواری ہے، عذاب ہے، اللہ کی ناراضگی ہے، آخرت کی رسوائی ہے، جہنم ہے۔

اس کی اتباع کرو جس کی اتباع میں عزت ہے، عظمت ہے، ثواب ہے، اللہ کی رضا ہے، آخرت کی کامیابی ہے، جنت ہے۔ (ندائے منبر ومحراب ج ۵ ص ۲۹۱)

قرآن اور علم سائنس

اس میں شک نہیں کہ قرآن کا اصل موضوع انسان کی ہدایت اور فلاح ہے، وہ قصص اور واقعات بیان کرتا ہے تو اسی لیے، وہ احکام بیان کرتا ہے تو اسی لیے، وہ آخرت کا ذکر کرتا ہے تو اسی لیے، وہ ارض وسماء کی تخلیق اور باد وباران کا ذکر کرتا ہے تو اسی لیے، اور وہ شخص جو قرآن کو سائنس کی کتاب بنادے گا وہ قرآن پر بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کرے گا لیکن اس سب کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن میں سائنسی علوم کے اشارے ملتے ہیں۔

قرآن نے فلکیات، ارضیات، نباتات اور حیاتیات کے بارے میں ساتویں صدی عیسوی میں جو حقائق بیان کیے تھے بیسویں صدی کے سائنس دان اسے غلط ثابت نہی کر سکے بلکہ بعض اوقات تو قرآن کا مطالعہ انہیں حیرت میں ڈال دیتا ہے اور اگر ان کا دل تعصب سے خالی ہو تو وہ پکار اُٹھتے ہیں کہ قرآن اس ذات کا کلام ہے جس کی نظر میں ماضی، حال اور مستقبل برابر ہے۔

توحید کی برکات

آج بڑے زور شور سے یہ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ علمی اور تحقیقی ترقیات کا کریڈٹ یورپ کو جاتا ہے اس پروپیگنڈا کی تردید کے سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ یاد رکھیں کہ قرآن کے عطا کردہ عقیدۂ توحید کی برکات ہیں کہ انسان دریاؤں، صحراؤں، پہاڑوں، آسمانوں، فضاؤں، اور مختلف ستاروں کو مسخر کر رہا ہے ورنہ جب تک انسان شرک اور مظاہر پرستی میں مبتلا رہا وہ مظاہر کائنات کی تسخیر کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ایک انگریز مصنف آرنلڈ ٹوائن بی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ قدیم انسان کے لیے فطرت صرف فطری ذرائع کا ذخیرہ نہیں تھی بلکہ وہ دیوتا تھی وہ اس کے لیے مادر گیتی تھی اور نباتات حیوانات، معدنیات، چشمے، ندیاں، سمندر، پہاڑ، زلزلے اور بجلی سب دیوی دیوتا تھے، جس فطرت کو انسان معبود کی نظر سے دیکھتا ہوا سے وہ تحقیق اور تسخیر کی نظر سے کیسے دیکھ سکتا تھا؟ (اسلام دور جدید کا خالق ص ۶۳)

یہ عقیدہ توحید ہی تھا جس نے انسان کو بتایا کہ فطرت معبود نہیں مخلوق ہے، مخدوم نہیں خادم ہے، تیری دیوی اور دیوتا نہیں لونڈی اور غلام ہے۔ تو اس کے سامنے جھکنے کیلئے نہیں اسے اپنے سامنے جُھکانے کے لیے ہے۔

یہ عقیدہ توحید ہی تھا جس نے انسان کو جرأت دی، اسے ہمت دلائی اور حکم دیا کہ اُٹھ! اور شمس وقمر کی تسخیر کر ڈال، دریاؤں کا رُخ موڑ دے، فضاؤں کو روند ڈال، بلندیوں کو پائمال کر دے۔

شرک نے جس انسان کو کمزور، بزدل، ڈرپوک اور جاہل بنا رکھا تھا عقیدہ توحید نے اُسے طاقتور، بہادر، جری اور عالم بنا دیا۔

ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ موجودہ ترقیوں اور ایجادات کا تعلق صنعتی انقلاب سے ہے اور خود صنعتی انقلاب، مظاہر کائنات اور زمین کے اندر چھپی ہوئی طاقتوں کے استعمال کا دوسرا نام ہے۔ انسان نے کوئلہ کو انرجی میں تبدیل کیا، اس نے بہتے ہوئے پانی سے جنریٹر چلا کر بجلی تیار کی، اس نے معدنی اشیاء کو نکال کر انہیں مشینوں کی صورت میں ڈھالا۔ اس طرح صنعتی انقلاب وجود میں آیا۔ (حوالہ سابق)

اب سوال یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں تو لاکھوں سال سے زمین کے اوپر موجود تھیں پھر اسلام سے پہلے کا انسان اس پر وہ عمل کیوں نہ کر سکا جس کے نتیجہ میں وہ ان سے فائدہ اٹھا سکتا ،اس کا جواب صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ شرک اس عمل کی راہ میں مانع تھا۔ یونانی، مصری، رومی، ایرانی غرض یہ کہ تمام تہذیبیں مشرکانہ تہذیبیں تھیں اور مظاہر فطرت کی پرستش کرتی تھیں۔ مشرکانہ نظریہ میں بجلی چمکی تو سمجھ لیا گیا کہ دیوتا کا آتشیں کوڑا ہے چاند یا سورج گرہن پڑا تو فرض کر لیا گیا کہ دیوتا پر کوئی مصیبت کا وقت ہے۔ اور سیدھی سی بات ہے کہ چاند کو معبود

ماننے والے اس کے اوپر اپنا پاؤں رکھنے کی بات کیسے سوچ سکتے تھے۔ دریا کو مقدس سمجھنے والے اسے مسخر کر کے اس سے بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ کیسے بنا سکتے تھے، گائے کی پرستش کرنے والے اسے خوراک بنانے اور اس کی پروٹینی اہمیت کو کیسے اجاگر کر سکتے تھے۔

یہ تو اسلام تھا جس نے انسان کو فطرت کی تسخیر پر آمادہ کیا، اسلام سے پہلے ستاروں کی پرستش ہوتی تھی اسلامی انقلاب کے بعد پہلی بار بڑے پیمانہ پر انسان نے رصدگاہیں قائم کیں اور ستاروں پر ریسرچ شروع کی، زمین کو مؤنث دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے پہلی بار اس کی پیائش کر کے اس کا طول وعرض معلوم کیا اور اس کا سینہ چیر کر معدنی خزانے باہر نکالے، سمندر سے ڈر کر انسان اسے پوجنے کی چیز سمجھتا تھا مسلمانوں نے پہلی بار اس کو وسیع پیمانہ پر آبی گذرگاہ کے طور پر استعمال کیا، طوفان اور ہوا کو انسان پراسرار چیز سمجھ کر پوجتا تھا، مسلمانوں نے اس کو ہوا چکی میں تبدیل کر دیا، درختوں سے پُر اسرار کہانیاں وابستہ کر کے ان کو قابل تعظیم سمجھا جاتا تھا، مسلمانوں نے ان پر تحقیق شروع کی یہاں تک کہ انہوں نے نباتات کی علمی فہرست میں مجموعی طور پر دو ہزار پودوں کا اضافہ کیا۔ جن دریاؤں کو لوگ مقدس سمجھتے تھے اور ان کو خوش کرنے کے لیے اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو زندہ حالت میں ان کے اندر ڈال دیتے تھے ان دریاؤں سے نہریں کاٹ کر انہیں آبپاشی کے لیے استعمال کیا اور زراعت کو بالکل نئے دور میں داخل کر دیا۔

(اسلام دور جدید کا خالق)

ایک صوفی صاحب سفر میں کسی خانقاہ میں ٹھہرا ان لوگوں پر کئی وقت کا فاقہ تھا، انہوں نے رات میں خادم کو غافل پا کر صوفی کا گدھا کھول کر بازار میں بیچ دیا اور خوب کھایا پیا اور صوفی کی بھی دعوت کی کھانے کے بعد قوالی ہوئی ان لوگوں نے قوال سے فرمائش کر دی کہ یہ شعر پڑھو

خر برفت و خر برفت و خر برفت
خر برفت و خر برفت و خر برفت

ترجمہ: گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا۔
گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا۔

گدھے کا مالک بھی یہی کہہ رہا تھا، صبح کو جو دیکھا گدھا ندارد۔ خادم سے پوچھا تو اس نے کہا وہ تو رات سے غائب ہے اور میں نے حضور کو اطلاع کرنی چاہی تھی لیکن آپ خود ہی کہہ رہے تھے ''خر برفت وخر برفت'' میں سمجھا کہ آپ کو کشف سے اطلاع ہو چکی ہے اس لئے خاموش واپس آگیا، کہنے لگا: کم بخت مجھ کو کیا خبر تھی میں تو اوروں کی تقلید میں کہہ رہا تھا۔

ایسی تقلید کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

خلق را تقلید شان برباد داد
کہ دو صد لعنت برین تقلید باد

ترجمہ: مخلوق کو ان کی تقلید نے برباد کیا
ایسی تقلید پر دو سو لعنتیں ہوویں

یوں ہی یہ مسٹر بیچارے بے سوچے سمجھے انگریزوں کی اندھی تقلید کئے جا رہے ہیں اور ملا، کے انتہائی محترم لفظ کو جو انہوں نے گالی بنا دیا تو اس کی وجہ بھی دین کے ان ازلی دشمنوں کی تقلید ہی ہے۔

کہتے ہیں ایک بوڑھا آدمی حکیم کے پاس جا کر کہنے لگا کہ میری آنکھوں میں کمزوری ہے حکیم نے کہا بڑھاپے سے ہے، کہا میرا دماغ خالی سا ہو گیا ہے حکیم ۔نے کہا بڑھاپے سے، کہا میرے ہاتھ پاؤں میں درد رہتا ہے، حکیم نے کہا یہ بھی بڑھاپے سے، بڈھے نے جھلا کر حکیم کے ایک دھول رسید کی کہ نامعقول تو نے بڑھاپے کے سوا حکمت میں کچھ اور بھی پڑھا ہے! حکیم نے ہنس کر کہا کہ میں آپ کے غصہ کا بُرا نہیں مانتا یہ غصہ بھی بڑھاپے ہی سے ہے۔

اسی طرح ان کو جو مولویوں پر غصہ آتا ہے اور ملا کے لفظ کو طنز اور دل آزاری کے طور پر استعمال کرتے ہیں تو اس کی وجہ بھی یہ اندھی تقلید ہی ہے۔ بعض الزامات اور اعتراضات بھی ہیں جو یہ مولویوں پر کرتے رہتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ مولویوں ے پاس ان کا کوئی جواب نہیں ہے۔

ملا اور ترقی

ملاؤں پر مسٹروں کا میرے خیال میں سب سے بڑا الزام یا اعتراض یہ ہے کہ ملا

ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ وہ صاف کہتے ہیں

ترقی کر کے قومیں منزل مقصود تک پہنچیں
مگر یہ لوگ ہیں اب بھی اسیر دام نادانی
جنون نوجو وہ تہذیب مغرب کو بتاتے ہیں
تو یہ نکلے ہیں لے کر نسخہ ہائے طب یونانی

ساری دنیا ترقی کرتی جارہی ہے مگر یہ مولوی ہمیں دنیا سے پیچھے رکھنا چاہتا ہے، زمانہ بدل گیا ہے، نیا دور ہے، نئے تقاضے ہیں لیکن مولوی صاحب وہی پرانی باتیں دہراتے جارہے ہیں نماز پڑھا کرو، زکوۃ دیا کرو، حج کیا کرو، تلاوت کیا کرو، داڑھی رکھو، ایسا لباس پہنو ویسا نہ پہنو، وہی پرانی باتیں ہیں، دقیانوسی خیالات ہیں۔

مگر صاحب! سوال یہ ہے کہ ان میں سے کونسی بات ہے جو آپ کو ترقی کرنے سے روکتی ہے۔ آپ سائنس میں، میڈیکل لائن میں، انجینئرنگ میں، اسلحہ سازی میں، صنعت وحرفت میں اگر کمال حاصل کرنا چاہتے ہیں تو نماز، روزہ، حج، زکوۃ میں سے کون سی چیز اس میں رکاوٹ ہے؟

قرآن پڑھے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کی صورت میں زندگی کا ایسا دستور دیا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنے تمام مذہبی، سیاسی اور معاشی مسائل حل کر سکتے ہیں۔

قرآن ایسا نور ہے جس سے ہم ضلالت وگمراہی کے تمام اندھیروں کو دور کر سکتے ہیں۔

قرآن ایسا نسخۂ کیمیا ہے جس سے ہم اپنی تمام روحانی بیماریوں کا علاج کر سکتے ہیں۔

قرآن ایسی کتاب ہے جس کی بنیاد پر ہم زمانے میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں، اور اپنی کھوئی ہوئی عزت اور وقار بحال کر سکتے ہیں۔

قرآن ایسا راستہ ہے جو سیدھا اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت تک لیجاتا ہے۔ قرآن ایسا خزانہ ہے جس سے ہم اپنے گھروں کو، اپنے شہروں کو، اپنے ملکوں کو ایسا مالا مال کر سکتے ہیں کہ ہمیں غیروں کی طرف نظر اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے۔ قرآن اصلاح وتربیت، کا ایسا نظام ہے جو انسان کا تزکیہ کر کے انہیں مثالی انسان بنادیتا ہے۔

قرآن ایسا سایہ دار درخت ہے جو اپنے بیٹھنے والوں کو قلبی سکون اور راحت عطا کرتا ہے۔ قرآن ایسا امام ہے جو اپنی اقتداء کرنے والوں کو زمانے بھر کا امام بنادیتا ہے، قرآن ایسا باوفا ساتھی ہے جو قبر میں بھی ساتھ نبھاتا ہے اور حشر میں بھی وفا کا حق ادا کرے گا۔

قرآن ایسا سفارشی ہے جو وہاں سفارش کرے گا جہاں سفارش کرنے سے انبیاء بھی ہچکچائیں گے۔ قرآن کے اندر ایسی تاثیر ہے کہ یہ حامل قرآن کو فائر پروف بنادیتا ہے، اس پر جہنم کی آگ اثر نہیں کرسکتی۔

مسلمانو! قرآن والے اللہ کی قسم قرآن کے اندر کھربوں ایٹم بموں سے زیادہ طاقت ہے، للہ! قرآن کو پڑھنے کے لئے اور سمجھنے کے لئے کچھ وقت نکالیے ہر محلے میں ہر مسجد میں، درس قرآن کے حلقے قائم کیجئے، اپنے واعظوں اور خطیبوں کو مجبور کیجئے کہ وہ بے بنیاد کہانیوں کے بجائے آپ کو قرآن وسنت سنائیں اور سمجھائیں۔

یاد رکھئے! اگر آپ نے قرآن سے اعراض جاری رکھا تو اللہ کی رحمتیں آپ سے روٹھ جائیں گی۔ قرآن حکیم میں ہے:

ومن اعرض عن ذكرى فان له معيشة ضنكا و نحشره يوم القيمة اعمى

جس نے اعراض کیا ہمارے ذکر سے اس کی زندگی تنگی میں ہوگی اور ہم اس کو قیامت میں لائیں گے اندھا کر کے۔

ہم پستیوں میں کیوں گرے!

ہم بلند چوٹیوں سے پستیوں میں کیوں گرے ہم عزت وتکریم کے تخت وتاج سے کیوں محروم ہوئے، دور حاضر کے دجال امریکہ سے ہم کیوں خوفزدہ ہیں، ہم اب تک سیاسی اور معاشی غلامی میں کیوں مبتلا ہیں۔ اس لئے کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ ہم نے اس کو خوبصورت غلافوں میں بند کر کے الماریوں کی زینت بنادیا، ہم نے اسے مردوں کا کلام بنادیا اور جن کا ہم نام لیتے ہیں، کہاں وہ اور کہاں ہم، اُن کی زبانیں تلاوت قرآن سے تروتازہ رہتی تھیں۔

ان کی آنکھیں قرآن کی زیارت سے ٹھنڈی ہوتی تھیں، ان کے کان قرآن کی تلاوت سے شیرینی محسوس کرتے تھے، قرآن ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، قرآن ان کی زندگی تھا،

قرآن ان کی شان تھا، قرآن ان کا وقار تھا، ان کے بچوں کی زبانیں سب سے پہلے قرآن سے آشنا ہوتی تھیں، ان کے بچوں کی مائیں انہیں قرآن کی لوریاں سُناتی تھیں۔ مگر آج ہماری حالت کیا ہے؟ ہمارے نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہارمونیم اور سارنگیاں ہیں، ان کی زبانوں پر فحش گانوں کے بول ہیں، ان کی آنکھوں کو ننگے ڈانس سے ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے، ان کے کان مشرقی اور مغربی موسیقی میں حلاوت محسوس کرتے ہیں، فلمیں ان کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔

ہمارے بچوں کی زبانیں سب سے پہلے گالیوں سے آشنا ہوتی ہیں اور ان کی مائیں انہیں ڈسکوڈانس سکھانے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔

ہمیں ان بزرگوں سے کیا نسبت جن کے شب و روز تلاوت قرآن میں بسر ہوتے تھے، مگر انہیں پھر بھی سیری نہیں ہوتی تھی، وہ اس طرح ڈوب کر قرآن پڑھتے تھے کہ انہیں دنیا و مافیہا کی خبر نہیں ہوتی تھی، ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، لیکن آج ہماری یہ حالت ہے کہ یہ تو ممکن ہے کہ کسی اُچکے کی دھمکی سُن کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، یا کسی افسر بالا کے سامنے پیشی کے موقع پر ہمارے جسم پر کپکپی طاری ہو جائے یا اپنی کرکٹ ٹیم کی شکست کی خبر سُن کر ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں، بلکہ اخباروں میں ایسی خبریں بھی آچکی ہیں کہ ٹیم کی شکست کی خبر سن کر بڑے میاں کو ہارٹ اٹیک ہو گیا، لیکن قرآن سن کر، وعیدی آیات سُن کر، جہنم کی ہولناک آیات کا تذکرہ سُن کر، اللہ تعالیٰ کی گرفت کی خبر سن کر اُن پر یہ کیفیات کبھی طاری نہیں ہوتیں۔ لیکن جن بزرگوں کی طرف ہماری نسبت ہے وہ لہو ولعب سے تو متاثر نہیں ہوتے تھے البتہ کلام اللہ سے خوب متاثر ہوتے تھے۔

جہالت پر پردہ

بعض جاہل مولوی اپنی جہالت پر یوں پردہ ڈالتے ہیں کہ اُن سے جو سوال بھی پوچھا جائے ان کا یہی جواب ہوتا ہے کہ جی اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ناجائز ہے۔ حضرت تھانویؒ نے ایک ایسے ہی شخص کا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ کسی استاد کے پاس پڑھتا تھا جب کتابیں پڑھ کر اپنے گھر چلا تو استاذ سے پوچھا کہ حضرت یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ مجھے آتا جاتا تو خاک بھی نہیں مگر وہاں لوگ عالم سمجھ کر

مسائل پوچھیں گے تو کیا کروں گا، استاذ تھے بڑے ذہین، انہوں نے کہا کہ ہر سوال کے جواب میں یہ کہہ دینا کہ اس میں اختلاف ہے، اور واقعی کوئی مسئلہ مشکل سے ہی ایسا ہوگا کہ جس میں اختلاف نہ ہو، سوائے عقائد توحید ورسالت کے تو یہ ہر بات کا ایک ہی جواب دیتا کہ اس میں اختلاف ہے، انہوں نے ہر سوال کے جواب کے لئے یاد کرلیا کہ اس میں اختلاف ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں میں اس کی ہیبت بیٹھ گی کہ بڑا متبحر عالم ہے، بڑا وسیع النظر ہے۔ مگر **فوق کلا ذی علور علیم** کوئی صاحب سمجھ گئے کہ اس نے سب کو اُلو بنا رکھا ہے، آکر کہا: مولانا مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔ انہوں نے کہا فرمائیے۔ کہا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** میں آپ کی کیا تحقیق ہے۔ کہنے لگے اس میں اختلاف ہے، بس آپ کی قلعی کُھل گئی۔

اسی طرح کسی منطقی طالب علم سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ گلہری کنویں میں گر پڑی ہے پاک کرنے کے لئے کتنے ڈول نکالے جائیں۔ یہ بیچارا صرف منطق ہی جانتا تھا فقہ کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنا جہل چھپانے کے لئے اس سے منطق جھاڑی۔ کہنے لگا: "گلہری جو گری ہے دو حال سے خالی نہیں یا خود گری ہے یا کسی نے گرادی ہے۔ پھر اگر خود گری ہے تو دو حال سے خالی نہیں دوڑ کر گری یا آہستہ گری۔ اور اگر کسی نے گرائی ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا آدمی نے گرائی یا جانور نے اور ہر ایک کا جدا حکم ہے۔ تو اب بتلاؤ کہ گلہری کے گرنے کی کیا صورت ہے۔ سائل نے پریشان ہو کر کہا کہ صاحب اس کی تو خبر نہیں۔ یہ کہنے لگے کہ پھر میں کیا جواب دوں؟ وہ بیچارہ گھبرا کر چلا آیا کہ ان کی منطق کا کیا جواب دے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ انسان جہالت کا اقرار کرتے ہوئے شرماتا ہے۔ حالانکہ اس کی جہالت کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہو سکتا جسے تمام علوم وفنون پر عبور حاصل ہو تمام مذاہب کا اسے علم ہو، تاریخ انسانی کا ہر واقعہ اُسے معلوم ہو۔ وہ یہ نہیں جان سکتا کہ مستقبل میں یہاں کیا کچھ ہونے والا ہے۔ وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ اس دنیا کے آباد ہونے سے پہلے یہاں کیا کچھ ہوتا رہا ہے۔ چونکہ انسان پر جہل کا غلبہ ہے۔ اس لئے اس کی تحقیقات اور تالیفات بھی جہالت اور شک وشبہ سے پاک نہیں ہو سکتیں مگر رب العالمین ہر

قسم کی جہالت سے پاک ہے، اس لئے اس کا علم قطعی اور یقینی ہے اور اس کی کتاب ہر طرح کے شک وشبہ سے بلند ہے۔

تو میں جب قرآن سے اس کی خصوصیات اور اوصاف کے بارے میں سوال کرتا ہوں تو وہ مجھے اپنی پہلی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ میں قطعی اور یقینی ہوں، میری کسی بات میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ (ندائے منبر ومحراب ج ص ۱۹۹)

بخیلوں کا مال

جب کوئی مرجاتا ہے تو ان لوگوں کی خوب چاندی ہوتی ہے اور یہ سوچ بھی ہوتی ہے کہ ویسے تو یہ کنجوس لوگ کچھ دیتے نہیں ہیں ان سے تو اسی طرح مال نکالو۔ بلکہ ایک مولوی صاحب سے میں نے خود سُنا وہ کہہ رہے تھے کہ: ''اجی چھوڑیئے جائز اور ناجائز کو، سنت اور بدعت کو یہی تو موقعہ ہوتا ہے ان سے کچھ نکالنے کا ورنہ یہ کنجوس لوگ کہاں قابو میں آتے ہیں، ایک دمڑی ہمیں دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے، ہمیں ایک کپ چائے پلادیں تو ان کا دل جل جاتا ہے۔ ان کا تو وہ حال ہے کہ کوئی بخیل شہد سے روٹی کھا رہا تھا، ایک دوست آگیا، روٹی تو فوراً چھپادی اور شہد اس لئے چھوڑ دیا کہ خالی شہد کون کھائے گا۔ اس کے بعد ان دوست کو بلایا اور کہا شہد حاضر ہے، اس نے بے دریغ کھانا شروع کر دیا جب بخیل نے دیکھا کہ یہ سب ہی کھا جائے گا تو کہا واللہ یا اخی انہ یحرق القلب یعنی واللہ! اے بھائی یہ شہد تو دل کو جلاتا ہے۔ دوست نے کہا: صدقت ولکن قلبک یعنی تم نے سچ کہا لیکن تیرے قلب کو جلاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور بخیل کا واقعہ ہے کہ وہ انجیر کھا رہا تھا کہ ایک دیہاتی آگیا اس نے وہ انجیر کمبل کے نیچے چھپا دیئے اور چاہا کہ کسی طرح اس کو ٹالوں یا کسی اور شغل میں لگاؤں پوچھا ھل تحفظ شیئا من القرآن یعنی تم کو کچھ قرآن یاد ہے۔ اس نے کہا ہاں اور اعوذ، بسم اللہ پڑھ کر شروع کر دیا.......... والزیتون وطور سینین الخ بخیل نے کہا ہائیں این التین یعنی والتین کہاں گیا۔ (تین عربی میں انجیر کو کہتے ہیں) دیہاتی نے کہا ھو تحت کساءک یعنی وہ تیرے کمبل کے نیچے ہے، بخیلوں سے تو چھین کر کھانا جائز نہیں بلکہ ان کی تو اجازت بھی مشکوک ہوتی ہے۔ اگر وہ زبان سے خاموش بھی رہیں تو نہ جانے

ان کے دل و دماغ پر کیا گزر رہی ہوگی۔ تو اس بزنس پارٹی کی یہ فلاسفی ہے کہ چونکہ یہ سرمایہ دار ویسے تو ہمارے قابو نہیں آتے اور مرنے کے بعد ان کے ورثاء کا بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر کچھ دے دلا کر ان کی بخشش کا سامان ہو جائے تو سودا مہنگا نہیں اس لئے وہ ایسی پارٹیوں کو کچھ نہ کچھ دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، مگر یہ فلاسفی اور سوچ تو ان مفت خوروں کی ہے۔ لیکن جو پڑھواتے ہیں ان کو حیا نہیں آتی کہ زندگی میں تو ہم کبھی قرآن کے قریب نہیں جاتے ہمیں کبھی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ ہمارے گھروں سے گانے بجانے کی آوازیں تو آتی ہیں مگر تلاوت قرآن کی آواز نہیں آتی۔ ہم فحش کتابیں اور ناول، افسانے پڑھنے کے لئے تو وقت دیتے ہیں مگر قرآن کے مطالعہ کے لئے ہمارے پاس کچھ وقت نہیں۔

خدارا سوچئے کیا یہ قرآن پر ظلم نہیں ہے اسی لئے تو میں نے شروع میں کہا تھا کہ قرآن دنیا کی مظلوم ترین کتاب ہے، کہ ہم نے اسے مردوں کی کتاب بنا دیا ہے، ایک اور ظلم جو اللہ تعالیٰ کی اس کتاب مقدس پر ہو رہا ہے کہ لوگ اپنے ہر قسم کے کاروبار اور ہر طرح کی دکانوں اور کارخانوں کے افتتاح کے لئے قرآن خوانی کرواتے ہیں۔ خواہ یہ دکانیں ناجائز اور حرام کاروباری ہی کے لئے کیوں نہ ہوں اور خواہ ان کارخانوں اور فیکٹریوں کی تعمیر میں سودی پیسہ ہی کیوں نہ لگایا گیا ہو۔ حیرت تو یہ ہے کہ سینماؤں تک کے افتتاح کے لئے قرآن خوانی ہوتی ہے۔

بتائیے! کیا یہ قرآن پر ظلم نہیں ہے۔ یہ عظیم اور مقس ترین کتاب اسی لئے نازل کی گئی تھی کہ اس کے ذریعے حرام اور سودی کاروبار کا افتتاح کیا جائے میری ناقص رائے میں تو کوئی ایسا شخص جو اس کتاب ہدایت کے مرتبے اور مقام سے واقف ہو وہ اس کی ناقدری اور اس کے حقوق کی پائمالی کے جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

آئیے اس مقدس شب کی مناسبت سے میں آپ کو قرآن کریم سے متعارف کراؤں تاکہ آپ قرآن کریم کی عظمت وفضیلت اور اس کے نزول کے مقاصد سے آگاہ ہو سکیں۔ کیونکہ قرآن کریم کا سب سے بہترین تعارف وہ ہے جو خود قرآن نے بیان کیا ہے۔

مقاصد قرآن

میں جب قرآن کریم سے پوچھتا ہوں کہ اے علیم وخبیر ذات کی عظیم ترین کتاب

آج تیرے ماننے والوں میں سے کوئی تجھے صرف اس لئے پڑھتا ہے تا کہ قریب المرگ شخص کی روح آسانی سے نکل جائے اور کوئی اس لئے پڑھتا ہے تا کہ اس کے ناجائز ناجائز کاروبار میں برکت اور اضافہ ہو جائے۔

کوئی اس لئے پڑھتا ہے تا کہ مرنے والے کی بخشش ہو جائے، کوئی تجھے تعویذ بنا کر گلے میں ڈالتا ہے تا کہ بلاؤں اور پریشانیوں سے حفاظت ہو جائے۔

کوئی اس لئے پڑھتا ہے تا کہ ان کا قاتل اور ڈاکو رشتہ دار جیل سے رہا ہو جائے کوئی تجھے گھر کے طاق میں سجاتا ہے تا کہ چوروں، ڈاکوؤں، دشمنوں اور حاسدوں سے گھر کی حفاظت ہوتی رہے۔

کوئی تجھے جھوٹی سچی قسمیں اٹھانے کے لئے استعمال کرتا ہے، مگر میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنے نزول کا مقصد اور اپنی خصوصیات..........

عورت کا شرف

سیرت نگاروں میں یہ بحث رہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت پر سب سے پہلے ایمان کون لایا اور عام طور پر فیصلہ یوں کیا جاتا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر صدیقؓ، بچوں میں سے حضرت علیؓ، غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ اور عورتوں میں سے حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے ایمان لائے۔

لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے سیرت کا جو ناقص سا مطالعہ کیا ہے اس کی وجہ سے میرا ضمیر تو یہی گواہی دیتا ہے کہ سب سے پہلے ایمان کا شرف حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہوا ہے۔ غار حرا کے واقعے کی سب سے پہلے اطلاع بھی انہی کو حاصل ہوئی اور سب سے پہلے انہی کے دل میں ایمان اور یقین کی روشنی پھوٹی۔

حضور اکرم ﷺ کو حضرت خدیجہؓ کی باتوں سے بڑا حوصلہ ملتا تھا۔

انہوں نے بھی ہر ہر موقع پر آپ کی پشت پناہی اور حمایت کی لوگوں سے آپ کو جو تکلیفیں پہنچتی تھیں۔ وہ ہمیشہ ان کو ہلکا کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ قریش مکہ گالیاں بھی دیتے تھے، بُرے بُرے القاب سے بھی نوازتے تھے، طعنے بھی دیتے تھے، بازاری باتیں بھی کرتے تھے، ہاتھ چلانے سے بھی باز نہیں آتے تھے۔ آپ یہ سب کچھ سن کر اور سہہ کر گھر

تشریف لاتے تو حضرت خدیجہؓ ہمت بندھاتی تھیں، تسلیاں دیتی تھیں۔ قیامت تک آنے والی خواتین اس بات پر فخر کر سکتی ہیں کہ:

جب عرب کا ذرہ ذرہ آپ کے خون کا پیاسا تھا۔ ایک عورت آپ کی پشت بانی کر رہی تھی۔

جب سب جھٹلا رہے تھے تو ایک عورت تصدیق کر رہی تھی۔ جب سب انکار کر رہے تھے تو ایک عورت اقرار کر رہی تھی، جب سب دل توڑ رہے تھے تو ایک عورت دل جوڑ رہی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کو بھی حضرت خدیجہؓ کی خدمات کا بڑا احساس تھا۔ اسی لئے جب تک وہ زندہ رہیں۔ آپ نے کسی دوسری خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ نبوت کے دسویں سال جب حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا تو یہ سال غم کے سال (عام الحزن) کے نام سے مشہور ہو گیا۔ کیونکہ آپ کو ان کی جدائی کا بیحد غم ہوا تھا۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد بھی آپ انہیں یاد کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کو بڑا تعجب ہوتا تھا کہ حسین و جمیل اور کم عمر بیویوں کے باوجود آپ اس خاتون کو یاد کرتے ہیں، جو انتقال بھی کر چکی ہیں اور عمر میں بھی آپ سے تقریباً پندرہ سال بڑی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ عائشہؓ کو اس پر تعجب ہو رہا ہے کہ میں خدیجہؓ کو کیوں یاد کر رہا ہوں تو فرمایا اے عائشہؓ!

کانت ھا کانت خدیجہ تھی جو تھی

یہ بہت مختصر اور مجمل سا جملہ ہے مگر یوں کہئے کہ اس اجمال میں سینکڑوں تفصیلات سمٹ آتی ہیں۔ اگر آپ یوں فرماتے کہ خدیجہ بڑی غمخوار اور صاحب ایثار تھی، خدیجہ بڑی رقیق القلب اور لطیف الروح تھی۔ خدیجہ بڑی خدمت گار اور با کردار تھی، خدیجہ صورت و سیرت میں ممتاز تھی، خدیجہ کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں تو ان میں سے کسی جملے میں بھی وہ کشش وہ جامعیت اور وہ زور نہیں ہو سکتا تھا جو اس مختصر سے جملے میں ہے۔

کانت ھا کانت تھی جو تھی

گویا آپ یوں فرمانا چاہتے تھے کہ اے عائشہ! خدیجہ کیا تھی، کیسی تھی، اس کا میرے ساتھ کیسا سلوک تھا۔ میں یہ بیان نہیں کر سکتا یعنی الفاظ خدیجہؓ کے احسانات کو بیان نہیں کر سکتے۔ (ج ۵ ص ۳۰۹)

اپنی ذمہ داری سمجھئے

میری ماؤں اور بہنوں! یادرکھئے آپ کا کام صرف سینا پرونا اور کھانا پکانا نہیں ہے، بلکہ گھر کے ماحول پر نظر رکھنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ کی سب سے بڑی اور سب سے مقدم ذمہ داری تو اولاد کی صحیح تربیت ہے۔ ماں کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہے۔ آج کل کے ڈاکٹر اور نفسیات کے ماہر تسلیم کرتے ہیں کہ بچہ اس وقت سے سیکھنا شروع کردیتا ہے جب وہ بول بھی نہیں سکتا۔ جب اس کی بے شعوری بلکہ بے ہوشی کا زمانہ ہوتا ہے وہ چند ماہ کا ہوتا ہے مگر اپنے ماحول کا اثر قبول کرنا شروع کردیتا ہے۔

اگر ماں تقویٰ وطہارت اور صدق ودیانت جیسی صفات سے مالا مال ہوگی تو یہ صفات اس کی اولاد میں بھی ظاہر ہوں گی اور اگر ماں موسیقی کی دلدادہ اور فیشن پرست ہوگی تو اولاد میں بھی اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا۔

افسوس تو یہ ہے کہ آج ہماری ماؤں بہنوں نے اپنی ذمہ داریاں بہت بڑھالی ہیں۔ بازاروں میں بے مقصد گھومنا ان کی ذمہ داری، پارٹیوں میں بن سنور کر جانا ان کی ذمہ داری، کلبوں میں جاکر داد فحاشی دینا ان کی ذمہ داری، نت نئے فیشنوں کے چکر میں پڑنا ان کی ذمہ داری، رقص وسرود کی محفلیں سجانا ان کی ذمہ داری، ڈراموں اور فلموں کا دیکھنا ان کی ذمہ داری، پڑوسنوں کی چغلیاں اور غیبتیں کرنا ان کی ذمہ داری، بیوٹی پارلر میں جاکر گھنٹوں میک اپ کروانا ان کی ذمہ داری، اب اتنی ذمہ داریوں کے درمیان اولاد کی تعلیم و تربیت کے لئے وقت بچے تو کیسے بچے؟

آئیڈیل کون

اصل بات یہ ہے کہ مسلمان خواتین نے اپنے لئے آئیڈیل یورپ کی گندی تہذیب کی آوارہ خواتین کو بنالیا ہے۔

وہ شوہر اور بچوں کے ساتھ انہیں جیسا سلوک کرنا چاہتی ہے، وہ گھر اور باہر کی زندگی انہیں کے طرز پر گذارنا چاہتی ہیں، وہ انہیں جیسا لباس زیب تن کرنا چاہتی ہیں، وہ انہیں کی ثقافت اور معاشرت اختیار کرنا چاہتی ہیں، اور ان کا خیال ہے اور کیسا غلط خیال ہے کہ اگر ہم ان جیسی بن گئیں تو ہم کامیاب ہوجائیں گی۔

ہائے ہائے، کیسی ناقص سوچ ہے، کیسا غلط خیال ہے، کیسی سڑی ہوئی فکر ہے۔
ارے میری ماؤں اور بہنوں، تمہاری کامیابی کلبوں میں ڈانس کرنے والی، بازاروں میں بے پردہ گھومنے والی اور عریاں ہوکر اپنی نسوانیت کی توہین کرنے والی عورتوں جیسا بننے میں نہیں ہے۔ تمہارا آئیڈیل فلمی اداکارائیں اور گلوکارایں نہیں ہیں، بلکہ تمہارا آئیڈیل تو حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہا السّلام ہیں۔ تمہارا آئیڈیل تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی والدہ ماجدہ ہیں۔ تمہارا آئیڈیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ ہیں۔ تمہارا آئیڈیل تو زینبؓ اور ام کلثومؓ کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہؓ ہیں تمہارا آئیڈیل حضرت علی کرم کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ ہیں۔

تمہارا آئیڈیل تو حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ ہیں۔ تمہارا آئیڈیل تو ہم سب کی روحانی ماں سیدہ عائشہ صدیقہؓ ہیں۔

ان کو آئیڈیل بناؤ اور ان کی سیرت اپناؤ پھر دیکھو کیسے گھر بدلتے ہیں، کیسے معاشرہ بدلتا ہے اور پھر کیسے پورا ملک بدلتا ہے۔ (ج ۵ ص ۳۲۵)

ذرائع ابلاغ کا غلط استعمال

افسوس صد افسوس کہ فحاشی اور عریانیت کے سیلاب کی تندی و تیزی میں سب سے اہم اور مؤثر رول ہمارے ذرائع ابلاغ کر رہے ہیں، ابلاغ کا معنی ہے ایک بات دوسرے تک پہنچانا، یہ جو آپ حضرات تقریر اور بیان کے آخر میں سنتے ہیں کہ خطیب صاحب کہتے ہیں۔ وما علینا الا البلاغ تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہماری ذمہ داری تو بس یہ تھی کہ ہم دین کی بات تم تک پہنچا دیں۔ خواہ تم اس پر عمل کرو یا نہ کرو، تو ذرائع ابلاغ کا معنی یہ ہوا، لوگوں تک بات پہنچانے کے ذرائع۔

ان ذرائع سے لوگوں تک اچھی بات بھی پہنچائی جاسکتی ہے اور بری بات تھی، ان ذرائع سے عوام کو اطاعت کا درس بھی دیا جاسکتا ہے اور بغاوت کا بھی ان ذرائع سے فحاشی و عریانیت کی تعلیم بھی دی جاسکتی ہے اور شرم وحیا کی بھی ان ذرائع سے ہم نوجوانوں کو محمد بن قاسم کی راہ پر بھی چلا سکتے ہیں اور چنگیز خان کی راہ پر بھی۔

ان ذرائع سے ہم معاشرے میں محبت کے پھول بھی بکھیر سکتے ہیں اور نفرت

کے کانٹے بھی۔

مگر افسوس یہ کہ آج کل ان ذرائع کا زیادہ تر غلط استعمال ہو رہا ہے اخبارات اور رسائل و جرائد نے عورت کے جسم کو، اس کے حسن کو، اس کے چہرے کو اور اس کی برہنگی کو اپنی تجارت کے بڑھانے کا ذریعہ بنالیا ہے، کتنے ہی رسالے ہیں جو صرف چٹ پٹی خبروں، ننگی تصویروں، اور فحش کہانیوں اور خبروں کے ذریعے چل رہے ہیں، دنیا کے کسی ملک میں بھی بے حیائی کا کوئی واقعہ رونما ہو، یا کسی فلمی اداکار یا اداکارہ کا کوئی اسکینڈل ہو، یا کسی کھلاڑی کا معاشقہ ہو، ہمارے اخبارات اور رسائل اسے مرچ مصالحہ لگا کر چھاپنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں شاید وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ اسکینڈل قوم کے علم میں نہ آیا تو قوم کتنی جاہل رہ جائے گی۔

ہالی وڈ میں کون کتنویں شادی کر رہا ہے، بمبئی میں کون کس پر مر رہا ہے۔ ہانگ کانگ میں کون کس کے لئے ٹھنڈی آہیں بھر رہا ہے، فلاں کی فلاں کے ساتھ شادی کے نتائج برآمد ہوں گے کتنے بچے پیدا ہوں گے، یہ شادی کامیاب ہوگی یا نہیں ہوگی، اس شادی کامیاب ہوگی یا نہیں ہوگی، اس شادی کے ملکی سیاست پر کیا اثرات مرتب ہوں گے، شادی سے پہلے وہ دونوں کتنی صبحیں اور کتنی شامیں اکٹھی گذار چکے ہیں، شادی سے قبل یہ جوڑا کتنے کامیاب اور ناکام معاشقے لڑا چکا ہے، شب عروسی دلہن کو چھینک آئی تھی یا نہیں آئی تھی۔ ان دونوں نے غسل کیسے کیا اور کہاں کیا۔ صابن اور تولیہ کون سا استعمال کیا۔ اس شادی کا رقیبوں اور عشاق کی پوری جماعت کی صحت پر کیا اثر پڑا ہے ان کے آئندہ کے عزام اور منصوبے کیا ہیں۔ یہ سب کچھ تصویروں کے ساتھ چھاپنا صحافی حضرات اپنی صحافیانہ ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

اشتہار بازی

عریانیت کو فروغ دینے میں اشتہار بازوں کا بھی کچھ کم حصہ نہیں ہے۔ دنیا کی کسی چیز کا اشتہار عورت کی تصویر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، ملبوسات میں عورت، مصنوعات میں عورت، عطریات میں عورت، زیورات میں عورت، کاسمیٹک میں عورت، حتیٰ کہ وہ چیزیں جو خاص مردوں کے استعمال کی ہیں ان میں بھی عورت ٹریکٹر کا اشتہار ہوگا مگر ساتھ عورت کی تصویر بھی ہوگی، موٹر سائیکل کا اشتہار ہوگا تو بھی عورت کی تصویر، دولت کے ان

پجاریوں نے قدرت کی ایک پاکیزہ تخلیق کو کھلونا بنا دیا ہے اور اس کے ایک ایک عضو کی نمائش کر کے دولت کمائی جارہی ہے، ماڈلنگ ایک نفع بخش کاروبار بن گیا ہے، جس میں بڑے گھرانوں کی نوجوان بیٹیاں اپنے جسم کی نمائش کا منہ مانگا معاوضہ وصولتی اور اس پر سر عام اتراتی پھرتی ہیں۔ (ج ۵ ص ۳۴۵)

پیغمبر ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ

محترم سامعین! جب معجزات کی بات ہوگی تو میں آپ ﷺ کے سب سے بڑے معجزے کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی، جو کل بھی معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے۔ دوسرے معجزات کو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر اسے ہم دیکھ سکتے ہیں، ہم نے شق قمر نہیں دیکھا، ہم نے درختوں کو سلام کرتے نہیں دیکھا، ہم نے ستون حنانہ کا گریہ نہیں سُنا، ہم نے کنکریوں کی تسبیح نہیں سنی، ہم نے انگلیوں سے چشمہ جاری ہوتے نہیں دیکھا، ہم نے گونگوں کو بولتے اور اندھوں کو بینا ہوتے نہیں دیکھا، اگر چہ ہم ان تمام معجزات کو تسلیم کرتے ہیں مگران کا ہم نے مشاہدہ نہیں کیا، مگر اس معجزے کا مطالعہ اور مشاہدہ ہم دن رات کرتے ہیں یہ معجزہ ہر ملک ہر شہر، ہر بستی بلکہ اکثر گھروں میں بھی موجود ہے۔

یہ معجزہ قرآن حکیم ہے اس معجزے کا مقابلہ عام لوگ تو کیا کریں گے حقیقت میں دوسرے انبیاء کے معجزات بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، نوحؑ کی کشتی، سلیمانؑ کا تخت، صالحؑ کی اونٹنی، موسیٰؑ کا عصا، عیسیٰؑ کا ید بیضا، مچھلی کے پیٹ میں یونسؑ کی زندگی، اور یوسفؑ کی قمیص ان میں سے کوئی چیز بھی قرآن کے مقابلے میں نہیں رکھی جاسکتی۔

قرآن حکیم اور ان معجزات میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ وہ معجزات عارضی اور فانی تھے، جبکہ قرآن دائمی اور ابدی معجزہ ہے۔

وجہ صاف ظاہر ہے وہ یہ کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے، نبوت کی صداقت کا شاہد ہوتا ہے اور دلیل اور شاہد کی صرف اس وقت تک ضرورت ہوتی ہے جب تک دعویٰ ہو، جب دعویٰ ہی باقی نہ رہے تو دلیل اور شاہد کی ضرورت باقی نہیں رہتی، سابقہ انبیاء نے یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ ہماری نبوت دائمی ہے، ان کی نبوتیں ایک مخصوص وقت کے لئے اور مخصوص قوموں کے لئے ہوتی تھیں اس لئے ان کے معجزات بھی عارضی اور وقتی تھے۔

لیکن سید الکونین ﷺ کی نبوت دائمی ہے اس وقت تک کے لئے ہے جب تک زندگی کا سوز و ساز باقی ہے۔

اس لئے آپ ﷺ کو معجزہ بھی ایسا عطا کیا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے، قرآن نے جیسے اپنے نزول کے زمانے کے انسانوں کو چیلنج کیا تھا کہ اگر تمہیں میری صداقت میں کوئی شک ہے تو کوئی مثل بنا کے دکھادو۔

اسی طرح آج دنیا کے شرق و غرب کے تمام انسانوں کو بھی اس کا چیلنج ہے کہ اگر تمہیں میرے کلام ربانی ہونے میں شک ہے تو لاؤ میری چھوٹی سی چھوٹی سورت کی مثل تیار کر کے۔

قرآن کا معجزہ ہونا حضور ﷺ کی نبوت کی ایک مستقل دلیل ہے اگر آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی نے آنا ہوتا تو آپ ﷺ کو ایسا معجزہ نہ دیا جاتا جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ بلکہ دوسرے انبیاء کی طرح آپ ﷺ کو بھی ایسا معجزہ دیا جاتا جو آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے ساتھ ہی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔

ایسا نہیں ہوا اس لئے نہیں ہوا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین تھے آپ ﷺ کی نبوت کو ہمیشہ رہنا تھا تو حضور ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ایسے لوگ آسکتے تھے جو آپ ﷺ کی نبوت اور صداقت کی نشانی مانگتے، جیسا کہ ہر نبی سے اس کے زمانے کے لوگ نشانیاں مانگتے رہے ہیں اس لئے آپ ﷺ کو نبوت کی ایک ایسی ابدی نشانی عطا کر دی گئی جو ان لوگوں کا منہ بند کر سکے۔

علمی معجزہ

قرآن اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے درمیان ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن علمی معجزہ ہے جبکہ وہ معجزات مادی تھے۔ اصل میں ان معجزات کے ظہور کا جو وقت تھا وہ انسان کے عہد طفولیت یا آغاز شباب کا وقت، سائنسی تحقیقات کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا اور قرآن جن زمانوں کے لئے نازل ہو رہا تھا، ان زمانوں میں علمی کشافات، سائنٹیفکٹ تحقیقات اور سائنسی ایجادات کا سلسلہ شروع ہونے والا تھا، قرآن کو مستقبل کے چیلنجوں کا سامنا تھا قرآن کو نازل کرنے والا اللہ جانتا تھا کہ انسان علمی اعتبار سے دور شباب میں قدم رکھنے والا ہے، وہ وقت آرہا ہے جب کائنات کا گوشہ گوشہ کھنگالا جائے گا،

ستاروں پر کمندیں ڈالی جائیں گی، شمس وقمر کی تسخیر کی کوشش کی جائے گی، معاشیات، نفسیات، سیاسیات اور اخلاقیات کے الگ الگ شعبے قائم ہوں گے اور ان پر ریسرچ ہوگی تو میرے آقا ﷺ کو ایسا معجزہ عطا کیا، جس میں ان سب علوم کے اصول موجود ہیں، اسی لئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

من اراد التعليم فعليه بالقرآن فان فيه خير الاولين والأخرين

جو شخص علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس پر قرآن کا دامن تھامنا لازم ہے کیونکہ قرآن میں پہلوں اور بعد والوں سب کا علم موجود ہے۔

اور ابن ابی الفضل المرسیؒ فرماتے ہیں

جمع القرآن علوم الاولين والأخريند بحيث لم يحط علما حقيقة الا المتكلم ثم رسول الله ﷺ

اس قرآن نے اول سے آخر تک ابتداء سے انتہاء تک تمام علوم کو اس طرح اپنے اندر جمع کرلیا ہے کہ حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ان علوم کا نہ آج تک کوئی احاطہ کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔ (ندائے منبر ومحراب ج۲ص۵۶تا۵۹)

توبہ کا دروازہ

جب تک انسان کو تندرستی اور فرصت حاصل رہتی ہے، وہ دھوکے میں پڑا رہتا ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ میں ہمیشہ تندرست رہوں گا اور مجھے ہمیشہ فرصت حاصل رہے گی، جو صحت اور فراغت اسے حاصل ہوتی ہے، اسے فضول کاموں میں ضائع کرتا رہتا ہے، اور شیطان اسے تسلی دیتا رہتا ہے، کہ ابھی بہت عمر پڑی ہے، بعد میں عبادت کر لینا، ابھی تو تم جوان ہو، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے، تم بھی دنیا کے کچھ مزے چکھ لو، بعد میں توبہ کر لینا اور اپنی اصلاح کر لینا لیکن پھر ایک وقت ایسا آتا ہے۔ جب وہ کسی موذی مرض میں مبتلا ہو کر عبادت کرنے کے قابل نہیں رہتا یا فرصت کے لمحات اس سے چھین لئے جاتے ہیں اور اسے توبہ اور اصلاح کی توفیق نہیں مل پاتی۔

نئی نسل کا ضیاع

انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے نقال ہے وہ جو کچھ کسی کو کرتے ہوئے دیکھتا ہے

اس کی نقل اُتارنے کی کوشش کرتا ہے، اس نے مچھلیوں کو تیرتے دیکھ کر تیرنا سیکھا۔ پرندوں کو اڑتے دیکھا تو اڑنے کی کوشش کی، خاص طور پر چھوٹے بچوں اور نوجوانوں میں نقالی کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ زبان میں، بول چال میں، لباس میں معاشرت میں جو کچھ وہ اپنے گردو پیش میں ہوتا دیکھتے ہیں، وہی کچھ اسی انداز میں کرنے کی خود کوشش کرتے ہیں۔

فلموں اور ڈراموں میں وہ مار دھاڑ دیکھتے ہیں تو وہ مار دھاڑ کرنے لگتے ہیں، اسلحہ کا بے تحاشا استعمال دیکھتے ہیں تو وہ بھی اسلحہ چلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

چوری چکاری کے منظر دیکھتے ہیں تو اپنی عملی زندگی میں اُن پر عمل کرتے ہیں، معاشقے کی داستانیں دیکھتے ہیں تو وہ بھی پینگیں بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

آپ گلی کوچوں میں دیکھیں گے کہ چھوٹے چھوٹے بچے ٹرٹر کی آوازیں نکالتے ہیں، فلمی ایکٹروں کی طرح جھوم جھوم کر چلتے ہیں اور رٹے رٹائے ڈائیلاگ بولتے ہیں، یہ سب کچھ انہوں نے کہاں سے سیکھا، کسی کنجر خانے میں؟ کسی ڈاکو اور بدمعاش سے؟ نہیں! ہرگز نہیں، معاف کیجئے گا، یہ سب کچھ انہوں نے اپنے ابا اور امی کے پہلو میں تفریح کے نام پر غلاظت بھرے پروگرام دیکھ کر سیکھا ہے۔ (ج ۵ ص ۲۵۳)

وہ مائیں جو فلموں، ڈراموں اور ناچ گانے کی عادی ہو جاتی ہیں، ان کے بچے ان کی توجہ سے اور ان کی محبت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ابھی میں نے آپ کے سامنے جس سروے رپورٹ کا ذکر کیا ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک جرمنی بچے کو اس کے ماں باپ چوبیس گھنٹے میں صرف آدھ گھنٹہ دیتے ہیں، جس میں کھانے کا وقت بھی شامل ہے جب کہ ایک ماں روزانہ اوسطاً آدھ گھنٹہ اپنے دوستوں سے فون پر گپ شپ کرتی ہے اور تقریباً پانچ گھنٹے ٹیلی ویژن، سینما، تھیٹر یا دوسرے تفریحی مشغلوں میں گذارتی ہے۔

اندازہ کیجئے کہ وہ ماں جو بیہودہ کاموں کو پانچ گھنٹے دے سکتی ہے، اپنے جگر کے ٹکڑوں کو بمشکل آدھ گھنٹہ دیتی ہے بلکہ ان خواتین کی اکثریت عیش وعشرت کی ایسی دلدادہ ہو گئی ہے کہ وہ بچوں کے جھنجھٹ میں پڑنا ہی نہیں چاہتی صرف جرمنی میں چھیاسی لاکھ جوڑے ایسے ہیں، جن کا کوئی بچہ نہیں، اس کی وجہ ان کی کوئی بیماری نہیں ہے بلکہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ بچوں کے چکر میں پڑنا ہی نہیں چاہتے، انہیں بچے ایک بوجھ اور ایک

وبال محسوس ہوتے ہیں، چنانچہ کئی سنگدل ماں باپ اپنے بچوں پر نا قابل بیان تشدد کرتے ہیں۔ بعض اوقات ماؤں کے علاوہ ان کے عاشق دوست یا دوسرے خاوند تشدد کرتے ہیں، تشدد کے ان واقعات میں چار سو سے چھ سو تک بچے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

ڈیوڈ بیٹسن نام کے ایک بچے کا واقعہ فرانسیسی پریس میں خوب مشہور ہوا ڈیوڈ پر اس کی ماں اور ماں کا دوسرا شوہر مل کر سات برس تک ہر طرح سے ظلم کرتے رہے۔ ان سات برسوں میں ایک پورا سال ایسا بھی تھا جس میں اسے دیوار میں بنی الماری میں مقید کر کے رکھا گیا اور وہ معصوم پورا سال روشنی کی کوئی کرن تک نہ دیکھ سکا۔

بات صرف جسمانی تشدد تک محدود نہیں رہی بلکہ جنسی تشدد کے واقعات بھی دل ہلا دینے والے ہیں، ایک طلاق یافتہ خاتون ڈاکٹر نے اپنے ایک سفارتکار دوست کے کہنے پر اپنی چار سالہ بچی کو حیوانی خواہش کی بھینٹ چڑھا دیا اور حد یہ کہ اس کی نظروں کے سامنے یہ سب کچھ ہوا۔

آپ سوچیں گے کہ ان واقعات کا فلموں اور ٹی وی سے کیا تعلق ہے، تو سن لیجئے کہ ماؤں کے دلوں کو شفقت سے محروم کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ اسی گرو کا ہے جسے آپ ٹی وی کہتے ہیں اور یہ بات صرف پاکستان کے مولوی ہی نہیں کہتے آپ کے مرشد یورپ والے بھی کہتے ہیں، جن کی زبان سے نکلی ہوئی گپ بھی ہمارے ہاں آسمانی وحی سے کم نہیں سمجھی جاتی۔ (ج ۵ ص ۲۵۶)

پاکیزہ ترین مذہب

اگر آپ صرف پاکیزگی کے اعتبار ہی سے اسلام کا موازنہ دوسرے مذاہب سے کریں تو یقیناً تسلیم کریں گے کہ اسلام دنیا کا پاکیزہ ترین مذہب ہے، دنیا میں ایسے مذاہب بھی ہیں، جن کی تعلیمات میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ جسم کے کسی بھی حصے سے بال نہ کاٹے جائیں، بتلائیے جب بال نہیں کاٹے جائیں گے تو صفائی کیسے حاصل ہو سکے گی۔ انگریز بڑے مہذب اور صفائی پسند کہلاتے ہیں، لیکن ان کے ہاں وضو اور غسل جنابت کا کوئی تصور نہیں۔

ظاہری طور پر تو وہ لیپا توپی کر لیتے، پرفیوم بھی چھڑک لیتے ہیں، لیکن ان کے ہاں جو کچھ صفائی ہے وہ دکھاوے کی صفائی ہے حقیقی صفائی نہیں، ہفتوں اور مہینوں نہ لباس بدلتے

ہیں نہ غسل کرتے ہیں، استنجاء پانی سے نہیں کیا جاتا، بلکہ ٹیشو پیپر سے کیا جاتا ہے، اس سے خاک صفائی ہوگی کتے ہر وقت ان کے ساتھ رہتے ہیں کھاتے بھی ساتھ ہیں اور سوتے بھی ساتھ ہیں۔ پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا کوئی اہتمام نہیں، کھڑے کھڑے پیشاب کر لیتے ہیں، اور بعض بد بخت تو پتلون میں ہی فارغ ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ ہم احساس کمتری کی وجہ سے ہر انگریز کو کوئی بالائی مخلوق سمجھ لیتے ہیں اور بعض دنی الفطرت لوگوں کو ان کی بد بو سے بھی خوشبو آتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی پاک صفا نمازی مسلمان کے لئے چند منٹ بھی کسی عام انگریز کیساتھ کھڑا ہونا مشکل ہے، منہ سے شراب کے بھبھوکے اور جسم سے غلاظت کی بد بو اٹھتی ہے تو طبیعت متلانے لگتی ہے، ہندو پنڈتوں اور جوگیوں کو دیکھ لیں، صفائی کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا بلکہ ان کی سوچ یہ ہے کہ مہینوں غسل نہ کرنے اور گندا رہنے سے بھگوان خوش ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ اس گئے گذرے دور میں بھی آپ کسی بھی سوسائٹی، کسی بھی معاشرہ اور کسی بھی مذہب والوں کے ساتھ مسلمانوں کا موزانہ کر کے دیکھ لیں۔ ان شاء اللہ آپ پاکیزگی اور صفائی میں مسلمانوں کو پیش پیش پائیں گے اگرچہ بعض مسلمان گندے رہتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام نے انہیں گندا رہنے کا حکم دیا ہے۔ (ج ۵ ص ۴۰۷)

قوالی کی خرابیاں

بعض لوگوں نے جو یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اولیاء کرام سماع کو جائز سمجھتے ہیں لہٰذا قوالی بھی جائز ہے تو یاد رکھیں کہ یہ لوگ عوام کو فریب دیتے ہیں، ان کا سماع اور چیز تھا ان کی قوالیاں اور چیز ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ سماع اُس وقت جائز ہوگا جب چار شرطیں پائی جائیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اشعار پڑھنے والا کامل مرد ہو، وہ نہ لڑکا ہو نہ عورت ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ سننے والے اللہ والے ہوں، مزے لینے والے نفس پرست نہ ہوں، تیسری شرط یہ ہے کہ جو مضمون پڑھا رہا ہے وہ فحش اور ناجائز نہ ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ موسیقی اور باجے نہ ہوں۔

آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا ہماری قوالیوں میں یہ چاروں شرطیں پائی جاتی ہیں؟

قوالی میں دوسری خرابی یہ ہے کہ عام طور پر قوال مبالغہ آمیز اشعار پڑھتے ہیں جن

کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بیہودہ اور بے سروپا باتیں کہتے ہیں خدا کو چیلنج دیتے ہیں، جنت دوزخ کا مذاق اڑانے سے باز نہیں آتے۔ اکثر قوال خود بے عمل بلکہ بدعمل ہوتے ہیں، اور لوگوں کو بھی بے عملی پر آمادہ کرتے ہیں۔

قوالی میں تیسری خرابی یہ ہے کہ قوالیوں کے سننے والوں کے دل سے آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت، قرآن کی محبت اور ذکر ودُعاء کی اہمیت ختم ہوجاتی ہے اور وہ نماز و روزے سے بھی محروم ہوجاتے ہیں۔

قوالی میں چوتھی خرابی یہ ہے کہ بعض لوگوں کو قوالی سن کر حال آجاتا ہے اور وہ دھمال ڈالتے ہیں اور تھرکنے ناچنے لگتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ان کو کسی اونچی دیوار پر بٹھادو پھر دیکھتے ہیں کہ ان کو حال آتا ہے یا نہیں آتا؟ ظاہر ہے کہ اب حال ذرا سنجیدہ قسم کا آئیگا کیونکہ ان کو پتہ ہے کہ بے ڈھنگا سا حال آگیا تو گر کر ہڈی پسلی ایک ہوجائے گی۔

ادھر یار لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ انہوں نے اس قسم کے قصے بنائے ہوئے ہیں کہ جناب ایک صاحب پر حال آگیا تو وہ ''حق ہو'' کہہ کر کنویں میں گر گئے وہاں انہوں نے دوبارہ ''حق ہو'' کہا تو ہائی جمپ کرتے ہوئے کنویں سے باہر آگئے۔

بعض دنیا دار قسم کے پیر بھی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو بہت حال آتا ہے حقیقت میں یہ حال نہیں بلکہ دنیا کمانے کا جال ہوتا ہے۔

دو عظیم سبق

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے آپ نے بہت اہم بات ارشاد فرمائی۔

جو لوگ حضرت رحمۃ اللہ سے واقف ہیں وہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ ان کی یہ قید و بند عام سیاسی لیڈروں کی قید نہ تھی، جنگ آزادی میں اس درویش کی ساری تحریکات صرف رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ کے لئے امت کی صلاح وفلاح کے گرد گھومتی تھی، مسافرت اور انتہائی بے کسی کے عالم میں گرفتاری کے وقت جملہ جو ان کی زبان مبارک پر آیا تھا، ان

کے عزم اور مقصد کا پتہ دیتا ہے۔فرمایا:

الحمدلہ بمصیبتے گرفتار نہ بمعصیتے جیل کی تنہائیوں میں ایک روز بہت مغموم دیکھ کر بعض رفقاء نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنا چاہے تو فرمایا: اس تکلیف کا کیا غم ہے جو ایک دن ختم ہو جانے والی ہے، غم اس کا ہے کہ یہ تکلیف و محنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہے یا نہیں

مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے، علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا، اس وقت فرمایا کہ

ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔ یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں؟ فرمایا کہ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں، تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لیکر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً او، معناً عام کیا جائے، بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کئے جائیں بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔

آپ اگر مسلمانوں کی پستی، تنزل اور ذلت کے اسباب پر غور فرمائیں گے تو آپ کو بڑے بڑے یہی دو اسباب نظر آئیں گے، امت آپس میں دست و گریبان ہے، ہر شخص الگ جماعت بنانے کی فکر میں ہے کئی جماعتیں ایسی ہیں کہ ان میں صدر اور سیکرٹری کے علاوہ آپ کو تیسرا شخص نہیں ملے گا، مگر نعرے ایسے انقلابی لگائے جاتے ہیں، گویا یہی ایک جمات ہے جو بگڑی ہوئی مت میں انقلاب برپا کر سکتی ہے۔کام سے زیادہ پروپیگنڈا اور تشہیر کی جاتی ہے۔

قرآن کو چھوڑ کر امت نے لینن مارکس، ماؤزرے تنگ اور نہ جانے کون کون سے لادین لیڈروں کی کتابوں کو اپنا لیا ہے۔اپنی معیشت، سیاست، حکومت، غرض یہ کہ ہر

چیز کے بارے میں انہی گمراہ کن کتابوں سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔

قرآن کو خوبصورت غلافوں میں لپیٹ کر طاقچوں کی زینت بنادیا گیا ہے۔قرآن کا مقصداب صرف یہ رہ گیا ہے، کہ کبھی کبھار برکت کے لئے پڑھ لیا جائے، یا کوئی مرجائے تو قرآن سے ایصال ثواب کردیا جائے، یا کبھی جھگڑا ہوجائے تو قرآن کی قسم اٹھالی جائے، تعویذات لکھ لکھ کر بیماریوں کے گلے میں ڈال دیئے جائیں۔

(ندائے منبرومحراب ج ص۱۹۰، ۱۹۱)

گستاخی جہالت کی علامت ہے

گستاخی واستہزاء کرنا جہالت کی بھی علامت ہے، موسیٰ علیہ السّلام نے جب قوم کو نصیحت کی اور فرمایا کہ فلاں مقتول زندہ ہوجائے گا اگر بقرہ (گائے) کو ذبح کر کے اس کا گوشت میت سے ملادیا جائے تو بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ **اتخذنا هزوا**، کیا آپ مذاق کرتے ہیں، اس بات میں کیا تعلق ہے کہ گوشت کو مردے سے ملادیا جائے۔موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا **اعوذ بالله ان اكون من الجهلين** میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں میں شامل ہوجاؤں، یعنی دل لگی، تمسخر جاہلوں کا کام ہے، عالموں کو مناسب نہیں کہ تمسخر کریں، اس لئے کہ یہ ادب کے خلاف ہے، تو ایک ہے رائے کا اختلاف، اور کسی عالم سے مسلک کا اختلاف اور ایک ہے بے ادبی، بے ادبی کسی حالت میں جائز نہیں، اختلاف جائز ہے۔

ہمارے اکابر کا معاندین سے سلوک

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیبؒ فرماتے ہیں میں نے مولانا تھانویؒ کو دیکھا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم سے بہت چیزوں میں اختلاف رکھتے ہیں، قیام، عرس، میلادوغیرہ مسائل میں اختلاف رہا، مگر جب مجلس میں ذکر آیا تو فرماتے، مولانا احمد رضاخان صاحب۔

ایک دفعہ مجلس میں بیٹھنے والے ایک شخص نے کہیں بغیر مولانا کے احمد رضا کہدیا حضرت نے ڈانٹا اور خفا ہوکر فرمایا کہ عالم تو ہیں، اگرچہ اختلاف رائے ہے، تم منصب کی بے احترامی کرتے ہو، کس طرح جائز ہے، رائے کا اختلاف اور چیز ہے۔یہ الگ بات ہے کہ ہم ان کو خطا پر سمجھتے ہیں اور صحیح نہیں سمجھتے، مگران کی توہین اور بے ادبی کرنے کا کیا مطلب ہے؟

مولانا تھانویؒ نے مولانا نہ کہنے پر بُرا مانا حالانکہ مولانا تھانویؒ کے مقابل جو مولانا تھے وہ انتہائی گستاخی کیا کرتے تھے مگر مولانا تھانویؒ اہل علم میں سے تھے وہ تو نام بھی کسی کا آیا، تو ادب ضروری سمجھتے تھے، چاہے بالکل معاند ہی کیوں نہ ہو، مگر ادب کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہئے۔

میں نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا واقعہ سنا کر دہلی کا قیام تھا حضرت کے خدام میں سے چند مخصوص تلامذہ ساتھ تھے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ دوسرے شاگرد مولانا احمد حسن امروہیؒ، حاجی امیر شاہ خاں صاحبؒ مرحوم، یہ بھی وہاں موجود تھے، مولانا احمد حسن صابؒ نے اپنے ہجولیوں میں بیٹھ کر فرمایا کہ ''بھئی'' لال کنویں کی مسجد کے جو امام ہیں ان کی قرأت بہت اچھی ہے کل صبح کی نماز ان کے پیچھے پڑھ لیں۔ تو شیخ الہندؒ نے غصے میں آکر فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی، بے غیرت، وہ ہمارے حضرت کی تکفیر کرتا ہے، ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے، اور بڑا سخت لہجہ اختیار کیا۔ یہ جملے حضرت نانوتویؒ کے کان میں پہنچے اگلے دن حضرت نانوتوی ان سب شاگردوں کو لے کر اسی مسجد میں صبح کی نماز پڑھنے کی خاطر پہنچے، اس امام کے پیچھے جا کر نماز پڑھی، سلام پھیرا، چونکہ یہ اجنبی تھے، نمازیوں نے دیکھا کہ ہیں تو علماء صورت، تو پوچھا کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ مولانا محمد قاسم ہیں اور وہ ان کے شاگرد شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ محدث امردھوی ان کے تلمیذ ہیں۔ امام کو سخت حیرت ہوئی کہ میں رات دن انہیں کافر کہتا ہوں اور یہ نماز کے لئے میرے پیچھے آگئے، امام نے خود بڑھ کر مصافحہ کیا اور کہا حضرت میں آپ کی تکفیر کرتا تھا، میں آج شرمندہ ہوں، آپ نے میرے پیچھے نماز پڑھی، حالانکہ میں آپ کو کافر کہتا رہا۔ حضرت نے فرمایا کوئی بات نہیں، میرے دل میں آپ کے اس جذبے کی قدر ہے اور زیادہ عزت دل میں بڑھ گئی ہے۔ کیوں؟ اس واسطے کہ آپ کو جو روایت پہنچی کہ میں توہین رسول کرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ کی توہین تو آپ کی غیرت ایمانی کا یہی تقاضا تھا۔ ہاں البتہ شکایت اس کی ہے کہ روایت کی تحقیق کرنی چاہئے تھی۔ مگر بہر حال تکفیر کی بنیاد توہین رسول ہے، اور توہین رسول جو مسلمان کریگا تکفیر واجب ہوگی، دائرہ اسلام سے خارج ہوگا، تو فرمایا کہ میرے دل میں آپ کی غیرت ایمانی کی قدر ہے، ہاں شکایت اس لئے ہے کہ ایک بار تحقیق کر لیتے کہ خبر صحیح ہے یا غلط۔ تو میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ یہ خبر غلط ہے اور میں خود اس شخص کو دائرہ اسلام

سے خارج سمجھتا ہوں جو ادنیٰ درجہ میں بھی نبی کی توہین کرے۔ اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ کے ہاتھ پر بھی اسلام قبول کرتا ہوں **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ** اب امام بیچارہ قدموں پر گر پڑا، بچھا جاتا ہے۔

تو بات صرف یہ تھی کہ ان حضرات کے دلوں میں تواضع للہ اور ادب مع اللہ اس درجہ رچا ہوا تھا کہ نفسانیت کا شائبہ نہ رہا تھا۔ استہزاء اور تمسخر تو بجائے خود ہے، اپنے معاندوں کی بھی بے قدری نہیں کرتے تھے بلکہ صحیح محمل پر اُتار کر یہ کہتے ہیں کہ جو ہمیں کافر کہتے ہیں، یہ ان کی قوت ایمانی کی دلیل ہے، البتہ یہ تحقیق کر لینی چاہئے کہ واقعہ میں ہم توہین رسول کرتے ہیں؟ ہم معاذ اللہ دشمنان رسول ہیں یا دوستان رسول ہیں؟ اس کی تحقیق ان کو واجب تھی، بلا تحقیق حکم نہیں لگانا چاہئے، تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ادب اور تأدب دین کی بنیاد ہے جس کو عارف رومیؒ نے کہا ہے:

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

(ندائے منبر و محراب ج ص ۱۷۹ تا ۱۸۱)

مولویت

یہ دنیا تضادات کا مجموعہ ہے۔ یہاں بلندی ہے تو پستی بھی ہے، سیاہ ہے تو سفید بھی ہے، گرمی ہے تو سردی بھی ہے، بہار ہے تو خزاں بھی ہے، پھول ہیں تو کانٹے بھی ہیں، دن ہے تو رات بھی ہے، سنگ ہے تو موم بھی ہے، صدق ہے تو کذب بھی ہے، مومن ہیں تو کافر بھی ہیں، صالح ہیں تو فاسق بھی ہیں، جاہل ہیں تو عالم بھی ہیں، داعی الی الخیر ہیں تو داعی الی الشر بھی ہیں۔

ان اضداد کی حکمت اور فلسفہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایک ضد کی پہچان اور قدر و قیمت اسی وقت ہوتی ہے جب اسکی دوسری ضد موجود ہو جیسے عربی کا محاورہ ہے کہ ''تعرف الاشیاء باضدادھا'' اشیاء کو ان کی ضد سے پہچانا جاتا ہے۔

اگر دنیا میں غریبی کا وجود نہ ہو تو امارت کی قدر نہ ہوتی، اگر بھوک کا نام ونشان نہ ہوتا تو شکم سیری کی قدر کون کرتا، اگر خزاں نہ ہوتی تو پھولوں کی توقیر کیسے ہوتی، اگر بیماری نہ ہوتی تو صحت کی قیمت کون جانتا، اگر موت نہ ہوتی تو زندگی کی حفاظت کون کرتا، اگر جہالت نہ ہوتی تو حصول علم کیلئے انسان مشقت کیوں اٹھاتا۔

پس جب زمین کی پشت جاہلوں سے خالی نہیں تو ضروری ہے کہ علماء بھی موجود ہوں۔ جب دنیا میں جلالت وگمراہی کی طرف بلانے والے موجود ہیں تو ضروری ہے کہ حق و صداقت کی دعوت دینے والے بھی ہوں۔

جب وسوسے ڈالنے والے اور شکوک وشبہات پیدا کرنے والے بہت ہیں تو ضروری ہے کہ شکوک وشبہات کے کانٹے نکال کر دلوں میں ایمان ویقین پیدا کرنے والے بھی ہوں۔

جب فرعون اور قارون کے وارثوں سے دنیا خالی نہیں تو ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے وارثوں سے بھی زم جہاں خالی نہ ہو بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ دنیا میں کسی چیز کا وجود اتنا ضروری نہیں جتنا کہ علماء حق کا وجود ضروری ہے۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لئے بھی علماء کا وجود ضروری ہے اور دنیا کی بقاء کیلئے بھی علماء کا وجود ضروری ہے۔

آپ ایک لمحے کیلئے سوچیں کہ اگر علماء حق نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔ اس میں شک کہ اللہ تعالیٰ کا دین کسی کا محتاج نہیں لیکن یہ عالم اسباب ہے یہاں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہے، ہر معلول کی علت ہے، ہر اثر کا کوئی مؤثر ہے۔ تو اس عالم اسباب کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ:

اگر علماء نہ ہوتے تو نبی کے ورثاء اور خلفاء نہ ہوتے، اگر علماء نہ ہوتے تو اولیاء اور اتقیاء نہ ہوتے، اگر علماء نہ ہوتے تو قرآن وسنت کے تراجم وتفاسیریں نہ ہوتیں، اگر علماء نہ ہوتے تو عوام عقائد وعبادات اور حلال وحرام کے مسائل سے غافل رہتے، اگر علماء نہ ہوتے تو ملحدوں اور بدعتیوں کو دین میں تحریف سے روکنے والا کوئی نہ ہوتا، اگر علماء نہ ہوتے تو خود سر شاہوں کو شریعت میں ہیر پھیر سے روکنے والا کوئی نہ ہوتا، اگر علماء نہ ہوتے تو اکبر جیسے سر پھروں کو دین اکبری کے ایجاد کرنے سے کون روکتا۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کوئی فتنہ رونما ہوا، جب کبھی اسلام میں تحریک کرنے کی کوشش کی گئی، علماء حق نے اس کی سرکوبی کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی، وہ بھوکے پیاسے تو رہے، انہوں نے طعنے اور گالیاں سنیں، انہیں جیل کا کال کوٹھڑیوں میں بھی جانا پڑا، انہوں نے اپنی پیٹھ پر کوڑوں کی ضربات بھی سہہ لیں، وہ مرحلہ دار و رسن سے بھی گذرے، انہوں نے اپنے اعضاء اور گردن کو کٹوانا بھی منظور کرلیا لیکن:

انہوں نے کسی ملحد اور بے دین کو کسی جابر اور ظالم حکمران کو شریعت کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ حکم میں بھی تحریف کی اجازت نہ دی۔

معزز حاضرین!

اسی متحدہ ہندوستان میں جب انگریزوں نے عیسائی مشنریوں کا جال بچھا دیا اور اسلامی عقائد کو بگاڑنے اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی ناپاک کوشش کی تو ان کا مقابلہ کرنے والے بھی یہی علماء کرام ہی تھے۔ اگر یقین نہیں آتا تو جائیے۔

مالٹا کے در و دیوار سے پوچھیئے شیخ محمود الحسن کون تھا، کراچی اور انڈیا کی جیلوں سے پوچھیئے سید حسین احمد مدنی کون تھا، جزیرہ انڈمان اور کالے پانی سے پوچھیئے جعفر تھا نیسری کون تھے، بالاکوٹ کے سنگریزوں سے پوچھیئے سید احمد شہید اور اسماعیل شہید کون تھے میانوالی اور سکھر کی جیلوں سے پوچھیئے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کونا تھا، ان درختوں اور پھانسی گھروں سے پوچھیئے جہاں حق بولنے والے پاکیزہ انسانوں کی نعشیں لٹکتی رہیں کہ وہ عظیم انسان کون تھے جنہوں نے دین کی حفاظت کیلئے اپنا سب کچھ قربان کردیا۔

خوشا آبلہ پا کاروانِ اہل جنون
لٹا گیا جو بہاروں پہ اپنی سرخیِ خون

کیا یہ ڈوب مرنے کی بات نہیں ہے کہ جن علماء حق کا صدقہ ہمیں دین ملا، جن کی قربانیوں کا صدقہ ہمیں کتاب اللہ ملی، جن کی جانفشانیوں سے ہمیں سنت رسول ملی، جن کی جہد و سعی سے مسجدیں آباد ہیں، جن کی کوششوں اور کاوشوں سے مدارس سے قال اللہ وقال الرسول کی آوازیں آرہی ہیں۔

آج! انہیں علماء حق کو مطعون کیا جائے؟ ان پر سب و شتم کیا جائے؟ انکی ذات کو ہدف تنقید بنایا جائے؟ ان علماء کا یہ احسان عظیم کیا کم ہے کہ وہ آج کے گئے گذرے دور میں

بھی جبکہ دین کا کوئی قدر شناس نہیں اور اہل علم کی قدر و منزلت نہیں وہ پھر بھی دین کی شمع کو روشن کئے ہوئے ہیں۔اور مدارس کو آباد کئے ہوئے ہیں۔

میں مانتا ہوں کہ بعض علماء سوء بھی ہیں جو علم کے نام پر دھبہ ہیں، جن کا کام سوائے ضمیر فروشی کے کچھ نہیں، جو کتمان حق بلکہ تحریف حق سے بھی باز نہیں آتے، جن کی زندگی ہر حکمران کی کاسہ لیسی میں گذر جاتی ہے، جو چند ٹکوں کے عوض نقد ایمان کا سودا کر لیتے ہیں، جو کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں، افسوس صد افسوس کہ آج کل بعض ایسے ہی نام نہاد مولویوں کی غلط حرکتوں کی وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ: مولویت ایک پیشے کا نام ہے، مولویت لوگوں کے ٹکڑوں پہ پلنے کا نام ہے، مولویت تیجے، دسویں اور چالیسویں کھانے کا نام ہے مولویت ساتے اور جمعراتے کا نام ہے، مولویت قبروں کی مجاوری اور نذرانوں کے کاروبار کا نام ہے، مولویت مالداروں کی چاکری کا نام ہے، مگر! میں علماء حق کے تاریخی کردار کی بناء پر ڈنکے کی چھوٹ کہتا ہوں کہ: مولویت نبی کی وراثت کا نام ہے، مولویت صحابہ کی خلافت کا نام ہے، مولویت پیام نبوت کا نام ہے مولویت خدا کے دین کی خلافت کا نام ہے، مولویت صداقت و حقانیت کا نام ہے، مولویت ناموس رسالت اور ناموس صحابہ کی حفاظت کا نام ہے، مولویت سعید بن جبیر کی عزیمت کا نام ہے، مولویت ابوحنیفہ کی فقاہت کا نام ہے، مولویت امام مالک کی حق گوئی کا نام ہے، مولویت احمد بن حنبل کی استقامت کا نام ہے، مولویت امام ابن تیمیہ کی جرأت کا نام ہے، مولویت مجدد الف ثانی کی جہد مسلسل کا نام ہے، مولویت شاہ ولی اللہ کی بصیرت کا نام ہے، مولویت سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید کی شہادت کا نام ہے، مولویت قاسم نانوتوی کے علم و حکمت کا نام ہے، مولویت شیخ الہند کی غیرت کا نام ہے، مولویت مولانا محمد الیاس کی دعوت و تبلیغ کا نام ہے، مولویت عبید اللہ سندھی کی تڑپ کا نام ہے، مولویت حسین احمد مدنی کی عظمت اور شوق شہادت کا نام ہے، ہمارا روحانی رشتہ انہی بزرگوں سے ہے۔

ہم جب تک ان بزرگوں کا نام لیتے رہیں گے باطل کو للکارتے رہیں گے اور جب حق بات کہنے کی توفیق نہ رہی تو ان بزرگوں کا نام لینا بھی چھوڑ دیں گے تاکہ یہ بزرگ بدنام نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات کہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (پچاس تقریریں ج۱)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

علماء حق کی عظمت

کیا یہ ڈوب مرنے کی بات نہیں ہے کہ جن علماء حق کا صدقہ ہمیں دین ملا جن کی قربانیوں کا صدقہ ہمیں کتاب اللہ ملی، جن کی جانفشانیوں سے ہمیں سنت رسول اللہ ﷺ جن کی جهد و سعی سے مسجدیں آباد ہیں، جن کی کوششوں سے اور کاوشوں سے مدارس سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں آرہی ہیں۔

آج! انہیں علماء حق کو مطعون کیا جائے؟ اُن کو سب وشتم کیا جائے؟ اُن کی ذات کو ہدف تنقید بنایا جائے؟

ان علماء کا یہ احسان عظیم کیا کم ہے کہ وہ آج کے گئے گذرے دور میں بھی جبکہ دین کا کوئی قدر شناس نہیں اور اہل علم کی قدر ومنزلت نہیں وہ پھر بھی دین کی شمع کو روشن کئے ہوئے ہیں اور مدارس کو آباد کئے ہوئے ہیں۔

میں مانتا ہوں کہ بعض علماء سوء بھی ہیں جو علم کے نام پر دھبہ ہیں، جن کا کام سوائے ضمیر فروشی کے کچھ نہیں، جو کتمان حق بلکہ تحریف حق سے بھی باز نہیں آتے، جن کی زندگی ہر حکمراں کی کاسہ لیسی میں گزر جاتی ہے، جو چند ٹکوں کے عوض نقد ایمان کا سودا کر لیتے ہیں، جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔

میں صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ایسے ضمیر فروشوں کو اللہ تعالیٰ نے اس گدھے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو مگر وہ اس سے بے خبر ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

مثل الذین حملوا التورة ثم لم یحملوها کمثل الحمار یحمل اسفارا، بئس مثل القوم الذین کذبوا بایت اللہ، واللہ لا یھدی القوم الظلمین. (سورہ جمعہ پ۲۸ ع۱۱)

جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اُس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادی ہوئے ہے، ان لوگوں کی بُری حالت ہے، جنہوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا، اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

لیکن آپ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ اس قسم کے چندے بے عملوں کی وجہ سے اُن بے شمار علماء حق سے نفرت کرنے لگنا کہاں کا انصاف ہے، جن کی زندگیاں اسلام کی چلتی پھرتی تصویر ہیں۔

جن کی راتیں عبادت میں گذرتی تھیں اور دن تبلیغ و دعوت میں، جن کا اوڑھنا بچھونا قال اللہ وقال الرسول ہے جن کی نظروں میں سیم وزر کی حیثیت سنگریزوں سے زیادہ نہیں جو کسی ظالم و جابر کے سامنے حق بات کہنے سے باز نہیں آتے، جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔

میں اس موقع پر مناسب خیال کرتا ہوں کہ آپ کو علماء حق کی نشانیاں بھی بتا دوں تا کہ آپ کو علماء دنیا و علماء آخرت کے پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہو۔

علمائے حق کی علامات

امام غزالیؒ نے علماء حق یا علماء آخرت کی بارہ علامتیں لکھی ہیں:

پہلی علامت یہ ہے کہ اپنے علم سے دنیا نہ کماتا ہو۔ عالم کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقارت اور اس کے جلد ختم ہو جانے کا اس کو احساس ہو اور آخرت کی عظمت اور اس کے ہمیشہ رہنے کا اس کو خیال ہو۔

دوسری علامت یہ ہے کہ اس کے قول و فعل میں تعارض نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ دوسروں کو خیر کا حکم کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتب افلا تعقلون. (سورۃ البقرۃ پ ۱ ع ۵)

کیا غضب ہے کہتے وہ اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

تیسری علامت یہ ہے کہ ایسے علوم میں مشغول ہو جو آخرت میں کام آنے والے ہوں اور نیک کاموں میں رغبت پیدا کرنے والے ہوں، ایسے علوم سے احتراز کرے جن کا آخرت میں کوئی نفع نہیں۔

چوتھی علامت یہ ہے کہ کھانے پینے اور لباس کی نزاکتوں اور عمدگیوں کی طرف متوجہ نہ رہے بلکہ ان چیزوں میں میانہ روی اختیار کرے اور بزرگوں کے طرز کو اپنائے۔

پانچویں علامت یہ ہے کہ بادشاہوں اور حکام سے دور رہے، حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو فتنوں کی جگہ کھڑے ہونے سے بچاؤ، پوچھا گیا کہ فتنوں کی جگہ کونسی ہے؟ فرمایا امراء کے دروازے کہ ان کے پاس جا کر ان کی غلط کاریوں کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدترین علماء وہ ہیں جو حکام کے دربار میں حاضر ہوں اور بہترین حاکم وہ ہیں جو علماء کے دروازے پر حاضری دیں، اسی لئے تو کہا گیا ہے:

نعم الامیر علی باب الفقیر و بئس الفقیر علی باب الامیر

چھٹی علامت یہ ہے کہ فتویٰ صادر کرنے میں جلدی نہ کرے، مسئلہ بتانے میں بہت احتیاط کرے، اگر کوئی دوسرا اہل ہو تو اس کے حوالے کرنے کی کوشش کرے، بعض علماء نے کہا ہے کہ صحابہ کرام چار چیزوں سے بہت احتراز کرتے تھے۔ (۱) امامت کرنے سے (۲) وصی بننے سے (۳) امانت رکھنے سے (۴) فتویٰ دینے سے اور ان کا خصوصی مشغلہ پانچ چیزیں تھیں (۱) قرآن پاک کی تلاوت (۲) مساجد آباد کرنا (۳) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا (۴) اچھی باتوں کی نصیحت کرنا (۵) بُری باتوں سے روکنا۔

ساتویں علامت: یہ ہے کہ اس کو باطنی علم یعنی سلوک کا بہت زیادہ اہتمام ہو، اپنی اصلاح باطن اور اصلاح قلب میں بہت زیادہ کوشش کرتا ہو۔

آٹھویں علامت: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا ایمان اور یقین بہت بڑھا ہوا ہو کیونکہ یقین ہی تو اصل رائس المال ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ یقین ہی پورا ایمان ہے۔

نویں علامت: یہ ہے کہ اس کی ہر حرکت وسکون سے اللہ تعالیٰ کا خوف ٹپکتا ہو، اس کی عظمت وہیبت کا اثر اس شخص کی ہر ادا سے ظاہر ہوتا ہو۔

دسویں علامت: یہ ہے کہ وہ اُن مسائل کا بہت زیادہ اہتمام کرتا ہو جو اعمال سے اور جائز ناجائز سے تعلق رکھتے ہیں۔

گیارہویں علامت: یہ ہے کہ اپنے علوم میں بصیرت کے ساتھ نظر کرنے والا ہو، محض لوگوں کی تقلید میں اُن کا قائل نہ ہو۔

بارہویں علامت: یہ ہے کہ بدعات سے بہت زیادہ شدت اور اہتمام کے ساتھ بچتا ہو، رسموں اور دنیا کی پیروی نہ کرتا ہو۔ حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ دو شخص بدعتی ہیں ایک وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ دین تو بس وہی ہے جو اس نے سمجھا ہے اور دوسرا وہ شخص جو دنیا کی پرستش کرتا ہے اور اس کا طالب ہے۔

یہ ہیں علماء حق کی بارہ علامتیں اور انہی علامتوں میں غور کرنے سے علماء سوء کی نشانیاں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ (ندائے منبر و محراب ج ص ۱۳۴ تا ۱۳۷)

جامعیت قرآن

الحمدلله وحده ...... اما بعد مافرطنا فی الکتاب من شئی

صدق الله العظيم

مہمانانِ گرامی! دنیا میں مختلف قسم کی کتابیں پائی جاتی ہیں لیکن یہ کتابیں کسی ایک علم یا فن پر لکھی جاتی ہیں کوئی کتاب مذہب کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں معاشیات کا کوئی ذکر نہیں ہوتا، کوئی کتاب معاشیات کے بارنے میں ہوتی ہے لیکن اس میں نفسیات کا تذکرہ نہیں ہوتا کوئی کتاب نفسیات کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں اخلاقیات کی طرف اشارہ تک نہیں ہوتا کوئی کتاب اخلاقیات کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں علم فلکیات نہیں ہوتا کوئی کتاب فلکیات کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں علم ارضیات نہیں ہوتا کوئی کتاب ارضیات کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں علم کیمیا نہیں ہوتا کوئی کتاب

کیمیا کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں سیاست کا ذکر نہیں ہوتا کوئی کتاب سیاست کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں عبادات کا ذکر نہیں ہوتا۔ کوئی کتاب عبادات کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں تاریخ کا بیان نہیں ہوتا کوئی کتاب تاریخ کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں انسان کے مبداء اور معاد سے بحث نہیں ہوتی پھر ان کتابوں میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ شک وشبہ سے پاک نہیں ہوتا بارہا ایسا ہوا کہ ایک محقق نے ایک مصنف نے ایک مورخ نے بڑے دھڑلے سے دنیا کے سامنے ایک نظریہ پیش کیا لیکن کچھ ہی عرصہ گزرنے کے بعد دوسرے اہل علم نے اس نظریہ کو غلط ثابت کر دیا۔

لیکن آیئے میں آپ کا تعارف ایک ایسی کتاب سے کراؤں جس کا ہر لفظ محفوظ ہے جس کی ہر بات پکی ہے جس کا پیش کردہ ہر نظریہ شک وشبہ سے بالاتر ہے جس کی ہر پیشنگوئی یقینی ہے جس کی بات کو کوئی مائی کا لعل جھوٹا ثابت نہیں کر سکا، جس کا مشرق ومغرب کو چیلنج ہے کہ آؤ میری کسی خبر کو کسی پیشنگوئی کو جھوٹا ثابت کر کے دکھاؤ لیکن کسی عربی اور عجمی کو، کسی افریقی اور ایشیائی کو، کسی امریکی اور روسی کو اس چیلنج کو قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی پھر یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہر مفید علم کی اصل اور بنیاد پائی جاتی ہے۔

اس کتاب میں تاریخ بھی ہے قصص بھی ہیں علم وعظ وخطابت بھی ہے علم میراث بھی ہے علم مواقیت بھی ہے علم معانی بھی ہے علم بیان اور علم بدیع بھی ہے، نحو وصرف بھی ہے قراۃ اور تجوید بھی ہے علم اصول اور کلام بھی ہے۔

تلاش کرنے والوں نے اس کتاب میں سائنس اور طب، کیمیا اور نجوم کے اصول تلاش کیے ہیں، تحقیق کرنے والوں نے اس کتاب سے فلکیات وارضیات کے علوم اخذ کیے ہیں، غور وفکر کرنے والوں نے اس کتاب سے علم ہیئت، ہندسہ اور جبر ومقابلہ اور مناظرہ کے قواعد حاصل کیے ہیں۔

حقیقت میں قرآن نے ہر ایسے علم وفن کی نشاندہی کی ہے جس پر انسانی زندگی کا انحصار ہو سکتا ہے اور اس کتاب میں تمام آسمانی کتابوں کے علوم ومعارف جمع کر دیئے گئے ہیں۔ داماد رسول ﷺ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں جن میں کائنات کے تمام علوم ومعارف بیان کر دیئے پھر ان تمام علوم کو تورات، زبور، انجیل اور

قرآن میں جمع کر دیا پھر تورات زبور اور انجیل کے علوم و معارف کو قرآن کریم میں جمع فرما دیا۔

اس لیے یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ قرآن کریم دنیا کی جامع ترین کتاب ہے کسی آسمانی اور غیر آسمانی کتاب میں اتنی صحت کے ساتھ اتنی قطعیت کے ساتھ اتنے یقین کے ساتھ اتنے علوم و معارف بیان نہیں کیے گئے جتنے قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں۔ انسانوں کا مرتب کردہ کوئی بڑے سے بڑا انسائیکلو پیڈیا بھی جامعیت اور قطعیت میں قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتا بلکہ کوئی بھی انسانی تصنیف قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتی بلکہ کسی بھی انسانی تصنیف کو قرآن کے مقابلہ میں لایا ہی نہیں جا سکتا اس لئے کہ قرآن آفاقی ہے، یہ کتابیں زمان و مکان میں مقید اور محدود ہیں، قرآن کائناتی ہے یہ کتابیں ارضیاتی ہیں، قرآن ابدی اور سرمدی ہے یہ عارضی اور فانی ہیں، قرآن کلی ہے یہ جزئی ہیں، قرآن حتمی ہے یہ قابل تغیر ہیں، قرآن قطعی ہے یہ مشکوک ہیں، قرآن رب الناس کی تالیف ہے یہ عوام الناس کی تصنیف ہیں، قرآن اس علام الغیوب کا کلام ہے جس کی نظر ماضی حال اور مستقبل پر یکساں ہے اس لئے قرآن میں ہر زمانے کے لیے ہدایات ہیں ہر زمانے کے علوم وفنون کی بنیادیں ہیں۔ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس سے قرآن نے بحث نہ کی ہو خواہ وہ مذہبی اور روحانی پہلو ہو یا مادی اور جسمانی پہلو ہو، خواہ وہ عائلی اور خاندانی پہلو ہو خواہ سماجی اور معاشرتی پہلو ہو، خواہ وہ سیاسی اور معاشی پہلو ہو یا تعلیمی اور ثقافتی پہلو ہو خواہ وہ حکومت و سلطنت کا پہلو ہو یا جنگ اور امن کا پہلو ہو ہر پہلو سے قرآن بحث کرتا ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ قرآن میں ایک ہزار آیتیں امر کی ہیں ایک ہزار آیتیں نہی کی ہیں، ایک ہزار آیتیں وعدہ کی ہیں ایک ہزار آیتیں وعید کی ہیں، ایک ہزار آیتیں امثال کی ہیں ایک ہزار آیتیں قصص کی ہیں، دو سو پچاس آیتیں تحلیل کی ہیں دو سو پچاس آیتیں تحریم کی ہیں، ایک سو آیتیں تسبیح کی ہیں اور چھیاسٹھ آیتیں متفرق مضامین کی ہیں۔

قاضی ابو بکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''قانون التاویل'' میں لکھا ہے کہ قرآن کے کلمات کی تعداد ستتر ہزار چار سو پچاس ہے اور ہر کلمہ کسی نہ کسی مستقل علم اور فن کی بنیاد ہے گویا وہ علم جو قرآن سے حاصل ہوتے ہیں ان کی تعداد ستر ہزار چار سو پچاس ہے بلکہ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ قرآنی علوم کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور اکرم ﷺ کی حدیث بیان کی ہے آپ نے فرمایا ''قرآن کے ہر حرف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے پھر ہر ظاہر اور ہر باطن کے لیے ایک حد آغاز ہے اور ایک حد اختتام ہے'' تو گویا قرآن کے ہر حرف کے چار پہلو ہیں تو جب ہم ستتر ہزار چار سو پچاس کو چار سے ضرب دیں گے تو قرآنی علوم کی تعداد کم از کم تین لاکھ نو ہزار آٹھ سو ہو جائے گی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کائنات میں کوئی خشک اور تر چیز ایسی نہیں جس کا بیان اس کتاب مقدس میں موجود نہ ہو یہ الگ بات ہے کہ ہماری آنکھوں پر جہالت کا پردہ ہونے کی وجہ سے ہمیں یہ علوم دکھائی نہ دیں لیکن جو لوگ گناہوں کو یکسر چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے سینوں کو معرفت کے نور سے چمکا لیتے ہیں جن لوگوں کو نور بصیرت حاصل ہو جاتا ہے انہیں ایک ایک لفظ میں معانی کا دریا موجزن دکھائی دیتا ہے۔

میرے دوستو! ہمارے لیے یہ انتہائی شرم کی بات ہے کہ ہمارے پاس ایسی جامع ترین کتاب موجود ہے لیکن ہم اپنی معاشی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی اصلاح کے لیے غیروں کی طرف دیکھ رہے ہیں وہ لوگ کتنے احمق ہیں جو اپنی پیاس بجھانے کے لیے صاف شفاف چشمے کو چھور کر گندے تالاب کی طرف لپکیں اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے حلال اور پاک کھانے کو چھوڑ کر مردار کی طرف دوڑیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس عظیم ترین اور جامع ترین کتاب کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

سورۃ البقرہ، سورۃ الانبیاء اور سورۃ الاحزاب
کے اہم مضامین کا خلاصہ

از مفسر قرآن مولانا محمد اسلم شیخو پوری شہیدؒ

سورۃ البقرہ میں تذکرۂ یہود

یوں تو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے۔ لیکن ان کے بارے میں سب سے زیادہ تفصیلی بحث سورہ بقرہ کرتی ہے۔ پہلا پارہ تقریباً پورا ہی ان کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

انعاماتِ خداوندی

اس تذکرہ میں سب سے پہلے تو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بے شمار ظاہری اور باطنی، دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا فرمائیں۔ مثلاً

۱۔ ان کے اندر کثرت سے انبیاء علیہم السلام پیدا فرمائے۔

۲۔ انہیں دنیاوی خوشحالی عطاء کی۔

۳۔ عقیدۂ توحید اور ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

۴۔ فرعون کے مظالم سے نجات دی۔

۵۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں مصر سے ہجرت کی اور فرعون نے ان کا تعاقب کیا تو سمندر میں ان کے لیے راستے بنا دیے۔

۶۔ ان پر ظلم وستم ڈھانے والے کو ان کی نظروں کے سامنے بمع لاؤ لشکر غرقاب کر دیا۔

۷۔ صحرائے سینا میں وہ بے سروسامانی کے عالم میں تھے ان کے کھانے کے لیے من و

سلویٰ آسمان سے اتارا۔

۸۔ سایہ کے لیے ٹھنڈے بادلوں کا انتظام فرمادیا۔

۹۔ اور پینے کے لیے پانی کی تلاش ہوئی تو پتھر سے بارہ چشمے جاری فرمادیے۔

کفرانِ نعمت:

اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ انہوں نے ان نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا اور بتدریج کفرانِ نعمت کی بیماری میں مبتلا ہو گئے:

۱۔ چنانچہ انہوں نے حق کو چھپایا۔

۲۔ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کا انکار کیا

۳۔ بچھڑے کو معبود بنالیا۔

۴۔ دشت سینا میں بے صبری اور حرص وطمع کا مظاہرہ کیا۔

۵۔ اریحاء شہر میں متکبرانہ انداز میں داخل ہوئے جبکہ انہیں عاجزی کے ساتھ داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔

۶۔ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کیا۔

۷۔ بار بار عہدی کے مرتکب ہوئے۔

۸۔ ان کے دل سخت ہو گئے تھے۔

۹۔ انہوں نے کلام اللہ میں لفظی اور معنوی تحریف کی۔

۱۰۔ شریعت کے بعض احکام پر وہ ایمان لائے اور بعض کا انکار کرتے رہے۔

۱۱۔ وہ بغض اور حسد کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔

۱۲۔ انہیں مادی زندگی سے مبالغے کی حد تک محبت تھی۔

۱۳۔ مقرب فرشتوں سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔

۱۴۔ سحر وکہانت میں بے حد دلچسپی رکھتے تھے۔

۱۵۔ ان کے ہاں ایسے عملیات کو قبول عام حاصل تھا جن کے ذریعے میاں بیوی کے درمیان جدائی پیدا کر کے عشق پُر از فسق کی راہ ہموار کی جائے۔

۱۶۔ بدعملی کے باوجود جنت کے واحد ٹھیکیدار ہونے کا دعوی کرتے تھے۔ وہ بڑے وثوق سے کہتے تھے کہ جنت میں صرف وہی جاسکتا ہے جو یہودی ہو۔

۱۷۔ اور یہی دعوئ نصاریٰ بھی کرتے تھے۔

۱۸۔ اس کے ساتھ دونوں یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ صرف ہم ہی حق پر ہیں اور ہمارے مخالف فرقہ کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

عبرت

(سوچنے اور عبرت ونصیحت کی بات یہ ہے کہ کہیں ان خرابیوں میں سے کوئی خرابی ہم مسلمانوں میں تو نہیں پائی جاتی)۔

ابراہیم

یہود پر انعامات اور ان کے کفران نعمت اور جرائم کی تفصیل کے بعد تذکرہ ہے حضرت ابراہیمؑ کا جن کی عظمت شان کو یہود اور نصاریٰ دونوں تسلیم کرتے تھے اور فخریہ طور پر ان کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے۔

اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو ہمارے آقا ﷺ کی اتباع ضرور کرتے، کیونکہ آپ ﷺ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی دعاؤں ہی کا ثمر تھے۔

آزمائشوں پر ثابت قدمی

یہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مختلف ابتلاؤں اور آزمائشوں میں ڈالا۔ لیکن وہ ہر آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلے:

(۱) والد کی بت پرستی سے بیزاری کا معاملہ ہو

(۲) قوم سے ٹکراؤ کا۔

(۳) نمرود سے بحث مباحثہ کا مرحلہ ہو۔

(۴) آگ میں ڈالے جانے کا۔

(۵) اور وطن سے ہجرت کا

(۶) بیوی اور بچے کو بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑنے کا حکم۔

(۷) یا لخت جگر کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کا۔

اللہ کے خلیلؑ ہر مقام پر ثابت قدم رہے اور ان کے قدموں میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔

دُعاؤں کا ثمر

اسی ثابت قدمی کی برکت تھی کہ ان کی دُعائیں قبول ہوئیں:

☆ مکہ پر امن شہر بنا۔

☆ وہاں کے رہنے والوں کو پھلوں کا رزق میسر آیا۔

☆ اور سب سے بڑی دُعا جو قبول ہوئی وہ یہ کہ اللہ نے قریش کی نسل سے خاتم النبیین ﷺ کو پیدا فرمایا۔

ملت ابراہیمی سے اعراض

حضرت خلیل علیہ السّلام کے مآثر اور مفاخر بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ملت ابراہیمی سے وہی شخص اعراض کر سکتا ہے۔ جو شقی، احمق اور خواہشات کا غلام ہو۔ یہود و نصاریٰ واقعی ایسے ہی تھے۔

وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی طرف اپنی نسبت تو کرتے تھے، مگر ان کا زعم باطل یہ تھا کہ نجات حنفیت کی اتباع میں نہیں ہے بلکہ یہودیت اور نصرانیت کی اتباع میں ہے۔

حنفیت کی دعوت

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ انہیں حنفیت یعنی دین اسلام کی طرف دعوت دیں۔ جو کہ تمام انبیاء علیہم السّلام کا دین ہے۔ اگر وہ آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیں تو ہدایت پا جائیں گے اور اگر قبول نہ کریں تو ان کا انکار اور گمراہی کسی دلیل کی بناء پر نہیں ہوگی بلکہ ضد اور عناد کی بناء پر ہوگی۔

ضد اور مخالفت ان کی عادت

تو آپ ﷺ انہیں عناد کی گندگی میں پڑا رہنے دیں، اللہ ان سے نمٹ لے گا۔

ارشاد ہوتا ہے:

”اگر یہ یہود و نصاریٰ اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو

یہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ موڑے رہیں تو اس پر تعجب نہ کرو کیونکہ ضد اور مخالفت ان کی عادت ہے۔ اگر انہوں نے شرارت کرنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب نمٹ لے گا۔ وہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔'' (بقرہ: ۱۳۷)

انفاق فی سبیل اللہ

اس ضمن میں بتایا گیا ہے کہ اہمیت اس بات کو حاصل نہیں کہ کیا خرچ کیا جاتا ہے اصل اہمیت اس امر کو حاصل ہے:

۱۔ کہ کہاں خرچ کیا جاتا ہے۔

۲۔ اور کس نیت سے خرچ کیا جاتا ہے۔

۳۔ لہٰذا اللہ کے دیے ہوئے جان و مال کو صحیح مصرف پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ (۲۱۵)

مرتد کی سزا

۱۔ جو شخص مرتد ہو جائے (یعنی اسلام سے پھر جائے) اس کے سارے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔

۲۔ اور وہ جہنم کا حق دار ہو جاتا ہے۔

۳۔ اور دنیا میں اس کی سزا یہ ہے کہ اگر وہ سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ (۲۱۷)

شراب اور جوا

شراب اور جوا میں اگرچہ ظاہری اور مادی منافع ہیں۔ لیکن ان میں جسمانی، عقلی، مالی، اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے جو نقصانات ہیں' وہ منافع کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔

ام الخبائث

رسول کریم ﷺ نے شراب کو ''ام الخبائث'' یعنی خباثتوں اور گناہوں کی جڑ قرار دیا ہے۔ (۲۱۹)

ازدواجی زندگی

بعض اجتماعی بیماریوں کی نشان دہی کے بعد خاندانی مسائل بیان کیے جا رہے

ہیں کیونکہ خاندان ہی ایک اچھے معاشرہ کی بنیاد بنتا ہے، ان مسائل کی ابتداء ازدواجی تعلقات سے کی جارہی ہے اس سلسلہ میں پہلا حکم یہ دیا گیا ہے۔

نکاح:

مشرک مرد وعورت سے

مشرک مردوں اور عورتوں سے کسی صورت بھی نکاح جائز نہیں۔(۲۲۱)

کتابی عورت سے

البتہ اہل کتاب عورت سے مسلمان مرد کا نکاح ہوسکتا ہے۔

مسلمان عورت سے

مگر بہتر یہی ہے کہ کتابیہ کے ساتھ نکاح کی بجائے کسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کیا جائے۔

ازدواجی رشتہ کی بنیاد

حکم قرآنی سے یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام میں ازدواجی رشتہ کی بنیاد خلق اور دین پر ہے۔ حسب نسب یا غناء اور حسن و جمال پر نہیں کیونکہ یہ عارضی چیزیں ہیں۔ نہ ہی یہ حقیقی سکون اور راحت کی ضامن ہیں اور نہ ہی سعادت کا سبب بنتی ہیں۔

قیمتی خزانہ

البتہ ازدواجی زندگی کے سفر میں نیک اور خوف خدا رکھنے والا ساتھی سفر کے بہت سارے مراحل کو آسان کر دیتا ہے۔ اسی لیے ہمارے آقا ﷺ نے نیک خاتون کو قیمتی خزانہ سے تعبیر کیا ہے۔(ترمذی)

حالت حیض اور جماع

جائز نہیں

حالت حیض میں بیوی کے ساتھ جماع (مباشرت) جائز نہیں۔ کیونکہ حیض کے خون میں ایسی نجاست اور ایسے جراثیم پوشیدہ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے میاں اور بیوی

دونوں کی صحت خطرہ میں پڑسکتی ہے۔

جائز ہے

البتہ آپس میں بوس وکنار' اٹھنے بیٹھنے اور اکٹھے کھانے پینے کی اجازت ہے۔

اجازت نہیں

جبکہ یہودی اس کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے۔

کوئی برائی نہیں

اور نصاریٰ (حالت حیض میں) جماع کرنا بھی برا نہیں سمجھتے تھے۔

اعتدال

گویا کہ اسلام نے دوسرے بہت سارے معاملات کی طرح حیض کے معاملہ میں بھی افراط وتفریط کی بجائے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔(۲۲۲،۲۲۳)

قسم

اگر کسی نے قسم کھالی کہ وہ چار ماہ تک اپنی بیوی کے قریب نہیں جائے گا تو:

خود بخود طلاق

تو چار ماہ گزرنے پر خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی

رجوع اور کفارہ

البتہ اگر اس نے رجوع کر لیا تو نکاح باقی رہے گا لیکن قسم کا کفارہ اس پر لازم ہوگا۔

طلاق

سورۃ بقرہ میں جتنی تفصیل کے ساتھ طلاق' عدت اور رضاعت کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔اتنی تفصیل کے ساتھ کسی دوسری سورت میں بیان نہیں کیے گئے۔

طلاق کی اجازت

اس سلسلہ میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ اللہ کی نظر میں طلاق کے قابل نفرت ہونے کے باوجود مخصوص حالات اور مجبوریوں کی بناء پر طلاق کی اجازت دی گئی ہے۔

وجوہات طلاق

کیونکہ بعض اوقات میاں بیوی میں سے کوئی ایک ایسا ہوتا ہے جو اپنی بداخلاقی، بدکرداری اور باغیانہ رویہ کی وجہ سے گھر کو جہنم بنا دیتا ہے جہاں سکون نام کو نہیں ہوتا۔

ایسی صورت میں طلاق کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔ اسلام نے طلاق کی اجازت دینے کے ساتھ اس میں بہت ساری اصلاحات بھی کی ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں طلاق

زمانہ جاہلیت میں طلاق کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔

سو سو طلاقیں دے کر بھی رجوع کر لیا کرتے تھے۔

اسلام میں طلاق

اسلام تین سے زائد طلاق کی اجازت نہیں دیتا۔

ایک طلاق: ایک طلاق کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے۔

دو طلاق: دو طلاقوں کے بعد بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

تین طلاق: مگر تیسری طلاق کے بعد رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی (۲۲۹)

مہر

شوہر نے مہر کی صورت میں بیوی کو جو کچھ دیا ہو اسے واپس لینے کی اجازت نہیں۔

خلع

البتہ خلع کی صورت میں اجازت ہے۔

خلع یہ ہے کہ عورت اس شرط پر پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ واپس دینے کے لیے آمادہ ہو کہ اسے طلاق دے دی جائے۔

طرفین کی رضامندی

خلع کے لیے زوجین (میاں اور بیوی) کی رضامندی ضروری ہے۔ (۲۳۰)

حلالہ

اگر طلاق یافتہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے۔

مگر کسی وجہ سے اس کے ساتھ بھی نباہ نہ ہو سکے۔

تو وہ اس سے طلاق لینے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے اسے حلالہ کہا جاتا ہے۔

لعنت

آج کل حلالہ کے نام پر جو ڈرامہ کیا جاتا ہے۔ اس کے کرنے والے اور کرانے والے دونوں پر حدیث میں لعنت کی گئی ہے۔

رجوع

طلاق کے بعد عورت کو محض اذیت سے دوچار کرنے کے لیے رجوع کرنا جائز نہیں۔ (۲۳۱)

رضاعت

چونکہ اسلام عدل اور احسان کا دین ہے۔ جو کسی پر بھی ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ خواہ بچہ ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت

شیر خوار بچہ کے حقوق

اس لیے اسلام نے دودھ پیتے بچوں کے حقوق بھی بیان کیے ہیں۔

ماں کے دودھ کا نعم البدل

آج تو پوری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے کہ ماں کے دودھ کا کوئی نعم البدل نہیں مگر اسلام نے اس وقت ماؤں کو اپنے بچوں کو دودھ پلانے کا حکم دیا تھا۔ جب پوری دنیا جہالت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور ماں کے دودھ کی افادیت کسی کو معلوم نہ تھی۔

جدائی کی صورت میں ماں کا حق

اگر بالفرض میاں بیوی میں جدائی واقع ہو جائے تو بھی دودھ پیتے بچے کی پرورش اور اسے دودھ پلانے کا زیادہ حق ماں ہی کو حاصل ہے۔

طلاق اور جدائی کی سزا اس معصوم کو دینا جائز نہیں۔ (۲۳۳)

عدت:

طلاق ہو جائے یا شوہر کی وفات کا سانحہ پیش آجائے۔ دونوں صورتوں میں عورت پر عدت لازم ہے۔

عدت طلاق: طلاق کی صورت میں عدت کی مدت تین حیض ہے۔

عدت وفات: جبکہ شوہر کی وفات کی صورت میں عدت کی مدت چار ماہ اور دس دن ہے۔(۲۲۸۔۲۳۴)

زمانہ عدت میں پیغام نکاح

جو عورت زمانہ عدت میں ہو، اس سے نکاح کے بارے میں عہد و پیان لینا منع ہے۔ البتہ دل میں خواہش رکھنے اور اشارہ کنایہ میں اپنی خواہش کے اظہار کی اجازت ہے

خود رب کریم کی رسالت کی گواہی

سورۃ البقرہ میں تشریعی احکام کے ساتھ نبوت و رسالت کا موضوع بھی بیان ہوا ہے۔ دوسرے پارہ کے آخر میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ خود رب کریم نے نبی کریم ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔

خصائص انبیاء:

یہاں تیسرے پارہ کے آغاز میں ان خصائص کا ذکر ہے جو بعض انبیاء علیہم السلام کو عطا کیے گئے۔

۱۔ یہاں تیسرے پارہ کے آغاز میں ان خصائص کا ذکر ہے جو بعض انبیاء علیہم السلام کو عطا کیے گئے۔

۱۔ کسی کو سیادت و قیادت عطا ہوئی۔

۲۔ کسی کو بلاواسطہ ہم کلامی کا شرف عطا کیا گیا۔

۳۔ کسی کی تائید واضح معجزات سے کی گئی۔

ہمارے آقا کو تمام انبیاء پر فضیلت

یہ تمام انبیاء علیہم السلام علو مرتبہ کے باوجود فضل و شرف میں ایک جیسے نہ تھے، بلکہ

بعض کو بعض پر فضیلت حاصل تھی۔

۱۔ جیسے بعض انبیاء علیہم السلام کو دوسرے بعض پر فضیلت حاصل ہے۔

۲۔ اسی طرح ان کی امتوں کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔

۳۔ چونکہ بہت ساری خصوصیات اور امتیازات کی بناء پر ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے۔

۴۔ لہٰذا آپ ﷺ کی امت کو بھی دوسری تمام امتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

کتاب اللہ کی افضل ترین آیت

انبیاء علیہم السلام کے فضائل اور فرق مراتب کو بیان کرتے ہوئے یہ سورت ہمارے سامنے اس آیت کو پیش کرتی ہے جو کتاب اللہ کی افضل ترین آیت ہے۔ میری مراد آیت الکرسی سے ہے۔ جو پچاس کلمات اور دس جملوں پر مشتمل ہے۔ اس میں سترہ بار اللہ تعالیٰ کا ذکر آیا ہے۔ کہیں صراحۃً اور کہیں اشارۃً

نمرود بن کنعان سے مباحثہ

تیسرے پارے میں حضرت ابراہیم اور حضرت عزیر ﷺ کے قصے بھی بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ قصہ بھی جب انہوں نے نمرود بن کنعان جیسے سرکش اور متکبر بادشاہ کے ساتھ مباحثہ کیا تھا۔

مردوں کو زندہ کرنے کا منظر

اور وہ قصہ بھی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ مجھے مردوں کو زندہ کرنے کا منظر دکھایا جائے۔

سو سال کے لیے موت

یونہی حضرت عزیر علیہم السلام کے دل میں ایک تباہ شدہ بستی کو دیکھ کر خیال پیدا ہوا تھا کہ نہ معلوم اس بستی کو دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا۔ چنانچہ خود ان پر سو سال کے لیے موت مسلط کر دی گئی پھر انہیں زندہ کیا گیا۔

احیاءِ موتیٰ

سورہ بقرہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سورۃ میں پانچ جگہ ''احیاءِ موتیٰ'' (مردوں کو زندہ کرنے) کا موضوع ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ اس مقتول کے واقعہ میں جو گائے کا گوشت جسم کے ساتھ لگنے کے بعد زندہ ہوا تھا۔

۲۔ بنی اسرائیل کے ان معاندین کے قصہ میں جنہوں نے رویت باری کا مطالبہ کیا تھا۔

۳۔ اس قوم کے قصہ میں جو طاعون سے بچنے کے لیے گھروں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔

۴۔ حضرت عزیر علیہم السّلام کے قصہ میں۔

۵۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے قصہ میں۔

مذکورہ بالا کے علاوہ سورۃ البقرہ میں جو اہم مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

انفاق فی سبیل اللہ

دین اسلام انسانیت' انفاق فی سبیل اللہ' اخوت و محبت اور فضل واحسان کا دین ہے۔ انسانی فلاح کا کوئی پہلو ایسا نہیں۔ جس کی قرآن نے دعوت نہ دی ہو اور نیکی کا کوئی ایسا کام نہیں۔ جس کی اسلام نے ترغیب نہ دی ہو۔ سورۃ البقرہ میں انداز بدل بدل کر انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کے آداب بھی بتائے گئے ہیں۔

اخلاص کی بناء پر صدقہ

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں اور اخلاص کی بناء پر انہیں حاصل ہونے والے ثواب کو اس کاشت کار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جو زمین میں ایک دانہ بوتا ہے اور اس سے سات بالیاں اگ آتی ہیں۔ ایک ایک بالی میں سو سو دانے ہوتے ہیں۔ یوں کاشت کار زمین کو ایک دانہ دے کر اس سے سینکڑوں دانے واپس لے لیتا ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو اللہ کی رضا کے لیے ایک روپیہ خرچ کر کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں' لاکھوں نیکیاں حاصل کر لیتا ہے۔ (۲۶۱)

دکھاوے کا صدقہ

دوسری طرف وہ شخص ہے، جو محض دکھاوے کے لیے صدقہ کرتا ہے۔ اسے اس

کسان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی فصل ایسی چٹان پر بوتا ہے۔ جس پر مٹی کی ہلکی سی تہہ بچھی ہوتی ہے۔ اگر تیز بارش ہو جائے تو مٹی اور بیج دونوں بہہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی ساری محنت ضائع چلی جاتی ہے۔ (۲۶۴)

صدقہ کے بعد دل آزاری

صدقہ خیرات کے شرائط اور آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

''مناسب بات کہہ دینا اور درگزر کرنا ایسے صدقہ خیرات سے بہتر ہے۔ جس کے بعد دل آزاری کی جائے۔'' (۲۶۳)

ردی چیز رد ہے

دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے:

''کہ اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے۔ اس میں سے بھی عمدہ چیز ہی خرچ کرو اور ایسی ردی چیز اللہ کی راہ میں دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا۔ جو اگر تمہیں دی جائے تو تم کبھی نہ لو سوائے اس کے کہ تم چشم پوشی کر جاؤ۔ (۲۶۷)

صدقہ علانیہ' صدقہ مخفی

تیسرا حکم یہ دیا گیا ہے:

''کہ اگر تم صدقات علانیہ دو۔ تب بھی اچھی بات ہے اور اگر تم چھپا کر ضرورت مندوں کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔'' (۲۷۱)

حرمت رباء

سورہ بقرہ میں جو شرعی مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں ہمارے دور کا ایک اہم مسئلہ ''حرمت رباء'' بھی ہے۔

سودخور

سودخور کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو جنات اور شیاطین کے اثرات کی وجہ سے خبطی اور دیوانہ ہو جاتا ہے۔

دنیامیں — دنیامیں بھی سودخور کا حال خبطیوں اور پاگلوں جیسا ہوتا ہے۔

قیامت میں — قیامت کے دن وہ قبر سے بھی یونہی کھڑا ہوگا۔

سود پر وعید

اس کے بعد سود پر ایسی وعید سنائی گئی ہے کہ اس جیسی وعید کسی بڑے سے بڑے گناہ پر بھی قرآن میں نہیں آئی۔ ارشاد ہوتا ہے:

اے ایمان والو!

۱۔ اللہ سے ڈرو اور لوگوں پر تمہارا جو سود باقی رہ گیا ہے اگر تم واقعی مومن ہو تو اسے چھوڑ دو۔

۲۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر تمہارے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ (۲۷۸، ۲۷۹)

دو متضاد نظام

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن نے صدقہ کے فضائل و آداب بیان کرنے کے بعد رباء کے نقصانات اور تباہ کاریاں بیان کی ہیں۔ اصل میں صدقہ اور رباء دو متضاد نظام ہیں:

۱۔ صدقہ میں احسان، پاکیزگی اور تعاون کا جذبہ ہوتا ہے۔ جبکہ رباء میں بخل، گندگی اور خودغرضی پوشیدہ ہوتی ہے۔

۲۔ صدقہ میں دیا ہوا مال واپس لینے کی نیت نہیں ہوتی جبکہ رباء میں اصل زر سے بھی زیادہ لینے کی شرط ہوتی ہے۔

۳۔ صدقہ سے آپس کی محبت بڑھتی ہے، جبکہ رباء سے باہمی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۴۔ صدقہ کرنے والے کے لیے اللہ کی محبت کا اعلان اور مغفرت کا وعدہ ہے، جبکہ سودخود پر لعنت کی وعید اور اعلان جنگ ہے۔

۵۔ سود کے نفسیاتی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی نقصانات اتنے واضح ہیں کہ اب سود کے حامی دبی دبی زبان سے ان کا اعتراف کرنے لگے ہیں۔

مالی معاملات:

رباء کی حرمت کا حکم بیان کرنے کے بعد دین، تجارت، باہمی لین دین اور رہن

کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ یہ احکام جس آیت کریمہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ وہ قرآن کریم میں سب سے طویل آیت ہے۔(۲۸۲)

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مالی معاملات کو کس قدر اہمیت دیتا ہے اور یہ کہ اسلام دین اور دنیا، عبادت اور تجارت، جسم اور روح سب کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں جو احکام دیے گئے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

ادھار: ادھار کے تمام معاملات میں تحریری دستاویز تیار کر لینی چاہیے۔

ادھار کی میعاد: جب ادھار کا معاملہ کیا جائے تو اس کی میعاد ضرور مقرر کر لی جائے اور میعاد بھی ایسی مقرر کی جائے جس میں کوئی ابہام نہ ہو۔

رہن: دوران سفر اگر دستاویز کی تیاری ممکن نہ ہو تو رہن رکھ کر بھی قرض لیا جا سکتا ہے۔

تجارت: دست بدست تجارت کی صورت میں تحریر ضروری نہیں۔

چونکہ سورہ بقرہ میں نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ، جہاد، صدقہ، رباء، نکاح، طلاق اور عدت جیسے متعدد شرعی احکام بیان ہوئے ہیں۔ اس لیے اس سورت کے اختتام پر یہ وضاحت کر دی گئی ہے۔

''کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔''(۲۸۵)

ایک جامع دعاء:

یونہی سورت کا اختتام جامع ترین دعاء پر کیا گیا ہے۔ جس میں مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی میں یوں درخواست کیا کریں۔(۲۸۶)

کہ اے اللہ! اگر احکام کی تعمیل میں ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دینا ......آخر تک............

۱۔ جب تک مسلمان احکام الٰہیہ پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرنے کے ساتھ غلطیوں اور کوتاہیوں پر استغفار کرتے رہیں گے۔

۲۔ نیز وہ اللہ تعالیٰ سے دعاء اور التجا کرتے رہیں گے تو ان شاء اللہ یہود جیسے انجام بد سے بچے رہیں گے۔

پارہ ۱۷

ترتیبی نمبر ۲۱ سورۂ انبیاء (نزولی نمبر ۷۳)

مکی سورت: سترہویں پارہ کا آغاز سورۃ الانبیاء سے ہو رہا ہے۔ یہ مکی سورت ہے۔

آیات: اس میں ۱۱۲ آیات اور ۷ رکوع ہیں:

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں تقریباً ۱۷ انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر آیا ہے۔

اس لیے اسے انبیاء کی مناسبت سے سورۃ الانبیاء کہا جاتا ہے۔

میری قدیم دولت اور کمائی

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ:

''سورۂ بنی اسرائیل' کہف' مریم' طٰہٰ اور انبیاء نزول کے اعتبار سے پہلی اور میری قدیم دولت اور کمائی ہیں۔''

سورۃ الانبیاء کے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

دنیا کی زندگی کا زوال

سورۃ الانبیاء کی ابتداء میں دنیا کی زندگی کے زوال کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

قیامت کا وقوع

اور بتایا گیا ہے کہ قیامت کا وقوع اور حساب کا وقت بہت قریب آ گیا ہے۔ لیکن

اس ہولناک دن سے انسان غلفت میں پڑے ہوئے ہیں نہ تو اس کے لیے تیاری کرتے ہیں نہ ہی ایسے اعمال کرتے ہیں جو وہاں کام آئیں گے۔

عظمت والا کلام

ان کے سامنے جب بھی کوئی نئی آیت آتی ہے اس کا مذاق اڑاتے اور اسے جھٹلا دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ اس عظمت والے کلام کو کس سنجیدگی' وقار اور عاجزی کے ساتھ سننا چاہیے۔

یہ رسول نہیں ہے

مشرکین آپس میں حضور اکرم ﷺ کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ شخص جو رسالت کا دعوے دیدار ہے۔ یہ رسول نہیں ہے بلکہ تمہارے جیسا ایک انسان ہے اور یہ دوسرے انبیاء جیسے مادی معجزات کے پیش کرنے سے عاجز ہے۔

قرآن کا جواب

قرآن نے جواب دیا ہے کہ جتنے بھی انبیاء پہلے آئے ہیں۔ سب کے سب انسان تھے۔ کھاتے پیتے تھے اور دوسرے انسانی تقاضے بھی پورے کرتے تھے۔ کوئی ایک نبی بھی ایسا نہیں تھا جو بشری تقاضوں سے پاک ہو۔

ایسی کتاب جس میں تمہارا تذکرہ ہے

جہاں تک معجزات کا تعلق ہے تو قرآن سے بڑا معجزہ کون سا ہو سکتا ہے۔ اس کے وجوہ اعجاز میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کے آئینہ میں مختلف عقائد و خیالات اور اخلاق و اعمال کے لوگ اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ اس میں ہر قوم اور ہر شخص کا تذکرہ موجود ہے۔ کہیں صراحۃً اور کہیں اشارۃً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے۔ جس میں تمہارا تذکرہ ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔ (۱۰)

قرآن لانا' میں اپنا تذکرہ تلاش کروں:

مشہور تابعی اور عرب سردار حضرت احنف بن قیسؒ کے بارے میں آتا ہے کہ

ایک دن بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے یہی آیت پڑھ دی۔ وہ چونک پڑے اور کہا۔ ذرا قرآن مجید تولانا۔ میں اس میں اپنا تذکرہ تلاش کروں اور دیکھوں میں کن لوگوں کے ساتھ ہوں اور کن لوگوں سے مجھے مشابہت ہے۔ وہ قرآن کے اوراق الٹتے رہے اور مختلف لوگوں کیا حوال پڑھتے رہے۔

پہلے انہوں نے وہ آیات پڑھیں، جن کے اندر ان سعادت مندوں کا تذکرہ ہے۔ جن میں سے کسی نے جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کردی۔ کسی نے سارا مال خرچ کر دیا۔ کوئی رات بھر بستر سے جدار ہتا ہے اور کوئی برائی کے قریب بھی نہیں پھٹکتا۔

پھر وہ آیات پڑھیں جن میں مشرکوں' کافروں' منافقوں اور فاسقوں کا ذکر ہے۔ دونوں قسم کی آیات پڑھنے کے بعد وہ کہہ اٹھے کہ:

''اے اللہ! میں ان دونوں گروہوں میں سے نہیں ہوں''

پھر انہوں نے سورہ توبہ کی وہ آیت پڑھی۔ جس میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے، جن سے گناہ بھی ہوئے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کیے۔ یہ آیت کریمہ پڑھ کو وہ پکار اٹھے کہ:

''ہاں! یہ میرا تذکرہ ہے''۔

یوں بالآخر انہوں نے قرآن میں اپنا تذکرہ تلاش کر ہی لیا۔

مشرکین کی مضحکہ خیز اور حماقت آمیز حرکتیں۔

مشرکین کی مضحکہ خیز اور حماقت آمیز حرکتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ قرآن کے بارے میں کسی ایک رائے پر متفق نہ تھے۔

☆ کبھی کہتے کہ یہ سحر ہے۔ ☆ کبھی کہتے یہ شعر ہے۔ ☆ کبھی کہتے یہ خواب پریشان ہے۔ ☆ کبھی اسے محمد ﷺ کا افتراء بتاتے ☆ اور کبھی کسی سے سیکھا ہوا کلام قرار دیتے۔

قرآن کہتا ہے

ان کے اضطراب اور اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

''بلکہ وہ کہتے ہیں: (۱) قرآن خواب پریشان ہے' (۲) بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے (۳) بلکہ یہ شاعر (اور قرآن شعر) ہے (۴) تو جیسے (مادی) معجزات پہلے انبیاء لے کر آئے تھے۔ اسی طرح یہ بھی لائے

ظالم قوموں کا انجام

اس کے بعد قرآن نے مشرکین کو ان ظالم قوموں کے انجام کی طرف متوجہ کیا ہے، جنہیں اللہ نے بصارت اور بصیرت رکھنے والوں کے لیے عبرت کا سامان بنا دیا، ان تباہ شدہ قوموں نے جب عذاب الٰہی کے آثار دیکھے تو بھاگ نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن اللہ نے انہیں مہلت نہ دی اور انہیں راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ (۱۱۔۱۵)

اب بھاگنے کی کوشش نہ کرو

ان سے کہا گیا۔ اب بھاگنے کی کوشش نہ کرو بلکہ واپس لوٹو۔ اسی عیش و عشرت کی طرف جس نے تمہیں مدہوش کر رکھا تھا، انہی بلند و بالا مکانات کی طرف جن پر تمہیں بڑا ناز تھا۔ انہی قصبوں اور محلوں کی طرف جہاں تم اکڑ اکڑ کر چلا کرتے تھے، وہاں جاؤ۔ تاکہ جب سوال کرنے والے تم سے نزول عذاب کے بارے میں سوال کریں تو تم انہیں جواب دے سکو۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات انہیں استہزاء اور تذلیل کے طور پر کہی گئی تھی۔

اللہ نے یہ سب کچھ لہو و لعب کے لیے پیدا نہیں کیا

کائنات کی اس کھلی ہوئی کتاب میں رب العالمین کی وحدانیت کے بے شمار دلائل بکھرے ہوئے ہیں۔ اس کائنات میں ارض و سماء، شمس و قمر اور لیل و نہار وغیرہ کی صورت میں جو کچھ بھی ہے۔ اسے اللہ نے لہو و لعب کے لیے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ حکمت کے تحت اور اس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے کہ انسان اس میں غور و فکر کرے اور عبرت حاصل کرے۔ اس عالم رنگ و بو کی ہر چیز اللہ کی اطاعت اور تسبیح میں لگی ہوئی ہے۔ سوائے کافر انسان کے جس نے اپنا وتیرہ غفلت اور سرکشی کو بنا لیا ہے۔ (۱۶۔۲۰)

دلیل کا مطالبہ

مشرکین جو کہ اللہ کو چھوڑ کر جمادات کے سامنے جھکتے تھے۔ انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے اور ان سے اس پر دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ واقعی یہ بت عبادت کے مستحق ہیں۔ (۲۱۔۲۴)

ظاہر ہے ان کے پاس اپنے شرک اور بت پرستی کے جواز پر نہ کوئی عقلی دلیل تھی اور نہ ہی نقلی دلیل تھی۔

چھ دلائل

مشرکین کے باطل نظریات کی تردید کے بعد ایک خالق اور قادر کے وجود پر چھ دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ سب کے سب تکوینی دلائل ہیں۔ جن کا نظروں سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور جن کی حقیقت کو بحث اور تحقیق کے بعد اہل علم نے تسلیم کیا ہے۔

آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے

پہلی دلیل یہ دی کہ آسمان اور زمین ملے ہوئے تھے۔ ہم نے دونوں کو جدا جدا کر دیا۔ آسمان کو فرشتوں کا مسکن بنادیا اور زمین کو انسانوں کا، قرآن نے جو آسمان اور زمین کے جڑے ہونے کا نظریہ پیش کیا۔ اسے نہ عرب جانتے تھے اور نہ ہی اس وقت کی دوسری (معاصر) اقوام میں سے کوئی قوم اس نظریہ سے باخبر تھی۔

ماہرین ارضیات اور فلکیات

ابھی تقریباً دو سال سال ہوئے کہ ارضیات اور فلکیات کے ماہرین طویل تجربات اور مشاہدات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سارے سیارے خواہ وہ سورج اور ستارے ہوں یا زمین اور چاند۔ یہ سب آپس میں ملے ہوئے تھے۔ پھر یہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے جب کہ قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ حقیقت بلا خلاف تردید بیان کردی تھی۔ اسے قرآن کے معجزہ کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے۔

ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا ہے

دوسری دلیل یہ دی کہ ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا ہے۔ یہ ایک عظیم انکشاف تھا۔ جو ایک اُمی کی زبان سے کروایا گیا اور آج دنیا بھر کے اہل علم تسلیم کرتے ہیں کہ تمام زندہ اشیاء کے وجود میں پانی کو بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل ہے۔

پانی کے بغیر زندگی محال ہے

پانی کے بغیر زندگی محال ہے۔ خواہ حیوان ہوں یا درخت اور پودے۔ سب پانی کے محتاج ہیں۔ آپ چاند کو دیکھ لیجیے وہ اپنی بناوٹ میں زمین کے مشابہ ہے۔ لیکن چونکہ وہاں پانی نہیں ہے۔ اس لیے اس کی سطح پر زندگی ناممکن ہے۔

زمین پر پہاڑ بنائے

تیسری دلیل یہ دی کہ ہم نے زمین پر پہاڑ بنائے تا کہ لوگوں (کے بوجھ) سے زمین ہلنے نہ لگے۔ اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو زمین مسلسل زلزلوں اور اضطرابات کی زد میں رہتی اور زمین کی تہہ میں جو آگ بھڑک رہی ہے۔ اس سے حفاظت نہیں ہو سکتی تھی۔

زمین کبھی کبھی سانس لیتی ہے

اب بھی دنیا میں کہیں کہیں ایسے آتش فشاں پہاڑ پائے جاتے ہیں۔ جن کے ذریعہ گویا کہ زمین کبھی کبھی سانس لیتی ہے اور اس میں بھڑکنے والی آگ باہر دکھائی دیتی ہے۔ اگر زمین کی جلد سخت نہ ہوتی اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ نہ ہوتا تو یہ آگ زندگی محال کر دیتی۔

زمین میں کشادہ راستے

چوتھی دلیل یہ دی کہ ہم نے زمین میں کشادہ راستے بنائے ہیں تا کہ لوگ ان پر چلیں۔ آپ ہموار میدانوں کو چھوڑ دیں۔ پہاڑی سلسلوں ہی کو دیکھ لیجیے جو ملک در ملک چلے جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان کشادہ وادیاں اور راستے رکھے ہیں۔ جن کی وجہ سے انسانوں کو اپنے اسفار میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

آسمان کو محفوظ چھت بنایا

پانچویں دلیل یہ دی ہے کہ ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے۔ اس چھت میں لاکھوں ستارے، سورج اور چاند جو اپنے اپنے مدار میں انتہائی تیز رفتاری سے گھوم رہے ہیں نہ ان میں ٹکراؤ ہوتا ہے اور نہ ہی وہ خلط ملط ہوتے ہیں۔

کون ہے جو اس نظام کو سنبھالے ہوئے ہے

اگر ایک ستارہ بھی اپنے مدار سے ہٹ جائے تو نظام عالم میں خلل واقع ہو جائے تو وہ کون ہے جو اس سارے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے اور کسی کو بھی ایک مخصوص رفتار اور راستے سے ادھر ادھر نہیں ہونے دیتا۔ کیا لات و ہبل؟ کیا عزیٰ اور منات؟ نہیں۔ رب العالمین کے سوا کوئی نہیں۔

رات اور دن' سورج اور چاند' نجوم اور افلاک کی حرکت کا نظریہ

چھٹی دلیل تکوینی دلائل میں سے یہ دی ہے کہ رات اور دن' سورج اور چاند کو اللہ نے بنایا ہے۔ یہ سب آسمان میں تیر رہے ہیں۔ جیسے مچھلی پانی میں تیرتی ہے۔ انہیں یکے بعد دیگرے آنے جانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور یہ کبھی رکتے بھی نہیں۔ مسلسل چلتے رہتے ہیں۔ حرکت ہی میں ان کی زندگی ہے۔ (۳۰-۳۴)

رات اور دن' سورج اور چاند' نجوم اور افلاک کی حرکت کا نظریہ قرآن نے اس وقت پیش کیا تھا۔ جب اس حوالے سے بڑے بڑے باخبر بھی بے خبر تھے۔ اس قرآنی نظریہ کی علم جدید تائید کر رہا ہے۔ سائنس دانوں نے تو رصد گاہوں اور جدید ترین مشینوں سے لیس لیبارٹریوں میں برسہابرس کی تحقیق کے بعد اس علمی حقیقت کو دریافت کیا ہے۔

بے خبروں کو باخبر

مگر سوال یہ ہے کہ وہ نبی امی جسے لکھنا پڑھنا بھی نہیں آتا تھا۔ اس کے پاس وحی کے سوا کون سا راستہ تھا۔ جس کے ذریعے خبریں پا کر وہ پوری دنیا کو باخبر کر رہا تھا۔ کہا نبی امی ﷺ کی مبارک زبان سے ان حقائق کا بیان ہونا اس کی صداقت کی دلیل نہیں؟

یقیناً ہے مگر اس دلیل کو تسلیم کرنے کے لیے آنکھوں سے تعصب اور عناد کی پٹی اتارنا ضروری ہے۔

۱۷ انبیاء علیہم السّلام کے قصے

توحید' نبوت' معاد اور حساب وجزاء پر دلائل دینے کے بعد ۱۷ انبیاء علیہم السّلام کے قصے ذکر کیے گئے ہیں: یعنی:

حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت نوح، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت اسماعیل، حضرت ادریس، حضرت ذوالکفل، حضرت یونس، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السّلام (۴۸-۹۱) ان تمام انبیاء کی دعوت ایک ہی تھی۔ وہ یہ کہ:

''جو نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہوگا تو اس کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی۔'' (۹۴)

ان سترہ انبیاء میں سے چھ کے قصے قدرے تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں:

حضرت ابراہیم

حضرت ابراہیم علیہم السّلام جنہیں دعوت توحید اور تردید شرک کی وجہ سے دہکتی ہوئی آگ میں گرادیا گیا۔ مگر اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی۔

حضرت لوط

آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہم السّلام جنہیں ایک بدترین قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔

حضرت نوح

حضرت نوح علیہم السّلام جنہیں ان کی طویل عمر اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبر وتحمل کرنے کی وجہ سے شیخ الانبیاء بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے ۹۵۰ سال تک فریضہ دعوت سر انجام دیا۔

حضرت داؤد و حضرت سلیمان

حضرت داؤد اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السّلام کا قصہ جو دونوں نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی، انہیں روحانی اور مادی دونوں طرح کی نعمتوں سے خوب نوازا گیا تھا۔

حضرت ایوب

حضرت ایوب علیہ السّلام جنہیں مصائب و آلام کے ذریعہ آزمایا گیا۔ انہوں نے ایسے صبر کا مظاہرہ فرمایا کہ ان کا صبر ضرب المثل بن گیا۔ ان مصائب و آلام میں وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ ان کی توجہ نے رحمت باری تعالیٰ کو متوجہ کر ہی لیا۔ ان کی دُعائیں قبول ہوئیں اور دور ابتلاء ختم ہو گیا۔

حضرت یونس

حضرت یونس علیہ السّلام کا قصہ جنہیں مچھلی نے نگل لیا تھا۔ اس کے پیٹ میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ ان کی پکار سنی گئی اور انہیں غم سے نجات مل گئی۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو پکارنے والوں کو غم سے نجات مل ہی جاتی ہے۔

یاجوج ماجوج

یاجوج ماجوج کا ذکر سورۂ کہف میں ہو چکا ہے یہاں ان کا دوبارہ ذکر آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے اتر رہے ہوں گے۔

اصنام دوزخ کا ایندھن

مشرکین اور ان کے اصنام قیامت کے دن دوزخ کا ایندھن بنیں گے اور کوئی بھی کسی کے کام نہیں آسکے گا۔

آہ وزاری کی دعا:

انبیاء متقدمین کے قصص بیان کرنے کے بعد بتایا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ دین اور دنیا میں سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچا دیا۔ مگر جب ہر قسم کے دلائل پیش کرنے کے بعد بھی لوگ نہ سمجھے تو آپ ﷺ نے اللہ سے دُعا کی:

"اے میرے پروردگار! حق کے ساتھ فیصلہ کردے اور ہمارا پروردگار بڑا مہربان ہے۔ اسی سے ان باتوں میں جو تم بیان کرتے ہو مدد مانگی جاتی ہے۔"

اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو کر رہا۔

سورۃ الاحزاب (نزولی نمبر ۹۰)

مدنی سورت: سورہ احزاب مدنی ہے۔

آیات: اس میں ۷۳ آیات اور ۹ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ:

جس لشکر نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ اس میں مختلف جماعتیں اور قبائل شریک تھے، چونکہ اس سورت میں غزوۂ احزاب کو خاص اہمیت ہے۔ اس لیے اس سورت کا نام سورۂ

احزاب رکھ دیا گیا ہ۔(۲۲ تا ۲۷)

سورت کے موضوعات

اس سورت میں تین موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔یعنی:

(۱) اجتماعی آداب (۲) تشریعی احکام (۳) اور بعض غزوات کا بیان مثلاً غزوۂ احزاب، غزوۂ بنی قریظہ (۴) اور ان دونوں غزوات میں منافقین کا کردار اور ان کی حالت۔

اس سورت کے اہم مضامین میں درج ذیل ہیں:

نبی کی امت کو چار امور کا حکم

پہلی دو آیتوں میں اپنے نبی کے واسطہ سے نبی کی امت کو ایسے چار امور کا حکم دیا گیا ہے۔جو کہ حقیقت میں فلاح اور سعادت کے عناصر ہیں:

(۱) پہلا یہ کہ اللہ سے ڈرتے رہیں۔

(۲) دوسرا یہ کہ کافروں اور منافقوں کی آراء کا اتباع نہ کریں۔

(۳) تیسرا یہ کہ وحی الٰہی کی اتباع کرتے رہیں۔

(۴) چوتھا یہ کہ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کریں۔

ایک نکتہ قابل توجہ:

یہاں یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں کہیں بھی ہمارے آقا ﷺ کو ''یا محمد'' کہہ کر نہیں پکارا۔یہاں بھی ''یا ایھا النبی'' کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

جبکہ دوسرے انبیاء کو

(۱) یا آدم (۲) یا موسیٰ (۳) یا عیسیٰ (۴) اور یا زکریا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

جاہلانہ خیالات اور تصورات کی تردید

زمانہ جاہلیت کے بعض معتقدات اور عادات کی تردید کی گئی ہے۔جن میں سے بعض عقلی اعتبار سے باطل تھیں اور بعض شرعی اعتبار سے قبیح تھیں۔یہاں آیت نمبر ۴ میں تین جاہلانہ خیالات اور تصورات کی تردید کی گئی ہے۔

سینے میں دو دل

ان کا یہ خیال تھا کہ بعض لوگوں کے سینے میں دو دل ہوتے ہیں۔ اس خیال کے رد میں فرمایا گیا کہ:

''اللہ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے۔''

دل تو بس ایک ہی ہوتا ہے۔

(۱) یا اس میں ایمان ہوگا یا کفر ہوگا۔

(۲) ایک ہی دل میں کفر اور ایمان دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

(۳) اس سے ان منافقین کی بھی تردید ہوگئی۔ جنہوں نے کفر اور ایمان کے درمیان ایک تیسرا درجہ نفاق کا بھی تجویز کر رکھا تھا۔

جاہلی ظہار

جاہلی ظہار یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ''انت علی کظھر امی'' (تم میرے اوپر ایسے ہو جیسے میری ماں کی پشت) کہہ دیتا تو ان الفاظ کے کہنے سے اس کی بیوی ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی تھی۔

لیکن قرآن نے بتایا کہ کفارہ دینے سے بیوی حلال ہو جائے گی۔

منہ بولے بیٹے کا حکم

اسلام سے قبل منہ بولے بیٹے کا حکم حقیقی بیٹے جیسا ہوتا تھا۔

قرآن نے اس غلط تصور کی تردید کی۔

روحانی باپ، روحانی مائیں

جب متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) کے تصور کی تردید ہوگئی اور بتایا گیا۔

(۱) کہ حضور اکرم ﷺ حضرت زید بن حارثہؓ کے حقیقی والد کا حکم نہیں رکھتے۔

(۲) تو پھر یہ اعلان کیا گیا کہ آپ ﷺ کی ابوت ساری امت کے لیے عام ہے۔

(۳) اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات ساری امت کی روحانی مائیں ہیں۔

(۴) ان کا ادب واحترام واجب ہے اور ان کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔

(۵) اس کے بعد ۱۹ آیات میں غزوہ احزاب اور غزوہ بنی قریظہ کی تفصیل ہے:

غزوہ احزاب

(۱) غزوہ احزاب شوال ۵ ہجری میں ہوا۔
(۲) جب مشرکین کے دس یا پندرہ ہزار جنگجوؤں نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا۔
(۳) یہ جنگجو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔
(۱) یہود بنی نضیر (۲) اور یہود بنی قریظہ
(۴) جن کے ساتھ مسلمانوں کا صلح کا اور ایک دوسرے کے دشمن کے ساتھ تعاون نہ کرنے کا معاہدہ تھا۔
(۵) انہوں نے اس معاہدہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی اور ابوسفیان کے ساتھ تعاون کیا۔
(۶) مسلمان صرف تین ہزار تھے۔
(۷) حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے مدینہ کے شمال مغرب میں جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ تھا۔ خندق کھودی گئی۔ اسی لیے اسے غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے۔

اور غزوہ احزاب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ جس لشکر نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ اس میں مختلف جماعتیں اور قبائل شریک تھے۔

(۸) ان جنگجوؤں نے تقریباً ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کیے رکھا۔
(۹) پھر نعیم بن مسعود غطفانی کی کوششوں سے یہود اور قریشی اور غطفانی لشکر کے درمیان پھوٹ پڑ گئی۔
(۱۰) اللہ کی طرف سے انہی دنوں طوفانی آندھی آگئی۔ جس کی زد میں آکر ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ جانور بدک گئے۔
(۱۱) ان کے عزائم پست ہوگئے۔ پھر قریش اور غطفان اور دوسرے قبائل اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے بغیر راہ فرار اختیار کر گئے۔

غزوہ بنی قریظہ

ابوسفیان اور اس کے حمایتیوں کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں نے بنی قریظہ کا

محاصرہ کرلیا اور انہیں ان کی عہد شکنی کی عبرتناک سزا دی۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں ان دونوں غزوات کا حال اور منظر بیان کیا ہے۔

مزید فتوحات کی بشارت

اور مسلمانوں کو بشارت سنائی ہے کہ عنقریب انہیں مزید فتوحات حاصل ہوں گی۔

فارس اور روم

چنانچہ مسلمانوں نے نہ صرف فارس اور روم بلکہ بیسیوں ملک اور سینکڑوں شہر فتح کیے۔

اور ان شاء اللہ قرآن کے ساتھ تعلق مضبوط اور دل میں ایمان راسخ ہو جانے کے بعد پورے عالم کو فتح کریں گے۔

رب تعالیٰ کی پیشین گوئی:

یوں رب تعالیٰ کی یہ پیشینگوئی پوری ہو کر رہے گی کہ میں نے اپنے آخری رسول ﷺ کو اس لیے بھیجا ہے کہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دوں۔

یہ غلبہ یقینی ہے اور کسی صاحب ایمان کو اس میں شک نہیں ہونا چاہیے۔

بظاہر حالت مخالف

بظاہر حالات مخالف ہیں۔ لیکن جب اس پیشینگوئی کے پورا ہونے کا وقت آئے گا تو حالات بھی موافق ہو جائیں گے اور وہ افراد بھی مہیا ہو جائیں گے۔ جو اپنے اخلاق و اعمال کے اعتبار سے پہلی صدی کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دیں گے۔

فاتح عالم

اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور کے مسلمان ایمان‘ اعمال‘ اخلاق‘ معاملات اور کردار کے اعتبار سے ”فاتح عالم“ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

لیکن کیا اسلام اور قرآن بھی یہ صلاحیت نہیں رکھتے۔ رب کعبہ کی قسم! ان کے اندر عالم کو اور فاتحین عالم کو فتح کرنے کی پوری پوری صلاحیت ہے اور کون و مکان کے مالک کی قسم! دنیا یہ نظارہ بہت جلد دیکھے گی۔

پارہ ۲۲

اکیسویں پارہ کی آخری چند آیات میں ازواج مطہراتؓ سے خطاب تھا۔ چونکہ اس خطاب کا کچھ حصہ بائیسویں پارہ کی شروع میں بھی آیا ہے۔ اس لیے کل کے ''خلاصۃ القرآن'' میں اسے چھیڑا نہیں گیا تھا۔ خیال یہ تھا کہ اسے اکٹھا ہی ذکر کیا جائے۔

ازواج مطہرات کی درخواست

ان آیات کا پس منظر احادیث مین یہ بیان ہوا ہے:

کہ جب فتوحات کا دور شروع ہوا تو ازواج مطہرات نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے وظیفہ اور نفقہ میں کچھ اضافہ کر دیا جائے۔

اللہ کی طرف سے جواب

اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں انہیں دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا ہے:

(۱) یا تو وہ خوشحالی کی زندگی گزارنے کے لیے جدائی اختیار کر لیں۔

(۲) اور یا پھر تنگی ترشی کے ساتھ گزر بسر کریں اور اپنی نظر آخرت کی خوش عیشی پر رکھیں۔

آخرت کو ترجیح

جب آپ ﷺ نے انہیں اختیار دیا تو ان سب نے آخرت ہی کو ترجیح دی۔

ازواج مطہرات کی فضیلت اور احکام

اس موقع پر ازواج مطہراتؓ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے انہیں سات احکام دیے گئے۔

(۱) پہلا یہ کہ مردوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے لوچ دار لہجہ اختیار نہ کریں۔
(۲) دوسرا یہ کہ بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں کیونکہ مسلمان عورت کا اصل اور محفوظ ٹھکانہ گھر ہے۔
(۳) تیسرا یہ کہ زمانہ جاہلیت کی خواتین کی طرح اپنی زینت اور ستر کا اظہار کرتے ہوئے باہر نہ نکلیں۔
(۴) چوتھا یہ کہ نماز کی پابندی کریں۔
(۵) پانچواں یہ کہ زکوٰۃ دیا کریں۔
(۶) چھٹا یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔
(۷) ساتواں یہ کہ قرآنی آیات کی تلاوت اور احادیث کا مذاکرہ کیا کریں۔

اس کے علاوہ جو اہم مضامین سورۂ احزاب کے اس حصہ میں بیان ہوئے ہیں جو بائیسویں پارہ میں آیا ہے۔ درج ذیل ہیں:

تشخص اور پہچان پیدا کرنے والی صفات

مسلمان کی شخصیت کو معاشرہ میں نمایاں اور امتیازی حیثیت دینے اور اس کا تشخص اور پہچان پیدا کرنے والی دس صفات ہیں یہ صفات مرد میں ہوں یا عورت میں۔ اسے مغفرت اور اجر عظیم کا مستحق بنا دیتی ہیں۔

(۱) اسلام (۲) ایمان (۳) قنوت (دائمی اطاعت) (۴) صدق (۵) صبر (۶) خشوع (۷) صدقہ (۸) روزے (۹) شرمگاہ کی حفاظت (۱۰) کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا۔

منہ بولے بیٹے کی بیوی (مطلقہ) سے شادی

سورۂ احزاب اس مشہور واقعہ کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کو مخالفین نے سخت تنقید اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تھا۔ ہوا یوں کہ جب آپ ﷺ کے متبنی حضرت زید بن حارثہؓ اور آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کے درمیان نباہ نہ ہو سکا اور ان کے درمیان جدائی واقع ہو گئی۔

(۱) تو اللہ کے حکم سے خود آپ ﷺ نے حضرت زینب سے نکاح کر لیا۔

(۲) اس پر بڑا شور اٹھا کہ محمد ﷺ نے اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی جبکہ جاہلی تصور میں یہ نکاح حرام تھا۔

(۳) اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح خود ہم نے کروایا تا کہ آیندہ متبنیٰ کی مطلقہ بیوی کے ساتھ نکاح کرنے میں مسلمانوں کے لیے کوئی حرج باقی نہ رہے۔

حضور کی کثرت ازدواج

یہاں ضمنی طور پر یہ بات بھی جان لی جائے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے مخالفین نے ہمارے آقا ﷺ کی کثرت ازدواج میں معاذ اللہ شہوت پرستی کے عنصر کو بنیادی وجہ قرار دینے کی ناکام اور ناپاک کوشش کی ہے۔ یہاں اگر دو بنیادی نکتوں کو ملحوظ رکھا جائے تو اعتراضات کی لغویت ظاہر ہو جاتی ہے۔

(۱) پہلا نکتہ یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی بھر پور جوانی ایک ایسی خاتون کے ساتھ گزار دی۔ جو عمر میں آپ ﷺ سے تقریباً دوگنی تھیں۔ جب تک وہ زندہ رہیں۔ آپ ﷺ نے کسی دوسری خاتون کو اپنے عقد میں قبول نہیں کیا۔

حضرت خدیجہؓ کے علاوہ جتنی خواتین سے بھی آپ ﷺ نے شادیاں کی ہیں۔ وہ بڑھاپے کی حدود میں قدم رکھنے یعنی پچاس سال کی عمر کے بعد کی ہیں۔

(۲) دوسرا نکتہ یہ کہ سوائے سیدہ عائشہؓ کے آپ ﷺ کی کوئی بیوی بھی کنواری نہیں تھی۔

اگر معاذ اللہ کثرت ازدواج سے آپ ﷺ کا مقصد شہوت پرستی ہوتا تو آپ ﷺ یہ شادیاں جوانی میں اور باکرہ لڑکیوں سے کرتے۔

حقیقت تعدد ازدواج

حقیقت یہ ہے کہ تعدد ازدواج میں تعلیمی، تشریعی، اجتماعی اور سیاسی حکمتیں پوشیدہ تھیں۔ مگر یہ ''خلاصہ'' ہمیں ان کی تفصیل میں جانے کی اجازت نہیں دیتا۔

نبی کریم ﷺ کے امتیازی اوصاف

نبی کریم ﷺ کی صورت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عظمیٰ عطا فرمائی ہے۔ اللہ جل شانہ نے اس کی یاد دہانی بھی کرائی ہے اور آپ ﷺ کے پانچ امتیازی اوصاف ذکر فرمائے ہیں:

(۱) آپ ﷺ اپنی امت پر اور دوسری امتوں پر بھی قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ کیونکہ پوری دنیا کے انسان آپ ﷺ کی امت میں شامل ہیں:

(۱) جنہوں نے ایمان قبول کرلیا۔ وہ ''امت اجابت''

(۲) اور جنہوں نے ایمان قبول نہ کیا۔ وہ ''امت دعوت'' میں داخل ہیں۔

(۲) اہل ایمان کو آپ ﷺ سعادت اور جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔

(۳) کفار اور فجار کو اللہ کے عذاب اور ہلاکت سے ڈرانا آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے۔

(۴) آپ ﷺ نیکی، اصلاح، اخلاق حسنہ اور استقامت کی دعوت دینے والے ہیں۔

(۱) آپ ﷺ کی دعوت نہ دنیا کی دعوت تھی۔ (۲) نہ اقتدار کی (۳) نہ مال غنیمت جمع کرنے کی (۴) نہ ہی قومیت اور عصبیت کی (۵) بلکہ آپ ﷺ کی دعوت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھی جس کا مقصد صلاح اور اصلاح کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس میں کیا شک ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اعمال میں سب سے افضل عمل دعوت ہی ہے۔ خود رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (فصلت)

(۵) آپ ﷺ سراج منیر ہیں۔ آپ ﷺ کے پرنور وجود سے ظلمتیں دور ہوئیں اور شبہات کا ازالہ ہوا۔ (۴۵۔۴۷)

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا ﷺ کو چمکتے ہوئے سورج کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کے ذریعہ شرک وضلال کی گمراہیوں کو دور کیا اور گمراہوں کو ہدایت دی۔

جیسے جب سورج روشن ہو جاتا ہے تو رات کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے اور منزل تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔

تین آداب

سورۂ احزاب وہ آداب بھی بیان کرتی ہے جن آداب سے زمانہ جاہلیت میں لوگ نا آشنا تھے۔ یہاں ان میں سے تین آداب مذکور ہیں۔

(۱) پہلا یہ کہ کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔

(۲) دوسرا یہ کہ اگر کھانے کی دعوت میں تمہیں بلایا گیا ہو تو کھانے سے فارغ ہو کر اٹھ جایا کرو۔ باتوں میں مشغول ہو کر صاحب خانہ کا وقت مت ضائع کیا کرو۔

(۳) تیسرا یہ کہ غیر محرم خواتین سے کوئی چیز مانگنے کی ضرورت پیش آئے تو پس پردہ مانگا کرو بلا حجاب ان کے سامنے نہ آیا کرو۔

البتہ اپنے محارم کے سامنے عورت کو بے پردہ آنے کی بھی اجازت ہے۔ (۵۳۔۵۵)

درود و سلام بھیجنے کا حکم

ازواج مطہرات کی حرمت بیان کرنے کے بعد اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کی عظمت و تکریم بیان فرمائی ہے اور اہل ایمان کو آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔

آپ ﷺ پر درود و سلام حقیقت میں خود ہمارے لیے عزت و کریم، ذریعہ رفع درجات اور کفارۂ سیئات ہے۔

چہرۂ انور پر خوشی کے آثار:

حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے:

کہ ایک دن حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر خوشی کے آثار تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آج ہم چہرۂ انور پر خوشی کے (غیر معمولی) آثار دیکھ رہے ہیں۔

کیا آپ اس بات سے خوش نہیں

آپ نے فرمایا آج میرے پاس فرشتہ آیا تھا۔

اس نے کہا:

اے محمد ﷺ! کیا آپ اس بات سے خوش نہیں ہیں کہ اللہ عزوجل کہتا ہے:

(۱) ''آپ ﷺ کی امت میں سے جو کوئی آپ ﷺ پر ایک بار درود بھیجے گا۔ میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا۔

(۲) اور جو کوئی ایک بار سلام بھیجے گا۔ میں اس پر دس بار سلامتی نازل کروں گا۔

ہاں میں خوش ہوں!

میں نے فرشتے کو جواب دیا کہ:

''ہاں! میں خوش ہوں۔'' (مسند احمد' نسائی)

ہر مسلمان خاتون کو پردہ کا حکم

پہلے امہات المومنین پر حجاب کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ پھر عمومی طور پر ہر مسلمان خاتون کو پردہ کا حکم دیا گیا۔ خواہ وہ بیوی ہو یا بیٹی' بہن ہو یا ماں' حجاب عورت کی عزت و عصمت کا محافظ اور باعث تکریم و تشریف ہے۔

حجاب شرعی میں چند شرائط

حجاب شرعی میں چند شرائط کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) حجاب ایسا ہو کہ پورے بدن کو چھپالے۔

(۲) وہ حجاب فی نفسہ پرکشش اور نگاہوں کو متوجہ کرنے والا نہ ہو۔

(۳) حجاب ایسا باریک نہ ہو۔ جس سے جسم کی رنگت جھلکے اور نظر آئے۔

(۴) کشادہ ہو۔ ایسا تنگ نہ ہو۔ جو فتنہ کا باعث بننے والے اعضاء کو ظاہر کرے۔

(۵) ایسا معطر نہ ہو جس کی خوشبو دوسروں تک پہنچے۔

(۶) بناوٹ میں مردوں کے لباس سے مشابہت نہ رکھتا ہو۔

(۷) ایسا لباس نہ ہو۔ جو کافر اور مشرک عورتوں کی پہچان بن چکا ہے۔

(۸) شہرت کا لباس نہ ہو کہ جسے محض شہرت کے لیے پہنا جائے۔ حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار:

سورت کے اختتام پر فرائض و واجبات اور شرعی احکام کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ یہ احکام اس امانت کا حصہ ہیں ۔ جو اللہ نے بندوں کو سونپی ہے۔ آسمانوں' زمین اور پہاڑوں نے اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ ان کے اندر یہ بوجھ اٹھانے کی صلاحیت نہ تھی۔

بوجھ اٹھا تو لیا مگر حق ادا نہ کر سکا

لیکن چونکہ انسان کو اللہ نے عقل و فکر اور خیر و شر کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے تو اس نے بوجھ کو اٹھا تو لیا مگر اس کا حق ادا نہ کر سکا۔

ہماری دیگر مطبوعات